



علم انسان و الم تعلم

کتابخانه
جامعہ ملیہ اسلامیہ
دہلی

شعبہ
نمائندہ
مدرسہ اعلیٰ



محمد شمس الدین



محمد شمس الدین



محمد شمس الدین



محمد شمس الدین



محمد شمس الدین



محمد شمس الدین



محمد شمس الدین



محمد شمس الدین



محمد شمس الدین



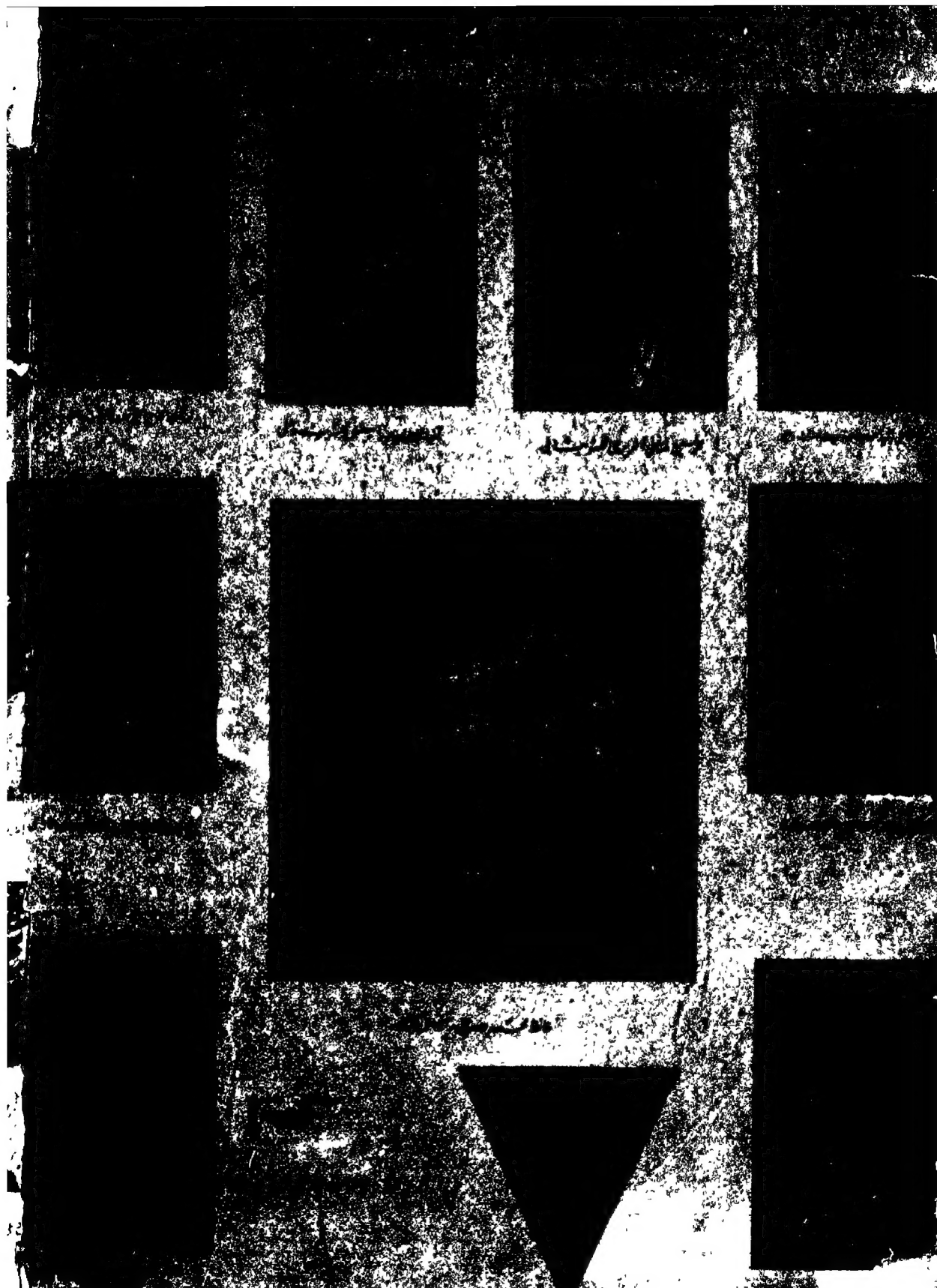
محمد شمس الدین



محمد شمس الدین



محمد شمس الدین



اُن طلائی زنجیروں کے نام

جو عنقریب میرے پاؤں میں پڑا چاہتی ہیں

۳۶۷۰۹

انوارِ حق

معتمد نمبر ۳ کے انعام پانچواں خوش نصیبوں کی فہرست پہلا انعام مبلغ سو روپیہ بالکل صحیح حل پر

آنسہ ساجدہ خاتون۔ امین آباد لکھنؤ۔
دوسرا انعام مبلغ ۵۰ روپے ایک غلطی پر فی کس پانچ روپیہ۔

گنیش پرشاو لاہور۔ جمیلہ خاتون کراچی۔ عطا الرحمن آگرہ۔ جمالہ آراٹکھتہ۔ نسیم بیگم۔ اوبہندی۔ رام راجن پشاور۔ ایثارانی
مہدی۔ جمیل انصاری کانپور۔ سیلانی سلطان رامپور۔ زاہدہ بیگم پٹنہ۔ مقصود احمد دہلی۔ نور جہاں سلیم۔ بی۔ علی قلی شاہ مدراس۔ زاہدہ ظفر
الہ آباد۔ مرزا اقبال بیگ کوٹا۔

تیسرا انعام پچاس روپے ۲ غلطی پر فی کس ایک روپیہ پونے سات آنے

مشتاق احمد دہلی۔ اے فی سیف الدین۔ سورت۔ میرہ کرنا۔ سنگھ۔ بیڑہ۔ عزیز الدین۔ قصور دہلی۔ احمد انوار بیگم کانپور۔
محمد یوسف مہدی۔ اقبال سنگھ کانپور۔ شاہد نظر احمد آباد۔ سورج بھانج سنگھ۔ سریش۔ انور علی۔ میرا گدہ۔ محمود ہاشمی گیارہ۔ ہنسہ۔ منیر حسین
جھانسی۔ باب نال کلاہ جالندھر۔ عائشہ سلطانہ رام پور۔ رفیعہ اقبال دھولپور۔ شمس الدہلی۔ بدایوں۔ کٹہ۔ ای۔ لال۔ باترس۔ شہیر بانو شکار پور۔
مقصود اور چٹا کاتنگ۔ سر۔ آ۔ واسطی پلیمپار خان۔ دو تانہ سلیمٹ۔ معراج النسا ہوشنگ آباد۔ سی۔ جی ناشر بھوپال۔ آنسہ۔ وردانہ
اشک بہاؤنگر۔ محمد مہدی۔ بی۔ باجی رفیقہ حبیب دہرہ دوان۔ وجے کشور ماتھر۔ شگلور۔ حسرت برنی۔ بلند شہر۔ ہنسہ۔ او۔ ذکر پتہ۔ نیاز وانی
الہ آباد۔ سید کتب حسین بھٹو۔ مریم زمانی حیدر آباد۔ کن۔ جی این آر۔ اے۔ دیم۔ شادہ۔ مجتبیٰ فضل الدین انبالہ۔ کرم الہی ٹیپالنگ۔

انعام خصوصی مبلغ ۵۰ روپے سب کے حل پر
حفیہ اکبر حسین ناگ پور۔ (بارہ سال)

معتمد نمبر ۴ کا صحیح حل :- زر۔ عیش۔ نرم۔ ذہانت۔ ریش۔ بندوق۔ ناگ۔

انعامی رقومات

۳۰ مارچ ۱۹۷۷ء تک ارسال کردہ ایٹیں اور دیگر ۳۲ مارچ کے ایک ہفتہ کے بعد تک انعام یافتگان کو روپے
ہوں تو براہ کرم دفتر کو ذرا مطلع فرمائیں۔

ایڈیٹر معتمد

قوم کا انعامی مہم نمبر ۲

ڈھائی سو روپیہ کے نقد انعامات

پہلا انعام سو روپیہ۔ دوسرا انعام ۵۷ روپیہ۔ تیسرا انعام پچاس روپیہ

انعام خصوصی ۲۵ روپیہ (سب سے زیادہ حل بھیجنے والے کو)

قوم کے انعامی مہم ۲۰۲۰ء جس قدر مقبول ہوئے وہ ہمارے لئے باعث مسرت ہیں۔ اب ہم سوچتے ہیں کہ انعامی مہم میں بھی جہادِ الفاظ کی فہرست پیش کر دی گئی ہے۔ آپ ہر اشارہ پر کافی غور فرما کر ان کی خودہ متبادل الفاظ سے چمیدہ الفاظ منتخب کر کے صحیح حل مرتب فرمائیں۔ ہمارے محفوظ حل میں ان کے علاوہ اور کوئی لفظ استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ فی دس داخل ایک نام سے ایک حل کی ایک روپیہ اور تین حل کی فیس ایک ہی نام سے دو روپیہ۔ داخلہ کی آخری تاریخ ۲۵ اپریل ۱۹۴۷ء ہے۔

شہابی - گلابی -	ی	ب	ا	ل	نگ
سیاسی - سماجی -	ی	ج	ا	س	س
خالت شرافت - محفلت جہالت ندامت -	ت	ق	ا	م	ح
آبرو - آرزو -	د	ر	ب	ا	ا
قرار - ہمار	ر	ا	ر	ق	ا
وفادار - حبیدار	ر	ا	د	ی	۲
گل - تیل			ل	گھٹ	گھٹ

(۱) کسی کو سنانے کی جگہ "ان" کے چہرہ کارنگ — ہو جاتا ہے۔

(۲) عیاں فحش اور بازاری ادب بھی ہماری اخلاق اور — سستی کا زہر دار ہے۔

(۳) اس میں انسان کیا نہیں کر گزرتا۔

(۴) یہ ستاروں کی طرح مصوم جان —

(۵) بعض لوگ اپنے محبوب کو — زندگی بھی کہتے ہیں

(۶) پیشہ ور ہے کہ ہندوستانی عورت انتہائی — ہوتی ہے۔

(۷) محبت کرنی والا بعض اوقات اس سے بھی متاثر ہوتا ہے۔

(۸) معمر حل کرنے سے پہلے ہر گھلے صغیر پڑھنا

حل مطابق نمونہ نقشہ حل ارسال فرمائیے۔ اشارات کی عبارت اور متبادل الفاظ کے لکھنے کی ضرورت نہیں۔

ضرور ملاحظہ فرمائیے۔

داخلہ کی آخری تاریخ
۲۵ اپریل ۱۹۴۷ء

قاعدہ نمبر

- ۱۔ حلوں کے ہمراہ رسیب مینی آرڈر ضرور روانہ کیجئے۔ ٹکٹس یا پوسٹل سرٹیفکیٹ قابل قبول نہ رہا۔
- ۲۔ ۲۵ مارچ ۱۹۴۷ء کے بعد جنہیں واسلے حل شامل نہیں ہوتے۔ اور اس کی وصول شدہ نہیں ہوئی۔ کیلئے ضمانت رکھ لی جائیگی۔
- ۳۔ رہستہ میں کم ہونیوالے یا ناخرسے پہنچنے والے حلوں کا دفتر ذمہ دار نہ ہوگا۔
- ۴۔ ایک شخص خواہ کتنے ہی محل سے اس کو انعام خصوصی کے علاوہ عمومی انعام میں۔ نہ ایک بڑا انعام دیا جائے گا۔
- ۵۔ اگر حلوں کا تعداد در سرفیس کے اعتبار سے زیادہ صوفی تو ایڈیٹر کو اختیار ہے۔ حل ہوگا کہ کوئی زیادہ حل خارج کر دے۔
- ۶۔ مستحقین انعامات عمومی و خصوصی کی تعداد ایک سے زیادہ ہر ایک صورت میں رقوم انعامات بحمدہ مساوی تقسیم کر دی جائیگی۔
- ۷۔ فہرست انعام یافتگان ماہ مئی ۱۹۴۷ء کے ذم میں شائع ہوگی۔ اور رقوم انعامات ۱۵ مئی ۱۹۴۷ء تک ارسال کر دی جائیگی۔
- ۸۔ مقامی عہدات اپنا حل اور فیس دفتر "قوم" میں دستی بھی دے سکتے ہیں۔
- ۹۔ صلیح حل اور جملہ امور سے متعلق ایڈیٹر کا ہر فیصلہ قارئین اور ہر صورت میں ہر شریک ممبر کے لئے قابل قبول ہوگا۔
- ۱۰۔ حل علاوہ کہ جن کے سادہ کاغذ پر بھی اس صورت میں قابل قبول ہو سکیں گے کہ ان کے ساتھ ایک کوپن شائع شدہ ہو۔
- ۱۱۔ کسی ممبر اگر وہ حل کے مطابق نہ ہو۔ اور انعام نہ ملا ہو تو ایک روپیہ فیس کے ساتھ اس پر نظر ثانی کرائی جاسکتی ہے۔
- ۱۲۔ ممبر کے سلسلہ میں کسی خاص بارے میں خط و کتابت اس شرط پر کی جاسکتی ہے کہ جواب کیلئے لغاتہ سے جواب ملے۔ غیر ضروری خطوط کا جواب نہیں دیا جائے گا۔
- ۱۳۔ جمعہ خط و کتابت۔ حل اور رقوم کی ترسیل پتہ ذیل پر کی جائے۔

ایڈیٹر مٹہ دفتر ماہنامہ "قوم" لاہریری روڈ دھلے

شہابی۔ مگلابانی	۱	۰	۱	ب	ی
سیاسی۔ سماجی	۲	س	۱		ی
ثقافت۔ شریعت۔ جماعت	۳		۱		ت
آبرو۔ آرزو	۴	۲	۰	۰	
قرار۔ بہار	۵		۱	۰	۰
دفا دار۔ دیادار	۶	۱	۱	۱	۰
گل۔ تل	۷	۰	۰	۰	۰
نام اور مکمل پتہ	نام اور مکمل پتہ				

آخری تاریخ
دخسلہ
۲۵ اپریل
۱۹۴۷ء
پوسٹل آرڈر یا
ٹکٹ کسی صورت
میں بھی قابل قبول
نہ ہوں گے۔

شہابی۔ مگلابانی	۱	۰	۱	ب	ی
سیاسی۔ سماجی	۲	س	۱		ی
ثقافت۔ شریعت۔ جماعت	۳		۱		ت
آبرو۔ آرزو	۴	۱	۰	۰	۰
قرار۔ بہار	۵		۱	۰	۰
دفا دار۔ دیادار	۶	۱	۱	۱	۰
گل۔ تل	۷	۰	۰	۰	۰
نام اور مکمل پتہ	نام اور مکمل پتہ				

نمبر ۳

نگارشات

جلد ۱

چند سالانہ : نفع

فی پرچہ : ۲

قیمت سالانہ نمبر

مسلم قوم دہلی

ادارہ :-
انوار الحق حق
سلمان الارشد فاروقی

نمبر	نگارشات	نکارندہ	صفحہ	مختصر	نگارشات	نکارندہ
۱	قوم کا پیغام	ادارہ	۱۱	۱۸	مراحل	سلمان الارشد فاروقی
۲	سنگ میل	ادارہ	۱۲	۱۹	زنداد	انجم صہبائی بی
۳	ہماری نظریں	ادارہ	۱۸۷	۲۰	انتشار	اشتقاق عارف
۴	پچاس	چٹائی ساز	۱۵	۲۱	مرکز	قمر جمالی
۵	مقالے			۲۲	کتبہ ہیر جس کو عشق	عمران الارشد
۶	ابن تنقید	ڈاکٹر میر تقی محمد دیوانہ ایم اے پی ایچ ڈی	۲۳	۲۳	حبوس	انجم سلمانی
۷	نور الدین قلم سے	پروفیسر بانو اختر قلم ہے	۱۷	۲۴	لمبی دور	عائشہ شاہ
۸	سلاطین کا سیاسی اثر	محمد احمد سوری ایم اے (شمالی)	۸۷	۲۵	حشرات الارض	امیر علی بی
۹	ادب کیلئے	حبیب شاہ بی اے (عثمانیہ)	۳۶	۲۶	خواب	ہسی رام شری
۱۰	ہندوستان کا آج اور کل	ابوسید برہی ایم اے	۶۰	۲۷	گلشن	حسن باقر شاہ
۱۱	ہندوستان کا پہلا نسل	پروفیسر تہرگنوی ایم اے	۳۳	۲۸	اس کی اپنی	عزیز انوری
۱۲	تقدیر محمدان	پروفیسر وحید الحق بی بی	۶۳	۲۹	زبانے دیں	قادر نیازی
۱۳	ہمارا تمدن اور اس کا تحفظ	ضبط ایم اے	۱۲۵	۳۰	نفرت	جاوید لعلی
۱۴	شیراز کا قتل	تیرا صدی بی اے	۱۵۹	۳۱	شام سویرا	شاہدہ ادیب
۱۵	افسانے			۳۲	مولوی جہان	نظیف دلہوی
۱۶	قلمیاریا	شرکت تصانیف	۳۱	۳۳	کہاں سے کہاں	فاطمہ بیگم منشی فاضل
۱۷	سنی	پریم ناتھ پریسی	۵۷	۳۴	نقص	سلمان الارشد فاروقی
۱۸	بھٹی خاندان	دعابت سندھوی بی اے	۲۵	۳۵	نصف مجاہد	ابراہیم یوسف بی اے
۱۹	ہے جگہوں	ایل ایل بی	۳۹	۳۶	منظومات	ارشد تالوی
۲۰	کوثر چاند پوری		۹۵			

نمبر شمار	نکارش	نکارندہ	صفحہ	نمبر شمار	نکارش	نکارندہ
۳۷	رباعیات -	احمد علی قاسمی -	۳۱	۶۸	ہسین شاکستیں -	عزیز احمد
۳۸	محمود مہدی -	ڈاکٹر شہرت ایم بی بی ایس -	۵۱	۶۵	گیت -	منصور عجز
۳۹	تخلیلات -	سلام ربانی تاباں بی اے -	۶۶	۶۶	پیش و پیش -	عمران انصاری -
۴۰	اندر	ایل ایل بی -	۴۶	۶۷	دو نظریں -	علی احمد بی اے
۴۱	پہلوں کی حکومت -	مقبول حسین احمد پوری بی اے	۶۸	۶۸	ہم ابرو -	ادب الہیائی
۴۲	تشیب -	ابن ایل بی -	۵۹	۶۹	سوزنا نام -	امید رضوی -
۴۳	اب و قوال -	انطاف مشہدی -	۱۲۵	۷۰	دودائے -	سر انصاری
۴۴	سوی خیل -	سردار اوہب -	۷۸	۷۱	جذبات -	طوفان قریشی -
۴۵	نوائے راز -	نشر واعدی -	۸۶	۷۱	کچھ بھی نہیں -	سافر چشتی
۴۶	پچھلے ٹیٹل -	یوسف ظفر بی اے	۱۵۵	۷۳	کون کرے -	تبسم نظامی -
۴۷	پچھلے ٹیٹل -	راز مراد آبادی ایم اے	۱۳۲	۷۴	آثارات -	ترنمائی -
۴۸	دعا -	آفتاب پوری بی اے	۷۵	۷۵	احساسات -	شفیق کوٹی
۴۹	سازشکتہ	ایل ایل بی -	۴۳	۷۶	جاگ رہے ہیں -	نذیر باری -
۵۰	مشاہدہ	تنبلی شفا بی -	۶۲	۷۷	نوبال کلب	
۵۱	طوفان کے بعد	ناوش پر تاب گروہی -	۱۰۱	۷۸	آغازیہ نوبال کلب -	آزاد فیض فحوت میرو نوبال کلب
۵۲	کیوں چھوڑ سدا ہے	ساحر قدوائی -	۱۱۰	۷۹	پندرہ خدیوہ کی شرط مشورج -	ادارہ نوبال کلب -
۵۳	ماتم شباب	کنول پرست اوکٹول	۱۰۲	۸۰	ہماری ڈاک -	آزاد فیض فحوت میرو نوبال کلب
۵۴	سلیوٹیں	منظور احمد بی اے ایل ایل بی -	۱۰۹	۸۱	قارم میری -	ادارہ نوبال کلب -
۵۵	ڈہنی مریض ہے -	ماہر القادری -	۱۳۳	۸۲	بقیہ ڈاک -	ضیا الاسلام انصاری نائب مدیر
۵۶	کرنیں اور سامنے -	اشعر بیج آبادی -	۱۴۱	۸۳	اے کاش -	پریم کمال
۵۷	انتظار -	منظور احمد ایم اے -	۱۵۷	۸۴	ٹوٹا ہوا میل -	سید رضی الدین احمد
۵۸	فردوس جمیل	میکش حیدر آبادی -	۹۱	۸۵	وینائی بسائیں (گیت) -	اعجاز احمد انصاری -
۵۹	انتباہ	الطاف پرواز -	۱۴۲	۸۶	ربڑ -	فرید صابر فاروقی -
۶۰	اصول -	صنعت شہری -	۱۵۰	۸۷	عقبت آپ -	ایم احسن بلقیس غائب -
۶۱	ماکارب	استدھو پالی	۳۹	۸۸	پوٹ سنگھ -	محمد عیاد مرمت سر -
۶۲	نفت -	جلیں شہر کوٹی ایم اے ایل ایل بی -	۸۸	۸۹	لنڈم -	صابر فاروقی -
۶۳	ال روز	آغا سرخیش قزلباش -	۱۸	۹۰	انڈیا ایجنڈا جرنل -	ضیا الاسلام
۶۴	کائنات عکس	مروج علیک -	۸۵	۹۱	چوٹیں -	ذکیہ کریمت -
۶۵		بانہ بدھو پالی -	۱۶۵	۹۲	ہرست میران نوبال کلب -	ادارہ
۶۶		آثر جلیل -	۱۳۹	۹۳	مہم ہمار کا منظر -	سید غوث
۶۷				۹۴	جہانے بھائی جان -	گننام

انوار حق

قوم کا پیغام

اردو صحافت کا بحرانی دور

کاغذی کنٹرول کے زمانہ میں اردو صحافت میں مشکلات سے دوچار ہوتی ہوئی ہر وہ ناقابل بیان میں اس نازک دور میں متعلقہ اخبارات و رسائل کا غزندہ بننے کی وجہ سے بند ہو گئے اور زندہ رہے وہ بھی اس طرے نندہ بدست مردہ حالانکہ اشاعت و آمدنی کے اعتبار سے یہ زمانہ سید شاندار رہا کیونکہ سینکڑوں کی تعداد میں چھپنے والے رسائل و اخبارات کی اشاعت ہزاروں ہونگی بلکہ بعض بعض تو لاکھ کی منزل کے قریب قریب پہنچ گئے اور اشاعت کی اس ہمہ گیری کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ جیسے ہندوستانی عوام اس نکتہ کو سمجھ گئے ہیں کہ زبان کی ترقی کے لئے اخبارات و رسائل کی سرپرستی ضروری ہے گو یہ دوسری بات ہے کہ ہم اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں اور اس اشاعت کو ہم عوام کی ذہنی بیداری سے تعبیر کر سکتے ہیں کیونکہ رنگ کی برکات سے جہاں کچھ عرصہ کے لئے عوام کو بڑی دور تک اقتصادی و معاشی مشکلات سے بے نیاز کر دیا تھا اس حد تک افراط زر کی دہانہ ان عریاں اور محسوس کی سرپرستی کی گئی جو جذبات اسفل کی تسلیں کا ذریعہ تھے اور یہی وجہ ہے کہ پاکیزہ اور صحت مند ذہن کے ترجمان رسائل پر اس زمانہ نے کوئی اثر نہیں ڈالا۔ انہی اشاعت بڑھی ضرور مگر بہت قلیل تعداد میں اور یہ اصول اس لئے بڑھنا چاہئے تھے کہ ان رجحانات کا نتیجہ بھی جو یہ پرچہ پیش کر رہے تھے، وہ ان رسائل کی اشاعت کا سوال عوام کی ذہنیوں کو مسموم کر کے ان کی جنسی بھوک تیز کر کے اپنا کیہ بھر رہے ہیں تو اگر ان کی تعداد ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں اور کروڑوں تک بھی پہنچ جائے تو اس سے اردو ادب کے وقار میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا اور پھر جب یہ اعلان ہوا کہ کاغذ پر کنٹرول اٹھایا جا رہا ہے تو ہر لوہا اس جن برقی شعار کے آہستہ آہستہ اہل نظر کو غلامیت کرنے کیلئے میناب نظر آ رہا ہے۔ جہاں تک صحافتی اخبارات و رسائل کے

اجزاء کا سوال ہے ہم ان کو ملک زبان کیلئے خالص نیک سمجھتے ہیں مگر سوتیلے و عامیاد خلق کے رسائل نہ صرف ہمارے بلکہ ہر کسی خواہ اردو کے لئے باعث اذیت ہیں اور اطلاعاتی قسم کی موصول ہوتی ہیں کہ علمیانہ مستقبل یا زاری ذوق کے پرچوں کو بڑے طعنے سے شائع کرنے کے پروگرام بنائے جا رہے ہیں تاکہ کوک شاستر انہ قسم کے ادب کی ترویج و اشاعت کا فریضہ صحیح طور پر انجام پاتا رہے۔ ان رسائل کے اجزاء سے ہم کو کوئی معاوانہ حسد نہیں لیکن ضروری ہے کہ اس کی وجہ سے ایچہ او معیاری رسائل کو اشتہاری اعتبار سے شدید ترین نقصان پہنچ جائے گا۔ کیونکہ ابھی سے ان پرچوں کے مالکان نے اشتہاری فضا کو گندہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ گو ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اس قسم کے پرچے دو چار اشاعتوں کے بعد خود اپنی موت آپ مر جائیں گے۔ مگر تجارتی ساکھ ہمیشہ ایک طویل عرصہ کے لئے ضرور بگڑ جائے گی، رہے وہ حضرات جو صحیح طریقہ سے کام کرنا چاہتے ہیں ان کی خدمت میں ہمارا یہ محکمہ شہر ہے کہ وہ اپنی اپنی ڈھلی اپنا اپنا راک کے بجائے اگر صحیح طور پر لیڈر ادارے بنا کر اس کا روبرو شروع کریں تو انفرادی قسمی کے بجائے یہ اجتماعی کوشش زیادہ کامیاب ہوگی کیونکہ اس طرح نہ تو ان کو مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اور نہ باجبر بے کاری کی بنا پر کسی نقصان سے دوچار ہونا پڑے گا بلکہ معیاری صحافت کا پاکیزہ نمونہ ہونیکے ساتھ ساتھ یہ پیچیدہ طریقہ کی زبان و ادب کی صحیح خدمت بھی کر سکیں گے، ورنہ ظاہر ہے کہ اس بحرانی دور میں معیاری سرمایہ سے نکلنے والے رسائل اس مقابلہ کی دوڑ میں نہیں دوڑ سکیں گے کیونکہ ہم پرچہ ظاہری و حتمی اعتبار سے ایک دوسرے پر برکت لیجانے کی کوشش کرنا اور زیادہ سوزنا تیاں پیدا کر کے اپنی جگہ بنانے کے مقبولیت حاصل کرنے کی جگہ پر کھانا کھانا کی وجہ سے جو شدید مقابلہ ہوگا اس سے نہ صرف نئے بلکہ پرانے رسائل و اخبارات کو بھی شدید ترین نقصان پہنچے گا اور شہر ہر ایک کو امید کہ مستقبل ہمارے لئے ساقی ہمارے سرخو کی خوشی میں کوئی قدم اٹھائیے، اسکے ساتھ ساتھ ہمارے یہ

ادوارہ

سنگ میل

دھندلوں میں بھی ان کو امید کی ایک نئی جھلکاتی ہوئی کرن نظر آ رہی ہے۔ ایسی کرن! جو ان سوگواریوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غلطیوں میں غائب کر دیگی۔ منقولات میں کتنی جو رعب فرسا چھینیں اور تلچیاں اشعار میں بوسل کر صفحہ قرطاس پر منتقل ہو گئی ہیں۔

آرشد تھانوی ہندوستان کے متاز ستارہ ہیں سے ایک ہیں مگر وقت کے تقاضوں نے سب سے پہلے ان کو متاثر کیا اور پڑھنے میں جوانوں کے خون کی گری لے کر یہ میدان کا زلزلہ میں کود پڑے اور زمانہ کی دکھتی ہوئی رگوں پر بڑی متفانی و بیدردی سے فخر زنی کر کے اس عفونت زدہ مہیپ اور خون کا تجزیہ کر کے بعد اس زمانہ جیسے ہوئے انسان نے نئے زمانہ کو تلاش کر لیا اور پھر جمع پڑا۔

جو راضی و عاشق ہے وہی چین کرے ہے

مکاری و عیاری ہی دنیا کو ہرے ہے

اور..... جو حسن و شیر و دیوانت کا ہم پا بسند

کو لہو میں پلا کرتے ہیں اس کے زن و فرزند

سولی پہ لٹنے کی مصیبت وہ بھرے ہے

چنانچہ غلام ربانی تاجاں کی "تلفیوں" میں زندگی کی بچی آئیں پوری طرح بے نقاب ہیں، ہر عزم ناکامی سے دھار ہے کئی سسی برآور نہیں جوتی بلکہ..... میں نے جو کجیت بھی چھیڑا وہ نفاں بن کے ادا اور..... میں نے جو راہ نکالی وہی مسدود ہو جی

”اور جو چول چٹا خارا بد اماں نکلا“

لیکن انگلوں کی یہ شکست اس کے احساس میں پسپائی پیدا نہیں کر سکی گویا خود ہے کہ وہ اس موقع پر

زلیست تو زلیست ہے اب موت کا ارمان بھی نہیں

غلامی۔ انڈاس سماجی لہجے اور جو کہ عرق و مہنہ باندھنے کے انہی بیلاوی مسائل سے ہم آہنگ ہے۔ چنانچہ خاص خبر کے بعد سے ادارہ قوم کا بھی یہی طبع نظر ہے۔ اندوہ اس پستی سے طبع ہی ایسی۔ اس سلسلہ میں اس قدر دشواریاں پیش آئیں ان کے اظہار کی اس لئے چنداں ضرورت نہیں کہ ہر اصول کے لئے انسان کو کچھ قربانیوں دینی پڑتی ہیں۔ پھر ادارہ قوم اس سے کیونکر محض نظر رکھتا تھا ایسی ہی اس تبدیلی سے بیکانے بھی خفا نہیں ہوئے۔ بلکہ اپنے بھی بھونکتے۔ لیکن یہ خطی ہمارے اصولوں میں دھماکی ہلک پیدا نہیں کر سکی۔ اور ان سالانہ قوم پیش کرتے ہوئے ہم کو صرف اس لئے مسرت ہو رہی ہے کہ یہ اس دل کش خواب کی حسین تصویر ہے جو ہم خاص خبر کے بعد سے برابر دیکھ رہے تھے۔ تعبیر کمال ہے یا نا کھمل اس کا فیصلہ تو ہمارے مقابلہ میں آپ زیادہ بہتر کر سکیں گے لیکن اتنا کہ جس میں ہم بھی کوئی ہلک محسوس نہیں کرتے کہ اس سالنامہ کو ایک مثالی حیثیت صرف اس لئے حاصل ہے کہ اس کے لکھنے والوں نے اپنے نام سے فائدہ اٹھانے کی کوئی کوشش نہیں کی ہے بلکہ ہر فنکار نے حالات و واقعات کے سبلی ہر نااہل سے گذر کر ان کی اصلی حقیقت و ماہیت دریافت کرنے اور اپنے کی پوری پوری کوشش کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ سالنامہ کے نظم و نثر کے معصوموں و محلوں کے چم و خم اور الفاظ کی بندشوں میں خوشچکان زندگی بھی مقید نظر آ رہی ہے۔ اور دم توڑتی ہوئی انسانیت کی جاگتی کا منظر بھی کھلائی دے رہا ہے کہ جس میں ہر خبر ہے تو کہیں لطیف مشعلے مگر مقصد سب کا ایک ہی ہے۔ کسی کے یہاں فراہم کا شائبہ نہیں۔ بلکہ ہر فن کار دنیا اور زندگی کے خلاف جہاد کرتے ہوئے خوش گو اور مستقبل کو اپنے لئے لکھ کر شش میں مسخوف نظر آ رہا ہے ماضی اور حال کی تلخیوں کے

لہر کچھ دیر کے لئے مغل سنا ہو گیا لیکن اس اضمحلالی کیفیت سے
سوئے ہوئے بیدار ہو گیا۔ اور گرد و پیش پر نگاہ ڈال کر وہ بے نیاز
سے گنگنا یا۔

زندگی لالہ و گل ہی تو نہیں غریبی کی لب خنداں یہی دیدہ نمناک ہے
ادھر اقصائی مجہریاں دیہاتی بچے کی معصوم خندوں میں
الچہ رہی ہیں ڈاکٹر شہرت بچہ اور خود لاری کی نفسیاتی گتھیں
کو سلجھانے میں مصروف ہے۔ ایک باپ کے بچوں کے احساسات کی
لفظی ہوئی آواز اور آنسوؤں کی تھر تھراہٹ ان اشعار میں بھی نظر آ
رہی ہے۔

ان کھلونوں کا خدا کے لئے بیمار بن
جن کو میں نے سکوں ان کا خریدار بن
ایک تماشا سار کوچہ و بازار نہ بن

دیکھ لیا کہتی ہے تھسے میری شرمندہ نظر
مگر اس شرمندہ نظر کے باوجود جب بچہ
کہیں انکو رکے خوشے کہیں شربت کے گلاس
دیکھتا ہے تو اسے

”مسکراتے ہوئے ظن کہیں نہتی ہوئی پیاس“
کا خیال آجاتا ہے۔ اشکوئی روانی معصوم جذبات کی موت کا اعلان کرتی
نظر آتی ہے۔ ایک باپ کا دل ان آنسوؤں کو کیسے برداشت کر سکتا
مگر الفاظ کے علاوہ دوسرا سواج ہی کہاں ہے۔ اس لئے پھر بھیجے ہوئے
الفاظ کپکپاتے ہوئے ہونٹوں سے نکل پڑتے ہیں۔

مجھ سے دیکھ نہیں جانتے یہ ترے دیدہ تر
صد نہ کر اسے معصوم سے محنت جگر
لیکن نہ دیکھنے کے باوجود ان آنسوؤں کو دیکھنا پڑتا ہے۔ یہ ہندوستان
ہے جہاں کی سیاسی دھرتی ایسے لاکھوں اور کروڑوں انول آنسوؤں
کے پانی میں جذب کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔

دھرتی کی ہاس سہی لا محدود وسعت میں ان گنت گاؤں
بھی بکھرے پڑے ہیں۔ ایسے گاؤں جہاں پر ابھی تک معصومیت
کا دور دورہ ہے۔ جہاں کے بایسویں پر اب تک شہر کے قریب کا
لمحہ نہیں پڑا۔ قریب شرفائی دیں کے ان ہی میں خطوں کی
معصومیت کی تصویر کشی اپنی دعائیں کر رہا ہے۔ پوری نظم پائل

کی لطیف جھنگاری طرح سامع ناز ہے۔ سادہ الفاظ کے انتخاب سے
پوری نظم میں گاؤں کی سی سادگی پیدا ہو گئی ہے۔ پائل کی اس جھنگار
میں ننگی ہے لیکن مقبول حسین احمد پوری کا ”نور معطل
نور ہے مٹ جانے والی زندگی کا۔ بیتاب فطرت شاعر عقائد سے آنکھیں
بند نہیں کر سکتا۔ اس کے سوچنے کا ڈھنگ نرالا ہے بھی تو وہ یہ نتیجہ
اخذ کرنے پر مجبور ہو گیا کہ

خاک غلاما سلام کا ڈھانچہ رعنائی اور شان لئے
مٹ کے رہا سب حسن و کرم اپنا نقش و نشان لئے
کیا یہ جملے کیا یہ آنکھیں، یہ فانی وہ خوابی پیکر

کسے قرار دے بقایاں ہمدم ہیں سوہم ہے سارے منظر
مگر احمد ندیم قاسمی فانی پیکروں کے دھڑکتے ہوئے دلوں کے
حسین اتصال سے شباب و جوانی کا ایک لطیف سلگم بنا رہا ہے۔
ایسا سلگم جس کو دیکھ کر قدرتی طور پر خود فراموشی کی اسی کیفیت پیدا ہو
جائے اور صبحکشی حیدر آبادی اس منظر سے متاثر ہوئے لہذا ہی منزل
کی طرف پہنچنے کے لئے بیتاب ہے۔ ہر صبح اس کے لئے پیام نکلا کہ اس
کے عزائم میں نئی مدد دہرا رہی ہے۔ وہ ہوشیار گزار گھاسیوں یا
تھکا دینے والی مسافت سے ہراساں نہیں کیونکہ

منزل کی طرف بڑھنے والا کیا سوچے گیوں جلنے لگا
آبلے ننگے تلوؤں پر کب آئے اور کب چھوٹ گئے۔
اور اسی لئے

بڑھتے قدموں نے دیکھا ہے اس ہندو دھندلی سرحد پر
کچھ زندہ کوئیں ساتھ ہوئیں کچھ مردہ سائے چھوٹ گئے
مگر آغا سرخوش قمر لباش حال کی بے کیفیوں سے نہ حال
ہے۔ مستقبل کی یہ روشنائیاں اس کی نگاہوں کو خیر نہیں کرتیں۔
اس لئے کہ

یوں گذر جاتا ہے ہر رنگین منظر پہ پہ پہ
جس طرح ہر شے کو دیکھے کوئی چشم خواب سے
چینا بچہ

دلوں کے قلب میں جوش جوانی کو کب
زندگی کی نبض کا بھی تو نہیں طعنا پتا
اس طرف ساحر قدوائی حال پتا نہ نظر ڈالتا ہوا گذر

رہا ہے اس نے

جنگلات تھوڑے شہروں کے محل کو چوں میں
کتنی تھوڑی سی مٹتی ہوئی لاشیں پائیں
کتنے مہندہ و مہتاب نسا ہاتھوں پر
لم و اندہ کی پر سوز فراشیں پائیں
نوعہ ترشہ کر کے کہنے پر مجبور ہو گیا۔

خانہ کون و مکمل غا ویر نیست و بلند
تیری دنیا کو بہت غور سے دیکھا لیکن
بھ کو ہر شے میں کسی شے کی کمی نظر آئی
آتش جلیلی بھی نہ لے سکا کیونکہ

ایک یاس بے نہایت واک درج بے کنار
افسانہ حیات کا عنوان ہے ان دنوں
اور کیا پوچھتا ہے مشغلہ ہائے اثر ندیم
معروف شکوہ غم و دریاں ہر ان دنوں
یہ دن کبھی بدیں گے بھی یا زندگی اسی طرح یاس و ناخوشیوں کا
شکار رہے گی.....!

اسد مجھ پالی کی رائے میں

تاریک شب خود سحر کے قریب ہے
کیونکہ مظلوم زندگی کا ہر قطرہ ہے آج اسی شب کی
صبح کا اشعر صبح آبادی کو بھی انتظار ہے بھی تودہ
”سلوین سورج کی ڈالے ہوئے پیشانی پر“
بیٹھا ہوا بڑھا رہا ہے۔

سلوین میں مے مانتے کہ فکر کا نشان
آتش زلست کے بجائے ہوئے شلوں کا چل
کیوں؟۔۔۔۔۔ صرف اس لئے کہ۔۔۔۔۔

مجھ سے دیکھ نہیں جاتے یہ زمانے کے چلن
سوچتا ہوں کہ بدل جاسے یہ فرسودہ نظام
اور اس رات کی تابندہ سمجھ سے بھرے
مسکراتی ہوئی ہنستی ہوئی ایک سترخ کرن
لیکن منظور احمد اس وقت اس ذہنی مریض کو سمجھانے میں
مصر دے ہو دواؤں سے اچھا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان

مریضوں میں سے ہے جو سوسائٹی کے قواعد اخلاقی قیود و ماحول کی
بندشوں کی وجہ سے اپنی خواہشات کو کسی تکمیل کی اجازت نہیں دے
سکا۔ فرائڈ کے نظریہ کے مطابق اسی موقع پر ذہن لا شعور وجود میں
آتا ہے۔ کیونکہ سوسائٹی ان خواہشات کو نہ تو فنا کر سکتی ہے نہ بگا
سکتی ہے۔ اس لئے ذہنی قوتیں اس کام میں مصروف ہو جاتی ہیں
اور یہی مصروفیت ان کو بیکار کر کے آہستہ آہستہ منتشر اور پرانگندہ
کر دیتی ہے۔ ماہرین نفسیات کی رائے میں انسان کو اپنی جیسا اور
کچلی ہوئی قضاؤں کا کسی نہ کسی طرح اظہار کرتے رہنا چاہیے۔ تاکہ
اپاراج اور مفلوج امیدوں کی مراد ذہنی صلاحیتوں کو برآمد نہ کرے
اسی اصول کے پیش نظر تو منظور کہہ رہا ہے۔

دل کے رازوں کو چھپانے سے تو حاصل نہیں ہوگا کچھ بھی
یہ تو ظاہر ہے کہ اظہار سے انگشت نسا لی ہوگی
تو چہ۔۔۔۔۔ کچھ بھی جو ان کو چلنا تو نہیں ہے لیکن
یہ تیرے ذہن کو لگ جاتے ہیں دیکھ کر

پس۔۔۔۔۔ ناامیدی کی اس دادی تاریک سے بچنے کے لئے
اپنے احساس سے دنیا کو متور کر دے

چنانچہ حیدر آباد کے نوجوان شاعر سلیمان ارمب نے ذیل
کی گرو گرو اہٹ اور بے ہنگم شور میں ایک نازک دل کی جو دھڑکن سی
تھی اسے اپنی نظم ”غشیب“ میں سمجھ دیا ہے اور یہ معلوم دھڑکن ہر
مصرعے میں اس نزاکت سے برابر دھڑکتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے۔
الطاف مشہدی ان دھڑکنوں سے بے نیاز ”اپنوں کی
حکومت“ کے حسین تصور میں کھویا ہوا ہے۔ غلامی اور محکومی کے
استبدادی دور سے نجات کا ایک ایسا خواب جو ذہنی تپیل کے باوجود
آج کا نوجوان اس یقین کے ساتھ دیکھ رہا ہے کہ بہ شرمندہ تعبیر ہوگا
الطاف کا نزالہ انداز بیان اس نظم میں بھی اپنے انفرادی خلوص کیساتھ
موجود ہے خوابوں کے ان جزیروں میں موج علیگ کی لہکار
بھی گونج رہی ہے۔

ابھی احساس کی قندیل جلی رہنے دے
ابھی کچھ اور سنو رنے سے شکستوں کا گداز
ابھی جیتے ہیں یہ آنسو تو انہیں بہنے دے
اس لئے کہ

تو اکیلا تو مسرت سے نہیں جی سکتا
اپنے ہمسایوں کے آنسو تو نہیں پی سکتا
آج کے زندہ شلو کی وسعت نظر اور وسعت دل کا اندازہ اس
نظم سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

اشعار میں دھلی ہوئی مٹیوں اور سسکیوں کے بدافزاؤں
میں ان ڈھکے پھپھے ناسوروں پر نظر ڈالئے کس قدر گہرے ہیں یہ
زخم جنہوں نے ہزاروں جسموں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔

”خدا سائنس کی ترقیوں کو سلامت رکھے نئے نئے امراض
ظہور میں آتے رہتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں نے بلڈ پریشر اور فائبریا
قسم کے نام کاہے کو سنہ نہیں گئے۔“

”اسی قسم کے ایک دہائی مرض کا نام فلربا بھی ہے۔ اس نام
پر چونکے کا حق اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب یہ ثابت ہو جائے کہ آپ
فلربا یا فلربا کے ناموں پر چونکے تھے۔ جس طرح وہ امراض جدید
سائنس کے تحائف ہیں اسی طرح یہ مرض بھی ہندوستان میں پھیل
رہا ہے۔“

مگر اس مرض کی تحقیقات کا سہرا ہندوستان کے سب سے
بڑے مزاح نگار شوکت میناٹومی کے سر ہے جو زندگی کی تلخیوں
کو بقیوں کے سانچے میں ڈھالتا ہے یہ ساس فنکار ہماری معاشرتی
گزبوں کو اپنے ذہن کی بھی میں پھلکا کر اس طرح پیش کرتا ہے کہ ہم بلبلا
آتھے ہیں اور اگر غور کریں تو سائنس منہ تہہ دراصل ہماری اسی بلبلا
کی دوسری شکل ہیں۔ شوکت کی تحریریں میں سچا غلوں اور معاشرتی
انقلاب کی جیانی پوری طاقت سے مروجہ ہے مگر کھوکھلے تہہ بلند
کرنی والے اس پر غور کرنے کی زحمت گزارہ نہیں کرتے۔ ”فلربا میں
بھی ہندوستانی نوجوانوں کی فلمی مریضانہ ذہنیت پر شوکت میناٹومی
نے بڑے دلکش انداز میں طنز کر کے ہمارے لاشوں میں تہہ ہوئی فلمی
خواہشات کو بے نقاب کر دیا ہے۔ کالج کے نوجوان بڑے اور لڑکیاں
اگر ایکٹرو ایکٹریس بننے کے حسین خوابوں میں اُلجھے ہوئے ہیں تو دوسری
طرف ممتاز ادیب و شاعر اور صحافی مکالمہ نویس۔ نثر نگار اور ہدایت
کاری کے حسین تصور میں گھومتے ہوئے ہیں۔ اگر صورِ بھائی تہہ ہے
اپنے کو بلند کر لیا جائے تو یقیناً یہ کچھ غلط نہ ہوگا کہ شوکت میناٹومی کی
خلق نگاری ترقی پسند ادب میں خلائ جنرل کی حیثیت رکھتی ہے۔

وجاہت مسند ملیوی۔ ترقی پسند انسانہ نگاروں میں ایک
انتیازی حیثیت رکھتے ہیں مگر وجاہت کی وکالت نے اردو کے ایک
مستاز انسانہ نگار کو کم سے کم بین لیا ہے۔ چچو جوبہ انسانہ نگار
دیکھ کی قید سے چھٹکارا پاتا ہے تو ”چھی خالہ“ جوبہ انسانہ کی تخلیق ہو
جاتی ہے چھی خالہ متوسط طبقہ کی دردناک زندگی کا ایک ایسا مرقع
نہے جس کو تہلے میں آرٹسٹ نے اپنی پوری فنکارانہ مہارت صرف
کر دی ہے۔

حد..... کچھ ہر متوسط طبقہ کے گھر میں چھی خالہ کے چرچے اور
خلکے نظر آتے ہیں۔ لڑکیاں کیا ہیں؟ کچی ہوئی رعوں اور سٹے ہوئے
مذہبات کی زندہ نشیں۔“

صرف صحت مانی کا جابرانہ ڈھونگ رچانے کے لئے ان مصوروں پر
بیجا سختیاں کی جاتی ہیں اور اسی لئے.....

..... ہماری معاشرت میں لڑکے اور لڑکی کے درمیان ایسا
مصنوعی اور غیر فطری ماحول قائم کیا جاتا ہے کہ لڑکی بڑے کو ہمیشہ چور
اور لڑکا لڑکی کو ہمیشہ چور اشیاء کی تصویر کرتا رہے۔ یہ ماحول قائم اسی
لئے کیا گیا ہے کہ چوری نہ ہو لیکن درحقیقت چوری روکنا تو درکنار یہ تو
چوری کرنے اور چوری ہوجانے کے لئے اور بھی دخلالت ہے۔ ”خارجی
ماحول اور داخلی احساس کے مطابق لڑکے آہٹ کی وجہ سے اس
انسانہ کو وجاہت کے دوسرے انسانوں کے مقابل میں شاہکار کی
مہینیت حاصل ہے۔“

ایک بوڑھا ایک جوان ایک عورت اور چار بچے یہ ہیں جو علم ناتھ پروری
کے انسانے سنی کے کردار بہت نظیر گھیر کے کہ انسان جو حیرانوں سے
زیادہ ہندو زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ قدرت کی بنائی ہوئی اس چھوٹی
سی جنت کے اندر انسانوں کا بنا ہوا ایک وسیع جہنم بھی ہے۔ ایسا جہنم
جس کے اندر انسانی ہڈیاں سلگ سلگ کر بج رہی ہیں جہاں نقصن کی
ارے ناک دینا بھی دشوار ہے اسی لئے کوئی اس طرف نگاہ کرنے کی
ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ کرشن چندر اور راماندر ساگر کے بعد یہی
تیسرا شخص ہے جس نے اس جہنم کی مکروہ و خوفناک تصاویر پیش
کیں کیونکہ وہ خود اس جہنم کا ایک فرد ہے۔ اسی لئے اس کے انسانے
اس زندگی کی صحیح فاشنگی کرتے ہیں جنہی انسان بھی پاکیزہ دل رکھتے
ہیں۔ مگر دنیا کہتی ہے کہ یہ بدعاش ہیں بیٹھے ہیں۔ یہ دوسروں کے

ہے۔ اس نے اس کے انساؤں میں ایک خاص سکون چھوڑا ہے۔ اور انداز بیان کی یہ سادگی قاری کے ذہن کو بہرہ متاثر کرتی ہے۔ اس انساؤ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں جذبات اور احساس کی شدت کو اس طرح سے ہم آہنگ کیا گیا ہے کہ مرکزی خیال کو مزید چھوڑنے کے بجائے اور زیادہ واضح ہو گیا ہے۔

انجم صہبائی ابراہیم ہلیس کی طرح اپنے عقائد کا سختی سے پابند ہے۔ اس کے ہر انساؤ میں اس کے نظریات جھلکے پڑتے ہیں چنانچہ جلدوں میں بھی اس کا اشتراک کی نقطہ نظر عیاں ہے۔ انجم کی انقلاب آفرین ترقی کے مستقبل قریب کا بہت بڑا انساؤ نگار بنائی نظر آ رہی ہے۔

قمر جمالی کامرکز رومان کی لطیف ترین چاشنی میں سمویا بڑا ہے۔ امرس آپا کی شہادت اور سعید کی بھی عورت کے دل کی ان مصوم دھڑکنوں کو نہیں چھپا سکی۔ جو وہ اپنے سے بھی چھپانا چاہتی تھیں۔ اگر اس انساؤ میں مستند منطق سے کافی حشر نظر آ رہا ہے۔ لیکن اس شاعر نے اس کی مخصوص انفرادیت کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا۔ بلکہ اس سے انساؤ میں ایک خاص قسم کا تنوع پیدا ہو گیا۔ ہے۔ **ابراہیم یوسف** کا ڈرامہ رضا مجاہد ڈرامائی کیفیتوں کا حامل ہے۔ ابراہیم یوسف ترقی پسند ادب میں ڈرامائی عنصر کی کمی کو بڑی شجاری اور چابکدستی سے پورا کر رہا ہے۔ فنی تیز اور جدید رجحانات کو ڈرامہ میں ملحوظ رکھنا اس کی فنی چنگلی کی دلیل ہے۔ ہمداری رائے میں ترقی پسند ادب میں ڈرامہ کی کمی کو پورا کرنے میں ابراہیم یوسف کا بہت بڑا حصہ ہے۔

..... مقالے سیاسی بھی ہیں اور معاشرتی بھی۔ تاریخی مواد بھی اور معاشی تحقیقات بھی۔

”۴۶۔ کا معاشی پس منظر“ محمد احمد میزوری کا ایک معاشی مقالہ ہے۔ جس میں ۱۹۳۷ء کے معاشی و اقتصادی حالات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ معاشی مضامین کے سلسلے میں میزوری کو اپنے دوسرے ہم مصوروں میں ایک اعترافی حیثیت حاصل ہے۔

ابو سعید بزمی ہندوستان کے ان بلند پایہ صحافیوں میں سے ایک ہیں جنکی شخصیت صحافتی حلقوں میں مسلم البوتر تسلیم کی جا چکی ہے بزمی کے سیاسی مقالے اپنی اجمیت و اذیت کے اعتبار سے سیاسی

عمر میں کھنڈی ہیں لیکن ہر سیاسی کتاب ہے کہ جو نے زندگی بھر لکھ دے اور انھوں نے ایک جنمی انسان کو بچ کر۔

وہ... مجھے محسوس ہوا جیسے دنیا کا عظیم ترین فن میرے سامنے کھلا ہے اور تمام دنیا کی جاہ طلب سخاوت اپنی سخاوت سے پامال ملک کا دل ہے۔

کوثر چاند پوری اردو کے پرانے افسانہ نگاروں میں سے ایک ہیں مگر حالات کے ساتھ ساتھ کوثر کا انداز نگارش بدلتا رہا ہے۔ جب بڑا اور مصنوعی اطلاق بابائے افسانوں سے کوسوں دور ہو گیا ہے۔ پرانی قدروں کا صحیح شعور رکھنے کے باوجود نئی قدروں کی تخلیق کا جذبہ ان کے تازہ افسانوں میں بڑی حد تک موجود ہے۔ ”بے سگوان“ اور ”ایک ایسا افسانہ“ جس کو مثالی حیثیت سے ان وجہ تائیدوں کے ساتھ پیش کیا جاسکتا ہے۔ جو ابھی تک ترقی پسند ادب سے غلامی نہیں رکھتے ہیں۔

انجم صہبائی کا زباناں ایک نفسیاتی تجربہ ہے جس میں معاشرت کی دلدلی اور سہاری زنجیروں میں جکڑی ہوئی ایک مصوم روح کی ذہنی تھلاہٹ کو پیش کیا گیا ہے۔ انجم صہبائی کی موجودہ ماحول سے پزاری اور بھلاہٹ پر ہے۔ انساؤ میں بھری نظر آتی ہے۔ اس نوجوان افسانہ نگار کا مستقبل بید تابناک ہے۔

اشتیاق عارف دہلے ادب میں نوجوان نہیں ہیں نئے نئے مائے کاند میں اشتیاق بھری کے انساؤں کی حد سے باز گشت ابھی تک گونج رہی ہے۔ سموی کی عارف سے تبدیلی پہلی مرتبہ حوم کے ذریعہ ہو رہی ہے۔ انتشار میں اس نوجوان افسانہ نگار نے مسائل حاضروں کی شدید ناقابل گرفت الجھنوں پر بڑے تلخ لہجہ میں طنز کیا ہے۔ تلخی احساس کے باوجود لفظوں کے دوش پر آرزوؤں اور نناؤں کے بے شمار جنازے کا بچہ ہونے نظر آ رہے ہیں۔ ”کہتے ہیں جس کو عشق“ **عمران اللارشد** کا ایک طویل افسانہ ہے۔ زندگی بے بسی تو ہے! علوان الفاظ کی سادگی میں مطلب کی بڑی بڑی باتیں بڑی مصرمیت سے کہہ جاتا ہے۔ اس کا اندازہ واعظانہ ہور خطیبانہ نہیں ہے۔ وہ منہ جی مسکاتی روتی بسودتی زندگی کو اپنے اصلی روپ میں پیش کرتا ہے۔ نہ وہ الفاظ کا سہارا لینا جانتا ہے۔ اس کے بیان کا کاش کی دلیاں ہیں نہ وہ انسان کو ابھی شیطانی

ادب میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ مختصر مقالہ بھی مسلمانوں کے سیاسی شعور کو بیدار کرنے میں بڑی حد تک مدد سداون ثابت ہو سکتا ہے۔

حیدر آباد کے ذوجوان ترقی پسند نقاد حبیبی شاہد کا مقالہ ”ادب کیا ہے؟“ اپنی اہمیت کے اعتبار سے بے حد مفید ہے۔ اس ذوجوان نقاد نے ادب کی نئی اور پرانی تدریوں کا بڑی خوبصورتی سے تجزیہ کر کے ادب کی ارتقائی حیثیت پر نئے انداز سے روشنی ڈالی ہے۔ ”ایک طرف روحانی و فہریدہ دلچسپین مقاصد متلج ہیں۔ دوسری طرف عصر حاضر کے نظریہ سب مناظر و مناظر ہر غرضیکہ ایک تہذیب میں مذہبی روح کی اساس پر معاشرت کو قائم کیا گیا ہے۔ دوسری جانب لمحدہ لادینی نظریات پر مذہب کا ڈھانچا تیار کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے اس وقت ہمارا ملک دو تہذیبوں کھچکی کے پاش میں آ گیا ہے۔“ اس کا نتیجہ کیا ہو گا؟ معاشرت کا نیا ایوان کن بنیادوں پر تعمیر ہو گا؟ وحیدی الحبیبی نے اپنے اس معاشرتی مقالہ تمدنی مہراں میں اسی مسئلہ پر بحث کی ہے۔ وحیدی کے معاشرتی مقالوں

کی بامیت امر مسلمہ بن چکی ہے اور اسی طے سنجیدہ طبقہ اس کے مقالوں کا متعین رہتا ہے۔ ”خود اپنے قلم سے“ ہمارا نیا مستقل عنوان ہے جس کے ماتحت ہندوستان کے ترقی پسند فنکار اپنے حالات زندگی اور فہریدہ تحریر کے ساتھ ساتھ اپنے نظریہ ادب بھی پیش کریں گے۔ اس بار جاں نثار اختر کے حالات زندگی اور نثر کا کام پیش ہے۔ ادبی اعتبار سے موجودہ دور کی یہ ایک ایسی ادبی مبسوط نثر ہے جو کہ جس پر کل کے مودع کو کسی قسم کے شک و شبہ یا اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔

ہمارا تمدن اور اس کا تحفظ ضبط ایم اے کا ایک اہم مقالہ ہے جس میں اسلامی تعلیمات و روایات کو بڑی خوبصورتی سے پیش کر کے اس کی روشنی میں اپنے تمدن و تہذیب کو محفوظ رکھنے کے لئے نئے انداز سے روشنی ڈالی ہے اسلامی کلچر و تہذیب کی بلندی کا نوا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ آج کی دنیا کی ہندو متقدم قومیں اس کے خوشی میں رہ چکی ہیں۔ ایسے اہم موضوع پر ضبط نے جس سلبطہ و احتیاط سے قلم فرسائی کی ہے وہ ان کی نیک نیتی و نگاہ روشن کا نندہ ثبوت ہے۔

دروستقل

آغا سرخوش قریشی

دھند سی چھائی ہوئی ہے اب نظر کے سامنے
جس طرح کھلا میں غنچے گرمیوں کی دھوپ میں
جس طرح سے شام کو کھیتوں کی گونگی زندگی
سو گوار آرزو، دم توڑتا لطف شباب
روح سے نا آشنا احساس غم جو
جس طرح ہر شے کو دیکھ کوئی قیم جانے
کچھ محب ویران سے ما جوں میں ہے زندگی
زندگی کی نبض کا بھی تو نہیں ملتا پتا

مضمحل ایسا کیا ہے گردشِ ایام نے
ڈھل چلی یوں زندگی بے کیفیوں کے رویوں میں
اک سکوت بے عمل ہے، اک سلسلِ خاموشی
دل پر نشانِ روح مضطر ذہن میں اک انقلاب
ابھی ابھی سی عجیبے ربطِ پھیل کی گفتگو
یوں گزر جاتا ہے ہر رنگین منظر کے پرے
بے حسی کے رنگ میں چھائے لگی افسروگی
دلو لوں کے قلب میں خوش جوانی تو کجا

کر سکتے تو چاہتا ہوں اے نگاہِ زخم ساز

دل کو لطفِ خاص سے اپنے نیا شتر نواز

اک خلش بھر چاہتا ہوں زندگی کے واسطے اور خلش کیسی سسل میں ہوئی چاہیے

دروسی آواز ہے اور دروہی انجام ہے

زندگی تو ایک دروستقل کا نام ہے

پشلی ساز

چٹکیاں

اب اس سلسلہ میں مدیر قوم نے چٹکی سازی اس درخواست کو منظور فرمایا ہے کہ اس باکرمیت خاتون کی وہ تصویر سالانہ میٹنگ کو دیں جو کیرو کی آنکھ نے ان دونوں گھینپی تھی جب کہ یہ مرد تھا۔

مدیر اعلیٰ۔ مدیر سٹول۔ مدیر اعزازی ایڈیٹر دہلی میں قیس تو آپ نے چٹکی سنی اور بھی ہوئی لیکن باڈی آف ان قوموں میں ایک کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں یعنی... مدیر محفوظ... ہماری گفت میں اس کے معنی ہیں ایک ایسا شتی قسم کا انسان جو شہرت و عورت کے لیے ناز ہو کہ خدمت خلق میں ہر ترقی مصروف رہے یہ قلم لکھنے اور نام کسی کا چلے۔ اسے شہر میں بھی کوئی نہ جانتا ہو اور یہ تصورات کی دنیا میں نہ پناہ چھومت کرتا ہو قلم کی نشتری رنگ سے سنن دیتے کا کام لیتا ہو۔

چٹکی دونوں راقم الحروف کا ایک مدیر محفوظ کے ساتھ چاندنی چوک کی سیر کا پروگرام طے ہوا۔ قطب روڈ سے ٹرام پر سوار ہوئے لیکن کرش اس رعب تھا کہ فٹ بورڈ سے آگے رسائی نہ ہو سکی۔ سارو فٹ بورڈ ٹیٹک سفر کرنا والوں کے سلسلہ میں بدنام ہے۔ اتفاق سے اُس ٹرام کا کنڈکٹر مابعد دولت سے واقف تھا۔ اس نے جو نہی میں دیکھا تو ہمارے لئے جگہ کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن ہم نے اُسکی نظر پر تھی ایک قسم کی شرمندگی محسوس کی اور فوراً اتر گئے۔ ایک لمحہ بعد ہمارے سامنے بھی اتر گئے مگر قبل اسکے کہ ہمارے سامنے ٹرام کا ہینڈل چھوڑیں کنڈکٹر کی مشکوک نظر مصروف کو مفت غورالیقین کر لی تھی... بس حشیم نزل میں ایک چائنا پڑ گیا لیکن ذرا اچٹا ہڑ اس لئے لگا کہ ہینڈل چھوڑنے اور چائنا رسید کرنا کا ارادہ ایک ہی لمحہ میں ہوا تھا۔ حشیم نے ہمیں نہیں ہونے کی حرکت تقریباً دو دو دھائی سو قدم کا فاصلہ طے کر کے تو ایک تم ظریف نے ان حضرت کو اس بارے میں طعنے دیے... تو پہلے کال پہلنے کے لئے آپ فرمایا "ہاں یا رکھ"۔ لیکن حشیم نے ہاتھ لکے ہیں تو سمجھا تھا کہ یہی کسی کا ہاتھ لگ گیا ہے لیکن... لیکن اچھا اسکی ایسی کی تھی کیا بارگاہی جگہ پڑے عمر ٹرام... ہاتھ آئی تھی بد آئی جھانکتے جھانکتے جسٹس جھانک رہے تھے اس وقت میں کہ فرمائے لگے "اچھا چوچی... ٹرام نمبر... چھپس"۔

مستر کے ایل گاہکے مشرف بہ سلام مہینیکہ بعد آپ کے نام کے اخفائی مصروف میں کوئی تبدیلی نہ دیکھ کر حملے عقلی گھوڑے پر ایک ہلکا سا چابک پڑا تھا۔ لیکن آج ہم آپ کو ایک ایسا واقفہ سنتے ہیں اور سنتے نہیں بلکہ چشم خود دکھاتے ہیں جس نے اس اسپ تازی کی کراہک ہی ہنتر سے سرخ کر دی ہے۔ سسٹم میں صوبہ بہار کے ضلع پٹنہ کے گاؤں دجہ سے 'قوم' کو ایک ایسے افسانہ نگار کی قلمی اعانت کا شرف حاصل ہوا تھا جس کو افسانہ نگار مہینیکہ علاوہ صاحب کرامت مہینیکہ بھی فخر حاصل تھا۔ اس بزرگ صفت نوجوان کو قدیمت کا خاص عطیہ یہ تھا کہ ہر حیرت کی رات کو جب بستر استراحت پر یہ آنکھیں بند کرے تو پھر حسنی تبدیلی کے ساتھ بیدار ہو۔ مدیر 'قوم' کے نام ایک مہینہ دیکھنے میں تھکوں کھلا ہر ہوتا ہے کہ یہ عجیب و غریب ہستی ہر مہینہ لکھ کر ایک ترقی پسند افسانہ نگار تھی اور ہر مہینہ کو اسی طرز نگارش کا افسانہ نگار اور ہر مہینہ ۲۲ دسمبر کو ایک نازک خیال شاعرہ... قلم کی احتیاط اور ہاتھ کی صفائی کے علاوہ مدیر 'قوم' کو حالات سے لاعلم رکھنے کا بڑا سبب نام کے اخفائی حروف تھے یعنی م۔ ر۔ ع۔ ان دونوں حروف میں یہ خوبی تھی کہ بغیر اپنی ہیئت کذا فی بدے مشرک گاہکے کندہ نلال اور خالہ لطیف کی طرح ممتاز عصمت بھی بن جاتے تھے اور محدود عالم بھی۔

مدیر قوم کی طرف سے تصویر کے مطالبہ پر ہر مہینہ کو ارشاد ہوا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کی فرمائش کا کیا جواب دوں کیونکہ تصویر کے مطالبہ کو آسانی کے ساتھ ٹھل دینے کی جرأت مجھے نہیں تھی میں اپنے آپ کو معذور پاتی ہوں۔ ممتاز عصمت" اور اس کے بعد ہر مہینہ کو "حسب فرمائش تصویر ہر سال بکر ہوں۔ وصول فرمائیں۔ محمود عام" اور ہر مہینہ ۲۲ دسمبر کو ایک غزل کیساتھ "ممتاز عصمت" لیکن جبکہ ہر مہینہ بدولت نے جاسوسی فرمائی تو اس پر ہر مہینہ خاتون نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیے اور کہا۔ "ایسا بھی ہوتا ہے اس لئے نہیں"

پروفیسر جانشا راختر ایم۔ اے

خود اپنے قلم سے کسی سے

کتنی راتوں سے تجھے نیند نہیں آئی ہے

یہ تیری سرد جبین یہ تیری بے خواب آنکھیں
چھاؤں میں چاند ستاروں کی پُر آب آنکھیں
یہ پراگندہ مسمیٰ مایوس نگاہیں تیری
یہ تری سانس میں ٹوٹی ہوئی آہیں تیری
پیکا پیکا سایہ رنگ گل رخسار ترا
دل کی دھڑکن سے لرزتا ہوا یہ مار تما
الجے الجھے سے تری طرح یہ گیسو تیرے
یہ تھکا جسم یہ بے جان سے بازو تیرے
گردلوں میں یہ گزرتی ہوئی راتیں تیری
زیر لب سے یہ دھمکتی ہوئی باتیں تیری
اُف یہ اکام محبت کی کہانی تیری
ہائے آغوش سے محروم جوانی تیری
تو ہے بیتاب تو یہ ارض و سما ہے بیتاب
تو ہے بے خواب تو عالم کی فضا ہے بے خواب

تو جو سو جائے تو تاروں کو بھی نیند آ جائے

میرا چراغ

زندگی کے خشکیوں طوفان میں
محررق و باد کے طغیان میں
موت کے ظلمت فزا میلان میں

بقیہ ۲۲۲ پر

آپ حالات دریافت کرتے ہیں تو سنیے !
پیدائش میری سلاطین کی ہے۔ ابتدائی تعلیم لشکر گوالیار ہی
میں ہوئی بعد ان میں علی گڑھ کالج اور علی گڑھ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی
وہیں سے ایم۔ اے پاس کیا اور اب وکٹوریہ کالج گوالیار میں اردو لکچرار
کی حیثیت سے کام کرتا ہوں علی گڑھ کے زمانہ قیام میں مختلف ادبی
خدمات بھی انجام دیتا رہا۔ انجمن اردوئے معلیٰ اور انجمن حدیقۃ الشعر کا
سکریٹری رہا اور علی گڑھ یونیورسٹی میگزین کی ادارت بھی میرے سپرد
رہی۔

شاعری کا ذوق وراثتاً ملا لیکن مری شاعری علی گڑھ کے ماحول
میں پروان چڑھی۔ ابتداً صرف غزلیں کہتا تھا پھر نظم کی طرف طبیعت مائل
ہو گئی چنانچہ اب زیادہ تر نظمیں ہی کہتا ہوں۔

شاعری کے متعلق میرا نظریہ کیا ہے؟ شاعری میرے نزدیک
زندگی کی ترجمان ہے۔ رومان، اخلاق اور سیاست سب کچھ شاعر کے لئے
موضوعات کا کام دیتے ہیں۔ شاعر صرف حق و عشق ہی تو ظاہر نہیں کر سکتا
ہنر و فنان کی حیثیت سے زندگی کے اور شعبے بھی تو اسے متاثر کر سکتے
ہیں۔ پھر جب اس کے پاس اپنے تاثرات کے اظہار کا ذریعہ شعر ہے
تو ظاہر ہے تاثرات کے لئے بھی اچھا ذریعہ اظہار اختیار کرے گا۔

میں رومانی نظمیں ہی کہتا ہوں اور انقلابی بھی۔ چونکہ رومان
اور انقلاب دونوں زندگی سے متعلق سمجھتا ہوں۔ میری نظموں کا ایک
مجموعہ سلاسل کے نام سے کتب خانہ علم و ادب دہلی سے شائع ہوا
میں شائع ہو چکا ہے۔ پیش نظر جناب جو شمس ملیح آبادی کے قلم سے
ہے۔ اب منظر پر دوسرا مجموعہ شائع ہونے والا ہے۔ وہ نظمیں
ایک رومانی دوسری انقلابی پیش کرتا ہوں۔

ڈاکٹر مبین سنگھ دتو انیم ہے
پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ڈی۔ لٹ

ادبی تفتہ

زبان کو یہ مرض ہے کہ وہ بیتی رہتی ہے۔ دل کی پیام رسانی کا کام کرنے میں خوش رہتی ہے۔ عورت ہی نہیں مرد بھی پیٹ کا ہلکے ہے۔
کبھی پردے کی بات رنگیں نے + بولی ملین سے میں دکر ہلکا
بات رہتی نہیں ترے جی میں + تو بھی کتنا ہے پیٹ کا ہلکا
ادب میں روح ملین سے جھلکا دکھاتی ہے اور جی کی بات زبان پر
آجاتی ہے۔ جی کو بات کا اہل رکھتی زبان سے کتنا ہے کوئی دلجو۔ یہ لوگ
تو عشاق کہلاتے ہیں اور وہ بونہ جھ سے کام لے سکتے ہیں نہ بارے سے اس
پیاروں کو عوام خاص ہر پرچار پر تہمت سے
ہم کو تو یاد کوئی غزل ہے نہ دوسرے۔ مہر ہے ایک یا دوسرا اور ہر دوسرے

جب پرکھو، دیکھو بھال، جانچ پڑتال، چھان چھنگ پڑا کر سہ تو پھر
نقادوں پر اور خود لفظ تفتہ اور وہ سرے متعلق لفظوں کے ملاحظہ کا دائرہ
کیوں نہ لیا جائے۔

اگر ادیب دینی اپنے بند پر اٹھتے حسن کے ساتھ قہر سے غافل نہیں۔
اجلاس اثر ایتھلے اور سب ڈاویوں، سب طرز اور لوصیوں پر قادر ہیں۔
تو سب سے بڑا غافل ہے تو ادیب ہر "سولے آنے اور بادل رتی" وہ کہہ کر قہر
سے غافل ہیں اور اجلاسے جانی ۱۱۱ کو سب طرز اور لوصیوں پر قادر ہیں۔
ڈاویوں اور بادل کے راز کو سب سے مستیاب، ہونگے دن کا ملو اور راز
سب سے ان کو فہم ہے، چیتہ سب سے ان کے ہر قدم سے تیز سب سے اور لگا لگا کر
بھولنے کے بجائے لگا کر کی خواہش ہے اور مشافی بھی۔ نقادوں کو اس کی کڑوا
اس کی ہر بات میں سب سے پہلے عیب ملنے کی گنجائش اس کی ہر دلی اور خیر
چیل کے دوسرے صاحب اور ان کا دلی پر گرا دیتے ہیں اسے

ڈاکٹر اگر حسین کی یونہی رتی کی مدد میں ہندوستانی لکھی بولی جانی
چلیے ورنہ صاحب اصرار میں ہوگا کہ
زبان یا دین ترکی میں ترکی کی دامن
اور وہ کے ہندوستان نے میں زیادہ وقت نہیں پڑتی ہمیں چیزیں
مذہن کر دیتے، اضافت، فارسی عربی طرز کی جمع، اور ترکیب اور وہ ہندوستانی
میں گئی مگر مترس کہتا ہے کہ کمال سے غار، لب سے سب کی دھڑکی، ہانکے سے
کاہل گیا۔ تو مشتاق ویدہ باید۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حسن بے لاش ویزینا
بھی حسن ہے اور اکثر سادگی حسن کی ولا ویز کی کو چار چاند لگا دیتی ہے اگر محبوب
کا ایک نام سادہ رو بھی تو گلے کا لولہ لے کتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حسن ادیب بادلوں ہی کی زینت نہیں رہا۔ زبان
اور میان کا لٹلے لینے والے عوام میں کثرت موجود ہیں۔ ادیب کا مخاطب آج
نہ وقت کا بادشاہ ہے نہ محلہ ملی مارا، لکھنم عسکر شاعر اور ویدہ کاہانہ ساز یا رکھ
اس کا مخاطب ہے مزدور، کامی، پڑھی لکھا اور لکھنا، ادیب اور مہر
کے صحبت داری ایک ہی جو کتب میں سب سے

اچکی شخص سے رکنے نہیں صحبت داری
ایک کچھ عرصے میں گھر سے تیار سے نہ ہوا
ادبی تفتہ کی لکھی دوسری کی پیری کی تاریخ سے ملک کا ہر ایک
نہ ہر بڑا زمانہ ہر چیز کے رنگ، پک کو بگاڑتا سنوارتا، ذوق، اہم، پکا جاتا ہے
تکرم رانہ جنگی پیشہ سہا میں رکھ کر کہتے ہیں کہ کوئی خواہش، طبع
اپنے درد کی کوئی نیا پر بکرہ دیتے۔ اس سے وہ دنیا سے ہونہ نہیں ہو پاتا دنیا
یعنی اس کی دلچسپیاں اور اس کے کردار اس کے راز پر ہر ہر سہا ہے
اگر ادیب ہے کیا؟ آدم، تیار، زنا، لکھی، شان، زبان ہے اور

ماہنامہ شمس اللہ ہمارے رئیس اور دشمن ساز شیوں کا طبقہ ہے۔ ہندو ہی جیسے لاکھ
سالہ و گردیدانہ صاحب کیسی تاج ہے؟

کھڑے کھڑے جھگ، بات بات میں جھگ
سلوک جیسے یہوں اس سے کیا نباہ کریں
ادیب بچا ہے ہیتیرے پینتے سے ہیتے ہیں مگر نقاد میاں کی ناک سے
بہار بچھو گئے رہتے ہیں سے

کن کن ڈھبوں سے ویدول اپنا بیل گیا
بے دروجیف ہے کہ نہ آیا بیتیں سے
کیسی ہی بندگی تو بجالائے پر تشار
مکمل نہیں وہ شوش ہے آفریں تجھے
پھر نقاد کے کیسے کو کوئی کیا کر سکا۔

کینہ جو ترے دل میں بھرا ہے سو کدھر جائے
مکمل ہے کہیں سنگ کے پیلے سے شہر جائے

اور لیجئے ایک نقاد کچھ کہتا ہے وہ سرا کچھ، دلی رات کا فرق ہے اور یا پھر
سب ایک ہی استاد پر سجدہ کرنے کو آمادہ رہتے ہیں دلی میں ایسا ہونا ہوا دھڑکتا
طراز دل کا یہ حال ہے کہ مستوز کی طرح ایک بات پر ٹپکتے ہیں۔ مولانا نقاد اپنا
گز بسبھالے، و تکراری اچھالے اپنی جلتے ہیں اور صوبہ وہ کیا وہ چلا سہ
کہتا ہے کوئی برق کوئی شعلہ آتش
اک دم تو ٹھہر جائے تو اک بات ٹھہر جائے

ادیب اور منتقد تو فطرت خود بنائی ہے مگر ان نقادوں کو کوئی کام نہیں
یا چھان بین کہ کرتا کر کرتا ہے؟ اور پھر وہ عیب بینی اور حرف گیری کر کے کتے قصیدہ
کہتے کہتے بدلتے ماچے تاپتے آگتا نہیں جلتے؟ کیا یہ اپنے باٹ بدلتے نہیں؟ کہیں
نہیں بدلتے؟

مسرا جاس برائے ہیں اور منہ پوٹ ہو کر شرفاء تنقید کے نکلے لگنے
بچا ہے ادیب کی گھٹی اور ذاتی اور ماحولی مجبوروں پر نقاد کی نظر ہی نہیں جاتی۔
اس قسم کے جذبہ پوڑ (ظہار کی تباہ) معمولی ادیب کی بات کا دھوئے ہی
نہیں کرتا اور چندے خاص دھوئے کرتے ہیں تو اس دھوئے کی کمزیریت کیلئے
اس کی تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے نقاد کی شخصیت اور دوا ہمارے ڈوٹی ہے
کیا قبر ہے یہ تیرا کچھ کوڑا لکے ہنسنا؟ پیر پیر کے شکر دیں کہ کھائے ہنسنا
قیاری تو کچھ دھانے کے لئے آگے۔ دیوانہ کیلئے ہیں مشہور کسی نے

آج کل کے نقاد بے طبع کے طبع ہیں جو آیا اسے اچھا خاصہ بیل بچایا
نفس میں نکلا کر زندگی سے تائب ہو جانے میں مکمل صحت کا نام ہے یا پھر نقاد
ہیں جن میں مروت ہی مروت ہے، روٹی ہی روٹی، محمود کے عاری طبع

شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد سے شمس العلماء احسان اللہ
تاجہ تک ساتھ نشر برس کا عرصہ پوچھتے اور وہ تخلیق و تنقید کے کام پر پہلے
کار کی چھائی رہا اور جب سے انگریزی اس کی تحریر کی آلت ہے تنقید شمس اللہ
جانتے نظم میں شاہ ذوالنور معمولی شکر لکھنا مشکل ہے۔ باوجود، باسلیقہ شکر لکھنے کا
درجن دو درجن سے زیادہ نہ ہوئے اور ایسی نشر جو ایک طرف تخلیق کی کوڑے اور
دوسری طرف تنقید کا حق ادا کرے اس پانچ ہی نہیں آئے۔ صاحب طرز سے
تخلیق سے تنقید میں جا پڑے پھر بھی وہی آگیا وہی زور، وہی ضبط، وہی
ذوق نگاہی، مسیری طور پر باتوں میں ڈال دیا ہضمون گوش اور جگہ وز پالہ
دلی شمس آزاد بھی، بس خوشی میں خوش اور غم میں افسردہ ہو گئے سے
تم جو افسردہ ہوئے تم کے مرا حال سو کہیں
مسیری طور سے باتوں میں آزادیت تھا

ان اپنے گئے نقادوں نے سعی کی تو بھی وہی تخلیق بیان بجالا رہا اور
یہ خوب رہا، خوبان کی مبادا منظر راہ را اگر دلی کی طرز اور خود نمائی کی ادبیت
رہے تو کیا کہنا۔ یہی حال عشق کا ہونا چاہیے سے

ہم اور بوجہ محبت کی ہوائیں مضطر: کبھی اس بار قہم کہے ہی اس بار قہم
اور سچ و سچ تو ان نقادوں میں پائے دانوں کو میں مجبوروں سے یعنی
ظہار اور دہائے ایک طرف سے اچھا سمجھتا ہوں سے

انہیں لوگوں کی بدولت جیسے اچھے ہیں
چاہنے والے ان اچھے لوگوں سے اچھے ہیں

میں نقادوں کو میں تلخ کے اور ذاتی کی نوعیت جانتا ہوں ان کے نام لکھ
آزاد و شبلی و حسرت، ملہا قہانی، پکت بہت، نظر، جہاں آباد، ابو الکلام
شانی، ہنگامی سب سے بڑی بات یہ کہ ان میں سے ہر ایک کی اپنی دھن ہے۔
انہی میں ہے، پھر انجنت، انجنت، اپنی آواز، اپنی نئی، نزاری، انوکھی نام
جانے بغیر یا کچھ کہتے تھیکہ بے فلاں کی آواز ہے مازل سے خواص میں نام کھلا
کر لائے سے

ازل سے کئی گاہوں اسے بے نظیر: یہ الفت برس وہ برس کی نہیں
و اللہ ان کو ادب سے عشق تھا اور ہے۔ منہ کیجئے کی محبت نہیں دہوس،
اور شہرت کو اس میں ذل، آزاد جوڑ میں بھی آزاد سے عشق بھلتا رہے

اور یہی اصطلاح محنت کی طرح ہیں یہی مطلق نظم و شکر کے ذریعوں کے لئے اڑاتے
سے بڑی اور لبا لبا کی اور ہلکا ہلکا فرادہ ان کی مولویت بھی زیرِ ذکر کی۔
مکمل نسبت ان نظریات سے کہ وہ نہیں مگر جب تک کہ ہزار زبان سے ادب کے
ان کلمات رہت ان کے ذوقی بہانے کہ ہزاروں اجناس سے
اجزاء الگ الگ میرے ذوقی بہانے کے ہیں
وہست وہا میں سینکڑوں اکڑے زبان کے ہیں

ابا تنقید کے اہل آراء کو پہنچے ناب جہات کے مصنف دبا اگر کسی کے مصنف
کئے وہ نظروں سے رہا سہا کر نظر دیا مگر ان کے انہیں تصویر کش بنایا تھا پہلے وقت
پر ہی وہ رہا رہ گیا۔ پہلے اگر کسی کا نام نظم سے لینا چاہا۔ ان کا مقصد تصدیق بنانا
ہوتا تھا کہ ان کے کلموں اعلیت سے غرضی دہمی سنگوں لکیریں کو رکھا گیا کہ
مذہبی تصویر بنادے۔ انہوں نے ادب کا سراپا کھلبے۔ ادب کی مجموعی حیثیت کا رنگ
اور مصنف کے تو ان کی قافی کے لئے چیزوں کو لیا چیزوں کی فروغ اور ان کی حیثیت
اور اہمیت کو لے کر بھڑک دیا۔ اب حیات کا دوسرا نام ہے چند تصویریں سے
دل میں ہے ہر حسیات کا قریح ثاقب ہے پہلے شیشے میں آتا ہے پری فائے کو
نظر میں کو کی غریباں کھپال میں اور عبارت سے رنگ آمیزی کا کام لیا ہے
یہ غرضی لحاظ سے تاہم نہیں مگر تاریخ سے ایک جائز کام لیا جاسکتا ہے۔
IMAGINATIVE RECONSTRUCTION یعنی تصور کی توثیق

سے وہاں کے کہہ رہے ہا کو دیا جائے آزادانہ یہ طرز افانگی و انتہا کہ پہنچائی
انہیں کے ساتھ نظم میں جوئی سخن کا بحر انہیں کے لہجہ میں آیا ہے
ایک عالم کو لیا سخن سے شہیر ہے ابھی معلوم نہیں تم کو کرامات مری
آواز سے سخن کے دریا کو درباری کا نظریہ دکھیا اور وہ باری کی اسلم
سے کہیں چاہے

معتوق بن کے چاہئے معتوق کو اسیر ہے۔ محبوب بن کے چہرہ محبوب دیکھئے

تنقید کا غرض لفظ ہے "تقدیر" جو کچھ موجود ہے اس کے ساتھ ہے حاضر ہے
کیا نہیں کہیں نہیں اور کسی کے ہاں ہے کیونکہ ہاتھ دھو سکتا ہے ان سے بحث
ہیں۔ اپنے محبوب کی جلد خوبوں کا اعلیٰ ہے شاعر کا اسکا لڑی بات ہے۔
تنقید کا بہترین نمونہ ہے کہ کسی ادیب کے سب اہلِ صفائی کے لئے وہ کمال
ابا بہت دیکھیں۔ اور وہیں ان کا نام کو ایک کردہ نے قلم سے اقام دیا ہے۔
نظم کے نظریہ اور اصطلاح اور وہی دبا دیا دیکھو اور شائق بن قافی کی
نظم کے لئے ان کے لئے دیکھو کہ انہیں لایا۔ یہ نظم کو لکھو اور وہی دبا دیا

سجاسی کر مود کر کر کے سامنے رکھا ہے اور انجیل پر نہ کو ثابت کر دیا ہے۔
ابا اصطلاح، آزاد کا معنوں سرحد ہے نہ لپیچ ہے۔ جہاں جہاں معنوں
نوا چہ میر و دود و ہوی پھل۔ شائق کا معنوں ہر قیاس و تاہم اور تاہم معنوں،
چک آیت پر و چس ترس، چک آیت کا دیا ہے مگر سزا ہے "انجام جواب آہا
ہے ایک ایک فقرے میں معنوں کے دریا بند ہیں، ضبط اور با مقصیت، لکھنی
اور چینی ان کی ہر ذی جان ہیں جاہل لوگ کتاب کی کتاب کو ڈالتے ہیں جسرت
اور آزادانہ سے وہ فقروں میں غالب اور ذوق کے کمال کی داد دیتے ہیں۔
کیا جاہل سے علم کا نقد بڑھادیا۔ غریب سنگ سینکڑوں تو ہزاروں نکتے بنے
ہنر سے حسنیوں کے وصف کھنا بہترین تخلیق ہے۔

اسیر و مصنف کے پہلے جب جنوں کے ہر ایک صفی دیوان نگار خانہ ہوا
تولین و توصیف کی شراب پیئے چلنے کو تیز چلئے ورنہ اقبال کے
بیشتر "نقادوں" نے اقبال کو متہ بنادیا ہے اور خود کو اس کا کھلبے سے
شراب شیشے کی طرف سے تیزی سے ہر سے میں "جیبے" اختیار ڈوب گیا
حسرت ایسے شاعر پر ایک شخص کا معنوں "آجکل" میں دیکھا جی دیکھا
سے بات قاصد کی غلط، جھوٹ جواب نہ۔ لے کے خط بیٹھ رہا گھر کیس آیا نہ گیا
اس طرح کی وصف شناسی والی تنقید کے لئے وسیع مطالعہ ضرورت
نہیں۔ مگر اس کی ضرورت ہے، وسیع تجربہ کی ضرورت ہے۔ واہ اور آہ
کہنے کا ذہن اور ڈھنگ چاہئے۔ اپنے خسروں کا انتخاب، پھر ان شروں کی
ترتیب، پھر ان پر خشک و شاعر کے بجائے ان پر رنگ آمیز طبعی بازی اور عاشر
آواز ہے وہ بلند یاں ہیں جس کا سر کرنا کاہے واوہ۔ اسی تنقید میں گفتگو اور
طولی گفتگو نہیں۔ اشارے نہائے و درکار ہیں۔

گفتگو سے فیروں کے مقابل کیا ہے۔ یک و گر ہو گئے آنکھوں کے اشارے دوجا
کی مجمع احباب میں گفتگو بھوکہ ہے۔ اک بات ہی ہم نے تو سوا بار سمجھ کر
ایسی تنقید جوہری کی برکہ ہے۔ آزاد کی تنقید تصویر کشی اور دبا طرز و تہی
قدما لشو کی جانتے نہیں ملک ہے جوہری رکھتے ہیں مگر کی نظر
جوہری کا کچھ کہتا ہے غرضیات اور عیبہ بازی سے دور رہنا ہے
کس قدر نامہ معاین جانتے ہیں اسیر راست لکھتے ہیں بات نہیں کرتے ہیں

جسے معنی۔ اسے تنقید کہتے ہیں اس کی مراد ان کی شکی مگر کچھ
ہوت اور نہ بل سکے۔ ان کے لئے دوست و دشمن میں شکی، چک آیت، لبا لبا کی
اور جسرت سب پر بخت رکھتے ہیں جسرت سے ان کی زبان سے مگر جسرت کہہ

دوسری - شے بہت

معمولاً جب انتہا پر پہنچے کہ ہلکے کب ان کو شے لگتی ہے، یہ جگہ زمانہ
ایسی متعین نہیں ہوتی اور عیب، دونوں پر حاوی ہوتی ہے وہ مقابلہ پوزیشن
سے نہیں گھبراتی، وہ نہیں دیکھتے کہ ایک تزلزل سے کمر اس سے محبت اور نفرت
کی تحریک، تحریک نہیں کرتی، نہیں اس کے کہ آئی تنقید قلمبندی کے لیے، نقادوں
وہ وسیع مطالعہ، فیضانِ ماری، نہری نظ، تجزیہ کی طاقت اور توازن قائم کرنا
صلاحیت سے ہوتی جا رہی ہیں۔

یہاں پر سنی کا وہ نہیں سمجھتی اور مسابقت کی ضرورت ہے تنقید سے
ایسے مفاد و رجحانات ہیں، انہیں انہوں کو وہ انتخاب کرتے ہیں جن کی طاقت
کے، قائل ہیں، البتہ ان کی غفلت سے ممکن اجزا کو تحریر میں لانا ان کی حد پہلو
مفہمت کو، نہ کہ ان کی قیاسوں کو غور سے انہیں نہ ہونے دینا دوسرے
بلکہ ان کی خوبیاں گننے میں تامل نہ کرنا ان فراموشی کو شوق سے انجام دیا جاتا
ہے، تنقید کا پہلا تنقیدی مضمون حسرت ہی نے تالیف کیا تھا، کیا جاتی
کی تنقید وہ اس کی بہت حد تک روئے مطالعہ کے معنی میں مفقود رکھ کر جس شخص
شہادت دے دے کہ اس کی فہم میں فرقہ پرستی، تنقید کے مفاد سے آشنا
ہے، تنقید کے مفاد و اسلوب سے واقف ہے، ذائقے تخلیقی تنقید کا کبھی لکھن
مائل ہوئے

شبلی صحیح معنوں میں مغربی نثر کی تنقید رائے کرنے والے کئے ہر چند کہ
انہیں مغربی تنقید کے تمام بہترین انگریزی نمونے پیش نہ ہوئے، فارسی تنقید کے
مطالعہ سے شبلی کو ایک خاص پرکھنا ملے، مگر، یا تھا جسے شافعی سے قریب رابطہ ہے
(INTUITION) دل سے شبلی کو اس پہنچ جانتے تھے جہاں اور لوگ لاکھ تزیین
تیار ہی نہ وہ سالہ ہوتے، شبلی کہہ سکتے ہیں۔

گلشن اک دور ہے میرا۔ میں کو بہت پرچار ہوں
باروں میں گویا ہوں، پر دل سے تو آشنا ہوں
نیکو کا، با خدا ہوں۔ مے خالوں میں لہا ہوں

ادبی تنقید کا معیار حسرت کے تذکرۃ الشعراء اور نکات سخن کی تنقید کی
معارف ہیں، یہاں مفہم نہیں، غم نہیں، نفرت نہیں، عشق نہیں، اور عشق نہیں
خوشامد نہیں، عوسے پاؤں نہیں، جلد ماری نہیں، مگر تمام نہیں، البتہ نہیں
یہاں ادب کی غرض و فائیت ہے ادب کی نیرنگی کا احساس ہے، ادب
کے اجزاء کا مطالعہ، ادب کی تعمیر کا فن ہے۔

یہاں وسوسہ ہے، پختگی ہے، متانت ہے، ہمدردی ہے، صاف گوئی
ہے، ثقاہت، روایت، جز، وزن، ان کا اثر ان کی ساخت پر محبت ہے،
انفاذ کے انتخاب کا خیال ہے، ترکیبوں کی تراش کا احساس ہے، انفاذ کی
بندش، اصوات کی آمیزش اور نامائش پر نظر ہے، اثر و تاثیر کی جانچ پڑتال ہے۔
یہاں شخصیت، مطالعہ، فطرت، صلاحیت، آئینہ ابی اور ذہنی کمال
سب کا ایک وقت چاٹ لیا جاتا ہے۔
غرض یہاں تصویر کشی، وصف گوئی، عیب چینی، سب سے انصاف سلوک
کیا جاتا ہے۔

ادب کے ہر صنف سے وابستگی ہے گراہی و رنجش بھی بدستور قائم ہے، خیال
اور بے نیاز، تجزیہ اور ترقیم دونوں ہم خوش دکھائی دیتے ہیں، فلسفہ و تصوف
ہم نرم ہیں، زبان و بیان ہم دم، تفصیل، رواہ مال، آسانی اور نکال دونوں کی
قد رکھ جاتی ہے اس شرط پر کہ وہ ادب کی خدمت میں کامیابی کی حدود تک پہنچ
جائیں جسرت کہہ سکتے ہیں۔

سحر سمع شہباز ہوں میں شام پر اڑ سوزا ہوں میں
قافلے والوں کا ہوں راہنما جاوید راویا ہوں میں
دیکھ اے محل مرے وافوں کی بہار
اک تاشے گلستا ہوں میں

مے خدا ہے میری دے کا محمود + بندہ سانی دوراں ہوں میں
ہندو مسلم سکھ یہاں ایک ہی گھاٹ پانی پیتے ہیں ایک ہی ٹمے تری
پسند اور نفرت تری پسند و شرب ملتی جاتی ہے۔

آج کل کے تنقیدی معامین کو، کیسے حمان ہوتے ہیں کہ اس وقت ہندو
کے طول و عرض میں پچاس لاکھ اردو ادیب ہیں ان میں سے ہر ایک شاعر بھی ہے،
نثر نویس بھی، نقاد بھی ہے اور مصنف بھی، زاہد بھی ہے اور فاسق بھی، ماہر بھی
بھی ہے اور ماہر بھی، ترقی پسند بھی ہے جوت پسند بھی، سرمایہ دار بھی ہے
مزدور بھی، شہری بھی ہے دیہاتی بھی، معنی سمجھ بے مسرور بھی، استاد بھی
شاگرد بھی۔ اللہ بچائے۔

ان پچاس لاکھ کی اُچائیوں میں سمجھتے ہیں کہ وہ ریلوے کے بتلے چلے
ہیں، ۱۹ لاکھ اخباروں اور رسالوں کے حکم۔ ہونے اور بات ایک لاکھ کی تخلیق و
ترجیت کی ذمہ داری کا بوجھ ہے، پروفیسروں اور شاعروں کے سکوں پر ہے۔
یہ اتنا ہی، تنہا نہیں پچاس لاکھ آدمی خوش و غم ہیں ملک کی خوشحالی

ہر حال میں ادبی شعراء پر غالب ہیں ان سے زیادہ اہم اور ضروری و مفید مسرین ہیں۔ رومانی اتھار کا ادب کی جانچ پڑتال میں خاص درجہ ہے۔ (۹) ادب میں خیالات کی توسیع کے ساتھ ساتھ زبان کی توسیع بھی ضروری ہے۔ نئے الفاظ نئی ترکیبیں تراشی جانی چاہئیں، مفید پرانے لغات کا احیاء بھی ضروری ہے نئے پڑانے کا ہمارا فن کارانہ امتزاج بلکہ وصال خوش سلیقگی کی کسوٹی ہے۔ (۱۰) اردو ادب کا خطاب اب تک قوم سے عصر و زمانہ و تہذیب ہندو کی ہے نہیں۔ ہمیں قوم کی ہر زبان اور ان کے بدلتے ماحول کو ہنر کے ساتھ ادب کے گدہ رستہ میں گوندھنا ہے۔ تنقید کی مختلف قسموں کے لئے الگ الگ لفظ وضع کئے جانے چاہئیں دیکھئے یہ انگریزی میں سات اصطلاحیں ہیں ان کے مترادف اردو میں کیوں نہ تھا کئے جائیں۔

- (۱) STUDY ————— مطالعہ
(۲) APPRECIATION ————— توصیف
(۳) CRITICISM ————— تنقید
(۴) SURVEY ————— جائزہ
(۵) ANALYSIS ————— تجزیہ
(۶) REVIEW ————— تبصرو
(۷) INTERPRETATION ————— تاویل

انسان کے لئے ایسے ہی نیک و بد سے پورے طور پر نگاہ ہونا بہت مشکل ہے دوسرے کے حسن و قبح کے کماحقہ واقفیت کس قدر مشکل نہ ہوگی۔ نقاد میں صبر و بردباری، انصاف، انصاف کی بگ ڈور ہاتھ سے نہ چھوٹے جو کچھ جو ہو اس کی پرکھائی کی جائے، بے باغ و بی جا یا جائے اور سبب اہم بات یہ کہ شرافت کو ہاتھ سے نہ دیا جائے۔ ادب میں رقابت اور رکاوٹ کی گنجائش نہیں۔ نقاد اگر محبت، شرافت، عدالت، توازن، ہمدردی اور دور رس کے کام لے گا تو دنیا وہ یکہ تعلیفی اہم انجام دے سکے گا اگر اس کے چکس وہ دروغت، بددیانتی، بے انصافی، عدم توازن، لغت، بے گانگی اور کوتاہ بینی کو استعمال کرے گا تو اس سے بدتر تحریر کام نہیں۔ ہر کسی کے خون جگر کی کماحقہ قدر کرنی چاہئے۔

نکم نہ زیادہ سے

اس کا شوق خون و دل کی کرے قدر وہ کرے اس مست ناز کو بھی کسی شوق باوہ ہو تنقید کی بہترین تعریف ہے کہ وہ وسیع مشرق سے متصف ہو اس میں علم طافی کا شائبہ نہ ہو۔

بہت مشرق کا پس منظر کے آئے نہ ہاتھ۔ رتہ دریا میں ہوئے ہر گرجا کو

جو مت ہے۔ ایک نگار اور رُکن لیبے آج کے نفاذ و تنقید نہیں کرتے و کائنات نامی لے بھر کر۔ بوجھ کر کہنے پر ضرورت میں جس کے کوئی نہیں اسے بہترین پر محنت موصوف ثابت کرنے پر آمادہ کھائے ہوئے ہیں۔ دوسرے کوئی کے ممکن دوسرا کیا جان کر م لیتے ہیں۔ تفسیر و تالی کا یہ حال ہے کہ ایک شریک مدعو میں ایک لفظ میں کافی صاف کو دھونڈھ لیتے ہیں اس کے بھنے۔ پڑنے پر مبنی بڑی عمارت چاہیں گھڑی کر سکتے ہیں۔ زوہیف کی عمارت ہو یا تنقید و تخریب کی۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ آج کل کے نقادوں کے ہر مدعو میں فصاحت و بلاغت، روانی، تسلسل، بندش، الفاظ کا صحیح چناؤ، اصوات کا توازن و قاعدہ، ترتیب پسندی پرانی۔ غرض کہ سچی غرض کہ سب کچھ موجود ہے۔ اختصار کا پاس لگا کر لکھ دیا اور سب کے سب ملے درجہ کے۔

حقیقت یہ ہے کہ اردو ادبی تنقید کے گہاڑیں DEBIT کے غولوں کے نیچے بھی ایک نئی لہریں نہرست ہے۔ CREDIT کے سرخی کے تحت میں نقاد صاحب جن باتوں کو بالخصوص بھول جاتے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:-

(۱) اچھی وقتی لحاظ سے حمد و تہنیت اور جہیز ہے اور ملے پائے کی ہمیشہ زمرہ رہنے والی اور (۲) ادب کا ہی فرض نہیں کہ وہ نقاد میں مانچے گونے الفاظ اور خیالات کو خواہ وہ کسی نورا کے ہوں قلم بند کرے (۳) ہمارے ہی ملک میں ایک درجن کے قریب زبانیں ہیں پھر دنیا کی کتنی تو بہت ہی زیادہ ہے جس شخص کو دوسری کئی پرانی زبانوں کے لئے پڑانے ادب سے واقفیت ہے اس کے لئے اردو ادب کی اہمیت ایک دوسری صورت اختیار کرتی ہے (۴) امدت کا تقاضا بہت وسیع اور اہم ہے ہم نئی نئی تشبیہوں اور استعاروں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ نئے ناولوں کی کھوج میں، نئے طرزوں کی ڈھونڈ، بحال میں سے الفاظ نئی ترکیبوں نئی صورتوں میں پس منظر پر نہیں بے تاب گھمتی ہے۔ (۵) ایک ادھ چہرے میری نہیں ہوتی، وعدت، کثرت، تجویم، ترکیب و ترتیب ان سب کے تقاضے پورے کرنے ہوتے ہیں، وعدت مراد افراد و نغز کی وعدت ہے، کثرت سے مقابہ کافی اور خوب۔ ترتیب سے عبارت ہے ارتقا، ادب سے ضبط و رتائت اور غولے میں بہت ماکہ جانے کی اتنی ہی توقع ہوتی ہے جتنی کہ خود نوشتگی، طرز و مزاج و لفظ اور کذب و مشرتل تفصیل کی۔ (۶) بھوئی حیثیت سے کلام کو دیکھنا چاہیے۔ صاحب کلام کی شخصیت کو پرکھنا چاہیے اور ملے مانی، مال کے پس منظر میں کی مثال کے تھے کا تعین کرنا چاہئے۔ (۷) حال و مستقبل مانی کے شجر کے پھل ہوتے ہیں اس درخت میں پیوند لگتے جاتے ہیں کی قوم، مانت، جملہ کے مانی حال مستقبل سب کو یک وقت نگاہ میں رکھنا چاہئے۔ (۸) مدعا کی اتھار

ہر کھانے کے جن کھانہ کو دینی چاہئے اور یہ کسی یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارے سب پر جن جن سواہر تو طلب سب کو آدھو چاہئے ہاں مگر قس و ثیاس اک کم ہوتے ہیں قلم زن منشی پچاس لاکھ ہیں اور اب پچاس کروڑ یا بیس لاکھ نہیں انشا اللہ اب میں اختیار مزد ایسا ہوتے قیید فی شخص جس جو جن حمروں پر کا دو بہتر سے بہتر نمونہ بن سکے گی۔ یہی رہی دعا ہے کہ ادیب ہر دست جنوں اور ان مقبول کاووں خاک ہے ۔

مغز پر وہ عجیبے مستون کا دل خشک ہوئے کی ملاحی بریں رہو سے سہانگی
 نے انشیں مار بریں کو کہی کرنا اور اس سے لطف مزید اٹھانے تنقید کی ملاحی ہے

حسرت کے نام اور کامتے خواص آتش ہیں مگر وہ بھی اور دو ادب کے ایک نہایت باخبر قاعدے کا نام ہے، دو حق نظر نہیں آتے۔ سو چاکر تنقید و تحقیر کے معیار کا نمونہ انیس کے ظلمت میں کیا جائے۔ تمس العلماء نواب سیدنا امام صاحب آتش نے جو کچھ لکھا وہ غزل گوئی اور اس کے شراط کے عنوان کے تحت میں لکھا۔ مگر حقیقتاً اس کی تعلیمات پر بلکہ افسانہ اور نملک پر بھی حاوی ہے زبان اور بیان ملاحظہ ہو خیال کا صوفی وارادات قلبیہ کے بیانات مشعلات سے ہے فخر ہو جائے ہیں۔ غزل کے بقیہ مضامین ہوں دلی ہیں مگر ایسے رفیع درجے کے ہیں کہ مجھ سے انسان کے عالم باطن کا شرف ظاہر ہو سکے جن سے انسان کی بزرگی اور عظمت ہو یہ ابھو سکے جس سلطان ماحول عرش اللہ تعالیٰ ثابت ہو سکے جن سے انسان نمود قدرت خداوندی سمجھا جائے جن سے انسان کے قوانے اخلاقیہ کی خوبیوں کا انکشاف مقصود ہو۔ جن سے انسان کا ہر صفت اور ایک بات پتہ مل سکے جن سے عرفان حق کی راہ سمجھائی دے سکے جن سے عالم روحانی کا اندازہ حسب قوت بشر کیا جاسکے مضامین عشقیہ دیے نہوں کہ معشوقان بازاری کی طرف محمول کئے جاسکیں فسق و فجور سے تمام قریب لگانہ دونوں جنتیں پر ایچ فسق میں نہ دکھایا جائے کہ اس علم بزرگی کی شان سے بندش پائے جو اس کی شان ہے۔ تعالیٰ العشق عن فہم الرجال۔ اسی طرح وہ مضامین جو جن سے تعلق رکھتے ہیں ان کے انداز ایسے عالی ہیں کہ فوراً خیال باسع معشوق حقیقی کی طرف کھینچ جائے جاننا چاہئے کہ جن وقت تیر الفاظ صفات خداوندی سے ہیں اس لئے کہ جن وہاں سے ناسد ہے اور عشق و محبت بھی مقہور جہاں کی نسبت مدہش شرارتیں میں آ رہے۔ ان اللہ عجیب و خوب الجمالہ اور محبت کے متعلق متعدد آیات قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں شش کچھ ہم دیکھتے ہو، غزل گوئی کے لئے قابلیت علمی کی اس قدر حاجت نہیں ہے کہ جس قدر

عمر کی دل کی عمر کی دل عبارت ہے ان بھائی عید سے ہم سے انسان ،
انسان کہلاتا ہے۔ اب مولانا مولوی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شیروانی کی
تحریر دیکھئے اور وہ بھی مشعلی نعمانی پر۔ اسے کہتے ہیں تنقید ہے کہتے ہیں مہلت
اور طنز اسے کہتے ہیں جلی شرافت۔ اسے کہتے ہیں لغو پرکشی، اسے کہتے ہیں
ہدایت ————— دوستی اور مہلت لغت دونوں شد بدھیں بدھوں کو
کی مروت کہیں لان کو تو کی مہلت اور چالو کی پر مادہ نہیں کرتی تھی جو بدھوں سے
خاطر وہ اپنی رائے سے نہیں ہٹتے تھے بھائیوں کی مہلت دوہرہ نہیں رکھتے تھے
مگر ان کے پس پشت بیان اختلاف میں بھی ان کی زبان سے ایسے الفاظ نہیں
نکلے تھے جو نفسانیت اور معاذ مذہب جوئی پر دلالت دیتے مخالف کی رائے کی
ترویج کرنے کے ساتھ کرتے تھے اپنی رائے کے دلائل کا دور و شور سے اظہار کرتے باوجود
اس کے کہ یہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ مخالف کے ذاتی یا صفاتی عیوب پیش کر کے (میں کو نہیں
دوسرا کرتے) ————— صحبت نہایت پاکیزہ و متشگفتہ تھی۔ ہمارے خواہ کی اور
کاہرہ ان کی باتوں سے مخلوط ہوتا تھا جس مسئلہ گفتگو کرتے ان کے دل کی طریبات
نظر آتیں۔ عقلی سرمایہ، مؤرخانہ اخلاذ، شاعرانہ کتبہ، ان کے بیان کے فنی و ہمدست
جب کہ بھی کسی مسئلہ پر گفتگو ہو تو بعض غلو و افراط کا پہلو ضرور مریاں کے فصول
باتیں میں نے ان کی زبان سے بھی نہیں سیں ————— ہر وقت میں شہادت
چاہتے تھے۔ حکم کہلاتے ہیں تیز رو۔ دسترخوان پر نہک رکھ لیتے اور کھانے میں لگتے
جاتے شیرینی بھی غلو و مرغوب تھی یہ عام منظر تھا کہ افذہ پر قند کی ہوئی ہے باتیں
کرتے جاتے ہیں قند کے دانے میں ڈالنے جاتے ہیں وہ قند سے اللہ سامع ان کے
کلام سے شیریں کام ہے ایک مرتبہ جلندہ ندوۃ العلماء کے مسئلے میں بریلی ان کا میرا
ساتھ ہوا قریباً پانچ پانچ شیرینی خریدی اور کھجوریں بلکہ کھائی بعض شیریں جو نالائیقا
اس کے حسن و قبح سے بحث دینی۔ پانی تیز مرد پیتے تھے۔ جازوں میں بھی یہی ہوتا
اس کے ساتھ سردی گرمی بہت محسوس کرتے۔ ایک مرتبہ جازوں میں حبیب کھجور
تشریف لائے مقصد رضا تھا یاں اور میں تھی نہ ہوئی۔ دوسرے روز معاملہ ہمارا
سے لحاظ خوب دلی بھر دیا کرتا کیا گیا۔ جیسے سادہ انداز لکھتے تھے۔

ابہ مولانا عبداللہ ندوی کا حسن تنقید دیکھتے — زبان
کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ شعر کے تمام اجزاء ایک دوسرے سے الگ اور ممتاز
ہوں لیکن وہ فرمیں نہ اور ہوں گے — مولانا حالی زمانہ کے نشیب و فراز
کی تصویر خوب کھینچتے ہیں لیکن لغزین اور انبعاث اور مولانا کا پلہاں — بھلائی
ہے ان دونوں بزرگوں میں خطیب اندیش خواہ کا فرق ہے — واقعہ کی
اصل تصویر کبھی ان شعر کی حقیقت پسند نہ ہوں گے لیکن کی شریں موصفت کی ان

ایک شاعر کا انجام۔ یہ نال بھی حضرت نیاز کے زورِ ہمت سے نادر کا لفظ تصنع سے خالی نہیں ہے لیکن طرزِ بیان کی جدت اور ترکیبِ الفاظ کی ندرت نے اس کی کافی کافی سے زیادہ مادی ہے حضرت نیاز کے تخیل اور ترکیب کی ترکیب و شاعری پر بس تو کوئی جزا قراں کسی کئے میں نہیں ان سے مترادفین کی بدترافی کے سوا اور کچھ نہیں ثابت ہوتا۔

کلام۔ اس دوائے کلام کا غامض سے پاک نہیں اور دیہاتی زبان کا جو بھی صحیح نہیں اترتا ہے تاہم زبان کی عام خوبی اور افسانے کی لکچر میں کوئی شبہ نہیں بحیثیتِ نجومی کتاب قابلِ دید ہے اگرچہ اس کا مرتبہ مسٹر چکیت کے مرتبہ تصنیف کے کسی قدر پست ضرور ہے۔

حق یہ ہے کہ ہندو سوسائٹی کی عینی صحیح تصویر ان افانوں (پریکشی) میں لکھی گئی ہے اس سے بہتر کسی قصے یا ناول میں کم از کم ہماری نظر سے نہیں گزری۔

نیا ہرے کہ حسرت ہو انی نوع سے تیریں برس پہلے ایک ایسے طرے پر کار بند تھے جسے میں نے آج ایک انگریزی رسالہ میں دیکھا ہے۔

THE MAIN BUSINESS OF A REVIEWER
IS TO ACT AS LIAISON OFFICER
BETWEEN THE AUTHOR & THE
READER.

علی گڑھ میں ”قوم“
بشیر نیوز ایجنسی، محمد علی روڈ
۴ میں خریدیے

سکندر آباد میں ”قوم“
نوبہار بکڈپو، پرانا جیل خانہ
۴ میں خریدیے

پڑا ہوا سکتا ہے جب تک شوقِ قلم اور اہم زہرِ مولانا کو اس میں اس قدر کمال حاصل ہے کہ لفظ لفظ اور فکر کی آبی تصویر ہو سکتے۔

مختلف شہروں کے مجلے نام اور کلام طویل طویل لقب ایسی چیزیں ہیں کہ خوش مریدانی جائز ترکیب کی جہتی، زبان کی صفائی، ہندشِ الفاظ سے ایک نمایاں فرق ہے جو مولانا کے اکثر قصیدے اسی قسم کے القاب اور ناموں سے ہمیں ہوتے ہیں لیکن اس سے زبان اور ترکیب کی جہتی میں بال برابر فرق نہیں آتا اور لطف یہ کہ اکثر تصنیف کا فائدہ ہمیں نہیں جاری کرتے۔

شاعر کا حال سوا گویا ہوتا ہے اس لئے محسوسات کا اثر نہایت مستحکم ساتھ اس کے حواس پر پڑتا ہے اسی بنا پر وہ چاہتا ہے کہ اس شدت کے ساتھ وہ کیفیت سامع کو بھی محسوس ہو سکے اپنا سا حواسِ مخاطب میں پیدا کر دینا شاعر کا کام نہیں اس لئے وہ فطرتاً اس کیفیت کو شیبہ سے استعارے سے نازک الفاظ سے مختلف طرزِ بیان سے مخاطب کے خیال میں پیدا کرنا چاہتا ہے اس کی مثال بالکل عید کے چاند کی ہے۔ ایک ہی شخص جو شاعر وانی میں کہیں اس کو وہ زمین سے کبھی مسجد کی چھت سے کبھی دنیا میں، غرض مختلف حیثیتوں سے دیکھنے کے لیکن ان دیدہ ریزوں کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ چاند کی پوری تصویر آنکھوں میں اترے اسے تاکہ عید کی خوشی وہ بالا ہو جائے اور اس کو کوئی شخص مصیوب نہیں سمجھتا۔ اسی طرح نازک، مستعار، واقعہ کششیب و فراز شیبہ، طرزِ بیان کا چڑھاؤ اتار کر دیکھنا نہیں۔

حاصل یہ کہ فرقہ بندی کی سادگی اور قدیم فرقہ ہما تصنیف دونوں میں امتداد پائی جاتی ہے۔ موازنہ صرف شکل کا ہے کیونکہ اس میں تمام تر لطیف و مزاح کی کوئی ہے خواہ ظاہر یا خفیہ کی قلم سے ایک نونہ موازنہ کرنا دیکھئے۔

مولانا کی شاعری میں غصہ و حسرت ہے کہ سنی اور الفاظ بالکل برابر میں کلام میں کہیں اجمال یا اشکال نہیں لفظ البتہ بعض جگہ خشک ہیں تنقید اور رائے کے لئے اس سے بہتر طریقہ اور اس زمانے میں نہیں ہو سکتا سلاست کلام میں، سرسید کا درجہ مولانا مرحوم سے بہت زیادہ ہے باوجود اور کچھ عبارت لکھنے میں بہرہ و فہرست و لفظی بالا ہیں مگر فلسفی عمق عالی میں ہے آثار میں اس کی پیروی اور لکھنے میں وزن و عمق عالی پہنچے ہیں سرسید مرحوم وہاں تک نہ پہنچ سکے۔

سندی ایک سال محض ہی مگر وہ انسان کو کمال بنانا چاہتے تھے مائی ایک سال محض ہی مگر وہ قوم کو بنانا چاہتے ہیں۔

آخر میں REVIEW یعنی تبصرہ کے بہترین نمونے میں کی جامعیت اور جملہ کارامد نمایاں ہے حسرت کے جادو رقم قلم سے دہجہ کے حصص پہنچاؤ

احمد ندیم قاسمی

دُعا

(۱)

کیوں حدِ نگہ کو آسماں کہتے ہو؟
کیوں ذوقِ نظر کو کہکشاں کہتے ہو؟
مَرِیخ وزمیں ہیں جبکہ ذراتِ جمال
ہر ذرے کو کیوں ایک جہاں کہتی ہو؟

(۲)

دہو کے میں خوشی کے، مجھ سے حسرت کھلی
پڑے میں مشیت کے، رعونت کھیلی
شہ پارِ تخلیق نہ جانا۔ یہ سہات
”انسان“ سمجھ کے مجھ سے فطرت کھیلی

(۳)

طے ہو چکی جوراہ، وہ پیچیدہ نہیں
جوزلف بکھر چکی، وہ ژولیدہ نہیں
کرنیں ہی برس رہی ہیں تر چھی تر چھی
والہ نہ نکالیں تیری دزدیں کہیں

(۴)

آنکھیں ہیں تری، سلونی شاموں پر غ
عارض ہیں تے، شفق سے لبریز یا غ
یہ تیرا بدن ہو یا ستاروں کی سنسی
یا جوش بہاری بھکتا ہوا۔ بارغ !

[illegible]

جس طرحیں کو اتنی شکایتیں پیدا ہو گئی ہوں اس غریب کا تو اللہ پر
حافظ ہے اب اس کا ہر کام سے دل اچھا ہے جو بلائے گناہ کی وقت کی گناہ کی بدنامی
کے سر پہ گناہوں کے مختلف شومیں بھٹکے کی عبادت سے اس کی باقیات کا ہر
پہلو سے کچھ پلٹ کر اپنی ملک پر کرنے کی فراوانی بکریہ گناہ کی بدنامی کے گناہوں پر چنا چھو
کو نام کی اکرین بلے کی گناہ کی بدنامی کے گناہوں میں عامیہ دیکر عادت کرنے
کے بجائے تو ننگ میں حصہ لے کر زندگی کی ہر حقیقت کو اسی زندگی میں دیکھنا چاہیگا
جو پردہ سمیں پاس کو نظر آنے میں یہاں کہ وہ باقاعدہ فلسفہ کا مہم بنلا ہو کہ
کچھ چھوڑ کر رہی ہو بلکہ یا لاہور کا رت کرنا ہے اس کے لئے وہ گناہ کی اس خزانے کے
یا نکل غارت عام طور پر ان ہی تین شہروں میں

یہاں تک تو میں نے اس مرض کی نوعیت و اسباب و آثار اور دوا میں پر روشنی ڈالی ہے اب میں اپنے چند ذاتی تجربے یا ان کرونگھارن کی وجہ سے محکمہ اس جدید مرض کی طرف متوجہ ہونا چاہتا ہوں۔ یہی ایک نچھوڑا ہوا اور میں نے اپنے میں پہنچائی کی آئے کی وجہ سے اس پر آواز اور ایک سال تک بخیر و آسودہ رہا۔ یہ سب تین سال تک نہ کہ نصف سال سے اچھا رہا البتہ کبھی سوکھ سہیائی کی ترسکایت ہو جاتی تھی۔ اور اس میں یہی آواز ہی آواز کا غیب ہوا اور دوا میں جو میرے پہنچائی کی ہوئی تھی یہ تو ایک جملہ غیب سے آواز ہو گیا۔ یہ کہ میرے پہنچائی کے

زمانے میں مجھ کو اس مرض کے بے شمار مبادیوں کو دیکھنے کا موقع ملا جو بچائے امتیازی
جاننے کے فہم فہموں میں ہر روز بہت بڑی تعداد میں ایک کتے میں اور اعتقاد رکھتے
ہیں کہ یہ الہ کا دارالافتخار ہے ایک سے ایک تشریف زاوے میں بسا کر کے دیکھ کر
محسوس ہی مسجد میں موزوں کی مکتب کے علاوہ اپنے خاص مروتوں ہوتے ہیں اور
بلند قتال ان کا نام روشن کرنے کے لئے نام کی طرح بننا چاہتے ہیں فہم کی بھی شرافت
کے ساتھ کی جا سکتے اور بہت سے کامیاب فہم کی طرح خبیث الطین بھی ثابت ہو چکے
ہیں اور ان کے شر و نسب میں بھی کسی تبدیلی کی ضرورت آخر تک محسوس نہیں کی گئی مگر وہ
تو فہم کمپنی میں میرے شروع ہو کر آخر میں ذیل سے ذیل کام کرنے کے بھی تیار
ہو جاتے ہیں اور اصرار یہی رہتا ہے کہ میرے وزیر مجھ کو میری صلاحیت بناوے گی مگر
فہم پر نادانی حقیقت یہی ہے فہم میں کام کرنے کا موقع نہیں۔

[illegible]

یہ بچائے بغیر ختم نہ دیکھے چھاپے آتے ہیں۔ اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ،
 جنگال کے قحط کا اندازہ ان کی صورت سے ہو سکتا ہے بہت سے ایسے کو دیکھنے والا
 جرنل روہیلے کے ان کی تصویر زیادہ مناسب رہے گی یا کارٹون مڈلے والے لوگوں
 نہایت پسند آئے گا ساتھ ساتھ یہ کھلاؤتے ہیں کہ پروڈیوسر ان کو دیکھتے ہی جھوٹے لگا
 خوشی کے مابین ناچے گا۔ اور دیوانوں کی طرح چیخا کر کہے گا۔ "آخر کیا مجھ کو میسر ہو
 مل گیا میرے بچے کا وہ پیکر۔ وہ میرے سامنے آ گیا جس کی صفوں میں میری زندگی
 کھیل رہی ہو گئی۔" حقیقت منظر لباس مجاز میں آگئی جس کے ہزاروں کچے
 حسین زیار میں حجاب رہے تھے مگر پروڈیوسر ان کو دیکھ کر دین روہیلے کے ان کو
 خانے یا ان کا کلب بنائے

فلمیریا کے مرض مدد کا وہی ہی کے خط میں بتلا نہیں ہوتے بلکہ بہت
کٹ لاکھ لاکھ کر لیا کرتے ہیں بہت کہانیالے کہ موجود ہوتے ہیں اور اس سلسلہ
میں اس خاکسار کو بھی عجیب مصیبت میں مبتلا ہونا پڑا ہے کہ ان فلمیریا کے مرض کو
سنا کس دن میں سنا ہے جب وہ اس کی کوئی کہانی سنا ہے بڑھتے ہیں تو عام خیال ان کے
زہن میں آتی ہے کہ یہ تو پانچ گھنٹہ کا ایک راجہ ہے اور ہماری
(باقی صفحہ ۲۷)

کی جو صورت ہے وہ قابل ذکر نہیں البتہ جب بارے اس کی تشکیل کی تھی اس وقت کے درختوں کا شمار وہ بیان حسب ذیل ہے۔

خرنوبہ۔ آم۔ زور دوسرے میوہ دار درخت اطراف و نواحی آگے جیسا کہ بکثرت پائے جاتے تھے اور پائے جاتے ہیں ان سے بحث نہیں وہ تو پائے میں لگائے ہی گئے ہونگے البتہ اکبر پاشا کے عہد میں جن میوہ دار درختوں کا وجود ہندوستان میں نہ تھا فروخت و خرید درختوں کی فلمیں زمین پر بند پر لگائی گئیں اور نہایت کثرت سے چنانچہ اقامت انگور میں انگور، صابھی، انگور شمشی، انگور شمشی، امرتسری، پنجاب میں بیل چڑھے جن کے متعلق جہانگیر کی حسب ذیل یادداشت ملتی ہے چنانچہ لکھتا ہے:-

”در بازار ہائے لاہور در موسم انگور آن مقدار کہ خود ہندو ہر قسم و ہر جنس

بہم میرسد“

اس کے بعد اناس کا خبر آتا ہے اس کے متعلق بھی جہانگیر کی یادداشت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کی سرزمین میں اس معرق قلب اور بین الاقوامی پھل کا وجود نہ تھا اگرچہ اس وقت نواح پر مائیں بکثرت پیدا ہوتا ہے لکھتا ہے:-

”از جملہ میوہ میوہ اسیست کہ آمرانہ اس می نامند و در بنادر و فرنگ می شود۔ و رعایت خوشبوئی و راست مزگی ست و در باغ ”گل افشان“

آگرہ ہر سال چندین ہزار بری آید“

ہندوستان کے خوشبودار پھلوں کی بابت جہانگیر کی رائے ہے کہ ان کو تمام عالم کے پھلوں پر ترجیح دیا جاسکتی ہے ذیل کے پھول ایک مست خوشبودار کھنے والے ہیں کہ جن کا شوق دنیا کے کسی خطے میں نہیں پایا جاتا۔

(۱) گل چنپہ۔ نہایت نازک صورت اور خوشبو دار جسے گل زعفران لیکن یہ زرد ہوتا ہے اور وہ مکمل پسینہ دہی۔ درخت بھی نظر فریب ہوتا ہے جس میں اچھا خاصہ گھٹاؤ بھی ہوتا ہے لطف یہ کہ موسم بہار میں اگر ایک پھل بھی شاخ میں ہوتا ہے تو تمام باغ مطر فرشت ہو جاتا ہے۔

(۲) گل کیوڑہ۔ اس کی پتیاں وہ مری جیسے ہوتیں خوشبو اس قدر تند و تیز ہوتی ہے کہ بونے مشک کے کسی طرت کم نہیں۔

(۳) آسنے بیل۔ خوشبو میں یا سمن سفید کے شش ہوتا ہے لیکن اس پھل میں درق پائے جاتے ہیں۔

(۴) گل تولسری جس کا درخت موزوں اندام و سایہ دار ہوتا ہے اس میں نہایت بھیجی خوشبو ہوتی ہے۔

(۵) گل سیوتی گل کیوڑہ کی طرح ہوتا ہے فرق یہ ہے کہ کھڑے میں کھلے ہوتے ہیں۔ اس میں نہیں ہوتے رنگ دردی مائل گل کیوڑے کی طرح سفید نہیں ہوا جب

پھولوں سے خوشبودار بنے ہیں۔

بڑے درختوں میں جیسا کہ جو ہندوستان میں درخت سلطنت و ملک کی ہلکت ان کی اس عمدہ افراط ہوگئی ہے کہ باطلام جنگ ہے کہ اسی سرزمین سے لشکر و فوج پائے ہوئے ہیں مثلاً سرو، صقرب، چنار، سفید امر، سپید تول، مان و شمشاد ہندو کو خیال ہیں نہ تھا ان سب سے بڑھ کے درخت تھل کا ذکر ضروری ہے جو پھلوں میں سے پائے گیا اور اب ہندوستان میں بکثرت پایا جاتا ہے

(ترک جہانگیری)

فلمیں (صفحہ ۲۴۲ بقایا)

کہانی سننے کے بعد یقیناً یہ کہانی پڑا ہے اس اچھوتے پلاٹ کو لے آئے ہیں ان زمین سالوں کا پنے دماغ میں محفوظ کر کے سامور سپرن کو اپنا کارنامہ کر لیا کہانی سے تفریباں، جاگیریں، خلعت اور طرح طرح کے انعام حاصل کر کے آوا بگو مصافحہ و دیگر مال دے گا اور ہم غمگین ہو کر یہ کہ اس خرافات سے اپنے دماغ کو کس طرح بچاویں اگر اس کہانی کا کوئی جزو چاہے دماغ میں کسی طرح رہی ہو وہ تمام ذہن کا چال چلن خواب کر دے گا کہانی سننے سے مسلم ہو جائے گا کہ یہی رائے صاحب نے آج تک سینا دیکھنے کی رحمت بھی گوارا نہیں کی اور یہی کہانی کو سونچنے کا ہی اتفاق ان بیانیے کو سمجھیں ہر مسئلے کا ان کا دلیا اگر گوارا ہو اہل مکہ ہے جن اور چونکہ ان کو کوئی راز نہ دیکھنے والا تھا کہ جب میں ڈال لے گا گانے لائے ہائے ان سے بھی بڑھ کر صاحبان کمال، اگر شر کے وہ نمکوں میں کہیں ہے قافیے مل گئے ہیں تو یہ ان کا شاہکار ہے اور اگر ان کو قیل و گویا جاتے تو سیرت و بیاد کا انچارج یا تو ہاں ہے و نہ متعصب۔

ان مریضوں پر خدا آنکھ دے جسے بہت سے کہنے والے خود اپنا دماغی توازن کو بچھٹے ہیں مگر خدا ان غریبوں پر کیا! وہ تو مر رہے ہیں ان کے لئے خود ملک چاہیے اس لئے کہ دو اب تک وہ طاقت نہیں ہوتی ہے۔

کراچی میں ”قوم“

انڈیا ایک ڈپو
ٹرامپٹیشن صدر کراچی
سے ۶ میں فریڈے

ارشاد حقانی

نظر خوش گزشت

ایک شاعر و مہذب کا قول ہے ارشد ہر کس کہ طاعت کند البصر
 بیجا نہ لڑائی نہ کمرے ہے نہ ڈر ہے نہ
 ہے تجسید یہ اس دور کے شاعر کا مگر اور کہتا ہے اسے رنگ زمانے کا
 جو ماضی وہاں ہے وہی مہذب کہے ہے
 اب غیر وسعت کے قوانین بنتے ہیں تہذیب کے اخلاق کے آئینے ہیں
 مکاری و حیاری ہی دنیا کو ہرے ہے
 جن کا عمل سامانہ نہیں ہوتا خرمین سے میسر انہیں دانہ نہیں ہوتا
 سبز کھیت ان کے ہی گوسالہ چرے ہو
 جو مصلحت اندیش ہے دلریش نہیں ہے احسن ہے جو مصلحت اندیش نہیں ہے
 نادانی سے تقدیر پر الزام دھرے ہے
 سونیکوں کا ایک نیک ہے کتنا ہی وہ ہو بد جو مقتدر عصر مکی کرتا ہو خوشامد
 پھر اس کا مقابلہ دورے ہے نہ پرے ہے
 معصوم سمجھتا نہیں جوابل خطا کو کہہتا جو خداوند نہیں غیر خدا کو
 اس عہد ترقی میں وہ بین آئی مرے ہے
 جو سخی ضمیر اور دیانت کا ہے پابند کو لٹھو میں پلا کھلے ہیں اس کے زن و فرزند
 سولی پہ لٹکے کی مصیبت وہ بھرے ہو
 بیٹھا ہوا میں رنگ جہاں دیکھ رہا ہوں دنیا جی کہاں اسہے کہاں دیکھ رہا ہوں
 یہ بھی میری ادیشل نظرے خوش گزشت ہے

کارفرما کی ضروری ہے۔

ادب ہر نئے ادب باجالیاتی نقطہ نظر سے ادب اور آرٹ کی رفعت اس کے (FORM) میں ہوتی ہے۔ اس کے ہر کچھ پیش کیا جائے وہ نہیں اور پھر یہ انساں ہو اس لئے اس کار کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے فن کے علم سے کسی شے پر اس طرح جھانکے کہ جتنا انتہائی خوشگوار اثر پہنچے۔

واقعاتی مکتب خیال کے ناچندوں کا خیال ہے کہ آرٹ اور ادب کا مکمل حق حقیقت کو موبہو ہمیشہ کرنے میں پوست بہرہ ہے۔ صحت کار کو اپنے موضوع کو طبع ہو اور وہ جتنی حقیقت ہو۔

فالتائے نے حقیقی آرٹ کے لئے یہ التزام عاید کیا کہ جس کار کی تخلیق کسی نئی کسی اعتبار سے نئی ہو۔ اس کا متن الفسٹ کے لئے ضروری ہو اور اسلوب و اظہار سریع الفہم ہو۔ آرٹ اور ادب کی تخلیق میں بیرونی اثرات اور تبدیلیات نہیں ملتا۔ اندرونی تحریک کار فرما ہو۔ یعنی ادب وہ ہے جس میں کوئی نئی تازہ مات پیش کی گئی ہو اور وہ کسی نہ کسی حد تک متن سانچے، اسلوب اور خلوس کے تلازموں کی تکمیل کرنا ہو۔ ان میں سے کسی ایک نیاز سے کسی بھی کمی رہ چکا تو وہ ادبی تخلیق نہیں کہلاتے گی۔

افلاطون اور ارسطو کے نقطہ نظر سے آرٹ اور ادب نقالی ہیں لیکن استاد و شاگرد کے تصورات نقل میں انتہائی بعد ہے جتنا ان کے نظام فکر میں پایا جاتا ہے۔ افلاطون سن مجروحہ قائل تھا اور اس کا نہایت رنگ و بو کو حسن مطلق تھا پر تو یا نقل تصور کرتا تھا۔ ظاہر ہے کہ آرٹ کے موضوع جو ای کامات سے وابستہ ہوتے ہیں نقل کی نقل ہوئے لیکن "ربا سٹ" کے علاوہ دوسرے مکالمات میں افلاطون نے شعر و ادب کو نقالی کہہ کر نظر انداز نہیں کیا بلکہ ان کی عظمت و سرگزشت کا اعتراف کیا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ جذبہ شعری ایک طرح کا جنون ہے جس کا محرک ایک جذبہ قدسی ہے اور یہ جذبہ قدسی بھر یہ تخلیق ہوتا ہے۔ شاعری کے ذریعے دیوتا اپنا الہام عوام تک پہنچاتے ہیں۔ اس لئے شاعر کی نظریں حق و حقیقت پر سبزل رہنی چاہئیں۔

افلاطون کے برخلاف ارسطو نے شاعری کو انسان کے اعمال، افعال، نیات اور جذبات کی نقل کہا ہے۔ اور اسے سیاست اخلاق اور مذہب کے جوئے سے آزاد رکھنے کی کوشش کی ہے

اس کے باوجود آرٹ کی تعلیمی ضرورت باقی رہی ہے۔ نقل و تقلید سے

۱۔ اس میں توجہ اور تامل
۲۔ جہان و برہان کا مشاہدہ
۳۔ مضمون کی محدود مضمون نگارش
۴۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۵۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۶۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۷۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۸۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۹۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۱۰۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے

۱۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۲۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۳۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۴۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۵۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۶۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۷۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۸۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۹۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۱۰۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۱۱۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۱۲۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۱۳۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۱۴۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۱۵۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۱۶۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۱۷۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۱۸۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۱۹۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۲۰۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۲۱۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۲۲۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۲۳۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۲۴۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۲۵۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۲۶۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۲۷۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۲۸۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۲۹۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۳۰۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۳۱۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۳۲۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۳۳۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۳۴۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۳۵۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۳۶۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۳۷۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۳۸۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۳۹۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۴۰۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۴۱۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۴۲۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۴۳۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۴۴۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۴۵۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۴۶۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۴۷۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۴۸۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۴۹۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۵۰۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۵۱۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۵۲۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۵۳۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۵۴۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۵۵۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۵۶۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۵۷۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۵۸۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۵۹۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۶۰۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۶۱۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۶۲۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۶۳۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۶۴۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۶۵۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۶۶۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۶۷۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۶۸۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۶۹۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۷۰۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۷۱۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۷۲۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۷۳۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۷۴۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۷۵۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۷۶۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۷۷۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۷۸۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۷۹۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۸۰۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۸۱۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۸۲۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۸۳۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۸۴۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۸۵۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۸۶۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۸۷۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۸۸۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۸۹۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۹۰۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۹۱۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۹۲۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۹۳۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۹۴۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۹۵۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۹۶۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۹۷۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۹۸۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۹۹۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے
۱۰۰۔ اس کے لئے اس کے نقطہ نظر سے

ماضی مورخ کی چھانگاہ ہے اور تاریک ادب سے کم یا یہ چیز ہے۔ شاعر اور مورخ محض نظم اور شعر لکھنے کی وجہ سے ایک دوسرے سے ممتاز نہیں ہیں بلکہ۔۔۔ (ایک نو مورخ) یہ بیان کرتا ہے کہ کیا پیش آچکا اور دوسرے شاعر، یہ بیان کرتا ہے کہ کیا پیش آسکتا ہے۔ اسی وجہ سے شاعری تاریک کے قلعے میں دیا رہا طغیان اور زیادہ بہتر چیز ہے۔ کیونکہ شاعری عام حقیقت ہے آگاہ دہلی ہے اور تاریک خاص سے۔

فلسفہ اور ادب کا تعلق بھی عجیب و گھپ اور پر پیچ ہے۔ ہر بڑا شاعر فلسفی ہوتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر بڑا مفکر شاعر بھی ہو۔ جب فلسفہ اور شاعرانی پوری صورتی و معنوی محاسن و مکائف کے ساتھ سم آہنگ ہو جاتے ہیں تو شعر نہ صرف جاودہ جگانے لگتا ہے بلکہ اس میں وہ الہامی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو جذبہ بغیر سے بلند ہو کر انسان کو پہنچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ۔

خالق کے نام سے متصف ہونے کا کسی کو حق نہیں پہنچتا
سو اے خدا اور شاعر کے

یہ بتلانا مشکل ہے کہ فلسفے کے حدود کہاں ختم ہوتے ہیں اور حسن کارانہ فضا کہاں سے شروع ہوتی ہے۔ ماں اگر فلسفے کی تعریف یہی ہے کہ۔۔۔ "فلسفہ تلاش حق کا باپ نرسہ" یا۔ عقلیت کی حد بندی کا ایک علم ہے یا تو یقیناً ادب اور آرٹ میں یہ خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں۔ اور ادب ادب ہوتے ہوئے بھی فلسفے کے اس نقطہ کمال پر پہنچ جاتا ہے، جہاں منکر و ماغ نشیں ہی نہیں دل نشین بھی ہو جاتی ہے۔ اور استہلال چراغ چراغ رہ گذر منا سیاست دربان کا شکار رہتا ہے۔

دیکھا آپ نے ادب، ایک ایسا مرکز ہے جہاں مختلف مختلف شعبہ جات علم و جہات کے دریا بہے خود بخود سمٹ آتے ہیں اور انسانیت کے تہذیبی دائرے کو بے غلی بنا دیتے ہیں۔

(نشر)

زندگی کا تمام سرسرایہ۔ موجود ہوتا ہے جنہیں تعریف میں لایا جاتا ہے، اور جن سے انسانیت کے لئے ایک علم بنایا جاتا ہے، ادب میں حسن اس قوت سے عبادت ہے جو دل و دماغ کے واسطے سے انسان کو سکھاتا ہے اور محاورہ حیات کے ذریعہ لو تکمیل بخشتا ہے۔

اسی لئے عہد حاضر کے ادیب، ادب اور آرٹ کو زندگی کا ترجمان، معاشرت کا منظر حال کا ناقذ اور مستقبل کا خالق تصور کرتے ہیں۔ اس لئے بقول ایمرسن "ادب انسان کی وہ کوشش ہے جس میں وہ اپنی حالت کو بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے" کائنات کی بہتری اور انسانیت کی بہتری کے لئے وہ پیکر حسین تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ وہ زندگی کے ~~صحنہ~~ ~~محو~~ کو بھی اجاگر کرنے لگتا ہے کہ فطرت کائنات اور نظام عالم کے نقص اور ناامی کو سر بلند کی نقطہ کمال تک پہنچا دے وہ مظاہر فطرت، خیالات، تفکرات، جذبات و تجربات اور نظام حیات کو جلیل کر کے ایک نئی دنیا اور نئے آدم کی تخلیق کا اندسہ قیاد کر دیتا ہے۔

ادب جذبہ احساس، تخیل، تجربہ اور تجزیہ کی پیداوار ہوتا ہے اس میں انفرادیت، شخصیت اور ~~مستقل~~ ~~مستقل~~ کے ساتھ وہ بشری اور صوری خط و خال بھی نکھرتے ہیں۔ کوئی ادبی شاہ پارہ ماضی کی درخشانیوں کا جوازہ نہیں ہوتا بلکہ حال کے دل کی دھڑکنوں کا امین اور مستقبل کی روحانی ماوروسی، معاشری اور معاشی ترقیوں کی نوید ہوتا ہے۔ ہم میں مضن شعور ہے، وہ ایسی اور ہمہ گیر اقدار ہم آہنگ ہو کر عمارت بن جاتے ہیں۔ ادبی تخلیق ہمیشہ تازہ، زندہ اور بیدار رہتی ہے۔ اس لئے کہ ہر جن نگارہ تخلیق زندگی کے ایک نئے شعور کا انگشاف و ران قوانین کے تحت جو جاریہ دسترس سے باہر ہیں، جو حسن کار کی روح میں انگریزی لینا ہے اور جہاد ہو چکنے پر ان راہوں کو روشن کر دیتا ہے جن پر سے ہو کر انسان ترقی اور کمال کی منزل کو پہنچتی ہے۔" وی ادیب اپنے عصر کا سب سے بلند من کا رہے جس کی نظر ماضی کی پرچائیوں کو دھونڈنے کی بجائے مستقبل کے نقشے ڈالنے میں مصروف ہوں۔ اس لئے کہ۔

دہی سے صاحب امروز جس نے اپنی بہت کم
زبان کے لئے یہ نکالنا کو حیرت زدہ

ناظرین قوم کفایت میں عرض ہو کہ وہ خطبات میں جڑے نبر کا حوالہ منور میں

وجاہت سندیلوی بی لے ایل ایل بی

بھمی خالہ

— میں محبت مختصر میں تھا میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کروں —
کراتے میں صغیر آگیا

”اے بھمی خالہ ہنس ہو گئیں؟ کیسے؟“

”وہ آئیں اور مجھے دیکھتے ہی بیج مار کر گر پڑیں؟“

صغیر ملدی سے بانی لایا اور بھمی خالہ کے چہرہ پر جھپٹے دینے لگا
چند ساتھوں پر ان کو ہوش آگیا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ میں صغیر
کے پیچھے کھڑا تھا۔ اس نے مجھے اشارہ کیا کہ میں کمرے کے باہر چلا جاؤں
تاکہ بھمی خالہ کے پھرے ہوش موجانے کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ تھوڑی
دیر کے بعد صغیر نے مجھے کمرے میں بلایا تو وہ جاچکی تھیں

میں مانی جان سے ملنے اتر گیا تو پہلے تو بھمی خالہ نے مجھ سے
پرہیز کیا اور ایک کوٹھری میں جا بیٹھیں۔ لیکن جب مانی جان نے اس سے
پچا کر کہا ”دیوانی ہو گئی ہے بھمی! آخر شبو سے کیا پرہیز؟ جیسا صغیر
دلیا شبو۔ آخراں کی ماں اور بہنیں معراج کے سامنے کیسے آتی ہیں؟“
تو بھمی خالہ بہت سہمی اور شرماتی ہوئی کوٹھری سے نکلیں۔ اور میری
حاجب سے گھونگھٹ نکال کر ایک کونے میں بیٹھ گئیں۔ میں نے سلام کیا
تو انتہائی دھیمی آواز سے کہا ”جیتے رہو“

انھیں دیکھ کر نہیں معلوم کیوں مجھے ہنسی آگئی اور اس کو ضبط کرنے کے
لئے میں بڑبڑاتا ہوا ”کیسا مزاج ہے آپ کا؟“
اس کا جواب انھوں نے یہ دیا کہ ”خود“ جیسا کہ صغیر کوٹھری سے
بھیسیں۔ مانی جان بجاتی ہی رہ گئیں اور بالآخر یہ کہہ کر... بی...
”دیوانی تو ہے ہی!“

کئی گھنٹوں تک مانی جان اور اپنی ماموں زاد بہنوں سے باتیں کرنے

بھمی خالہ کی مصمت تابی سارے گھر کے لئے ایک دہانہ جان تھی
مجھے بھی ایک عجیب و غریب طریقے سے اس سے دور چار ہونا پڑا۔

میرا ماموں زاد بھتیجا صغیر میرے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتا تھا
اس کا بہت دنوں سے ہوا تھا کہ میں اس کے ساتھ اس کے گھر چلوں
جو گھنٹوں سے جارہے تھے کی مسافت پر واقع تھا۔ اور بالآخر ایک دفعہ
میرے کچھ بیویوں میں وہ مجھے اپنے ساتھ گھسٹ ہی لے گیا۔ ماموں دورہ
کئے ہوئے تھے۔ اور صغیر مجھے باہر کے کمرے میں بٹھا کر اندر مانی جان سے
میری آمد کی اطلاع کرنے چلا گیا۔ میں تھکا مودا تھا اور کمر سیدھی کرنے کے
لئے ایک طرف صوفے پر لیٹ گیا۔ دفعتاً کمرے کا بھی دور درازہ جو زمانہ خانہ
میں کھلتا تھا۔ اور ایک خوش انداز کی سفید ماری پینے لگتا تھا۔ موتی
آئی۔ اور بغیر مجھے دیکھو ہوئے اس نے بائیں جانب سینے کی اشاری لگوں کر
اس میں سے ایک کتاب نکالی اور کچھ کچھ دیر درازہ کی طرف چلی۔
”دفعتاً اس نے اسے میری طرف آکھنسن اٹھائیں۔۔۔۔۔“
اس کے منہ سے ایک سہمی ہوئی سی جڑ بکلی اور وہ بے کمانہ نہیں پر
گر کرے ہوش ہو گئی۔

”کیا؟“ میں دودھ پڑا۔ میں نے دیکھا کہ بے ہوش ہوئی والی لڑکی
نہیں بلکہ اٹھائیس تیس سال کی ایک نازک خندہ خال والی عورت تھی۔
جو آنکھیں بند کئے سسکیاں مارتی رہی ہے۔ مجھے پہلا خیال یہ گزرا کہ میں
بے ہوش ہوئی والی کو اٹھا کر صوفے پر لٹا دوں لیکن پھر مجھے اپنا منہ ستانی
طرز معاشرت یاد آگیا جس میں ایک مرد کا کسی نامحرم عورت کے جسم پر ہاتھ
لگانا انتہائی معیوب تصور کیا جاتا ہے مجھے یاد تھا کہ میری ایک رشتہ
کی چچی کے سینے میں پھونڈا تھا۔ لیکن اس کے متعلق انہوں نے ہر جانا قبول
کر لیا تھا لیکن یہ منظور نہیں کیا تھا کہ وہ اس کو کسی حکیم یا ڈاکٹر کو دکھائیں

نفسیب ہوئی ہے۔ انیس اب یہ آزادی کس کام کی؟ خالہ کی روک تھام کی مراد ہو چکی ہے اور وہ غلامی کی اس قدر ناوای ہو چکی ہے کہ ان کو اپنی یہ آزادی غلامی سے بھی بدتر معلوم ہوتی ہے۔ آج وہ پھر میں وہ اپنے غلام مولوی کو باؤ کر کے آسویں رہی تھیں۔ اب وہ ادھر ادھر پہلے غلاموں کے ساتھ رہتی پھرتی ہیں۔ ایک سان سے اماں نے بلایا رکھ لیا ہے۔ اب ان کا رخصتہ اپنی عصمت مائی کی کنہیر رہ گیا ہے۔

انہر کی رہتی تھی خالہ کی کہانی سنے سنے میں ایک شب سوچ میں آگیا یہ آخر عورت کی عصمت مائی ہے کیا بلایا؟ اس کے تعلق نہیں معلوم ہم لوگوں کے اس قدر وحشیانہ اور فحش جذبات کیوں ہوتے ہیں؟ مانا یہ ٹری ایچی بات ہے۔ مہرب نے بھی بتایا ہے۔ اخلاق بھی یہی سکھاتا ہے عقل سلیم بھی ایسی کی طرف مائل ہوتی ہے لیکن شب بھی اس کی اس قدر دور کی اہمیت کیوں ہے؟ آج ہر مذہب طبقے کے گھر میں صبی خالہ کے چہرے اور خاکے نظر آتے ہیں۔ لڑکیاں کیا ہیں کبلی موتی اور مر اور شہبہ کی جذبات کی زندہ انہیں ہیں۔ زندگی کی تازگی، شباب کی تازگی حتیٰ کہ دل دماغ کی باگیرگی یہ سب کچھ مدھی نانیوں اور بزرگ چچیوں جاہل ماؤں اور نکلے جس صا دوس کے ہاتھوں حماقت اور چالاکت کی قربان نگاہ پر جھنکے جڑے جاتا ہے۔ اور پھر اس عظیم الشان قربانی کے بعد غریب لڑکیوں کو کیا ملتا ہے؟ — عصمت مائی —

کیمی چچے، کاش کہ کوئی ان مانیوں، جمیوں، ماؤں اور بھابھوں کو کھٹا سکتا کہ عصمت مائی کا یہ جارمانہ دفعہ لگ جو دہماری فیض عصمت مائی کی مامی کو تباہ ہے۔ مہارے خیالات گہرے اور مہارے دہن سمسم سے ہم جس چور کو لڑکیوں کے معصوم قہقروں اور لہانہ دھکے موئے آکھاؤں اور اٹھڑپن کی اٹھ جادہ اور تاک جھانک میں دھوم دھتی پھرتی مودہ دفعہ حق جو دہماریے و ماؤں میں جمبا بیٹھا ہے۔ — لیکن یہ انیاں و فیروہ خود بھی تو کبھی لڑائیاں تھیں۔ — تو گویا ایک نسل اپنے سے پہلے والی نسل کے ہاتھوں اپنے قتل کا اپنے سے بعد میں آنے والی نسل سے فضاں سیتی ہے۔ — اور یہ سلسلہ یوں ہی جاری ہے۔ کب سے جاری ہے۔ — لیکن یہ کینک جاری رہے گا؟ اسکی کوئی پٹھن نہیں مجھے خاموش، ایکرا صغر نولہ چھی خالہ دوسروں سے بے حد خائف ہیں۔ ان بیبی کے دل میں سماج ہے کہ وہ جب بھی آنکھ اٹھاتا ہے تو جہیزہ جڑی میت سے اور اس کے حوالے سے دینا میں کوئی دوسرا ہی نہیں

اور تمہیں ہائے کے دن شام کو جب لاہر پری میں سے اور انہر مٹا ہوتا ہے تو میں نے بھی خالہ کا ذکر کیا۔ مہارے ایک شب معلوم ہوتی تھی ان کی تاریخ تک میں نے کسی حوالہ کو پہنچا نہیں دیکھا تھا۔ اور خصوصاً اس دور سے بھی۔ مجھ کو یہ سناؤ ہو کئی تھیں یاؤں گئی تھیں۔ یہ سناؤ تو آنا خونخوار استعمار نے آنا ہوا ایک ایسے قیصر فوض طفر ہوش دایاں رہے۔ کہ ان کی دیکھو۔ بکواسٹوہ ہی عورت عاشق ہو گئی۔ اسے پھر کڑی سبب اس کے منہ سے نکلا۔ پہلا شہزادوں کی حالت نہیں بلکہ شہزادوں کی حالت۔ مہرب بھی اور یہ کہ اس کے لئے کیا صرف چھ کالی نہ تھی؟ وہ ہوش ہو جانے کی کیا سروس تھی؟ لیکن بے ہوش ہو جانا تو شاید ایک برا اختیار ہی نہیں ہے

انہر کھینے لگا۔ بھتی محب جہ میں یہ بھی حال ہی ایک بھنہ میں یہ تین چار دفعہ بے ہوش ضرور ہو جاتی ہیں۔ اس کو اپنے اوپر جاتا اور ساختا جاری کرنے کا شوق ہے شروع شروع میں جب یہ سہل گھر آئی تھیں تو میں ان سے بہت ڈرتا اور اب بھی میرے اور اماں کے ہنڈا ہ گھر کے سب لوگ ان کی عجیب و غریب حرکتوں کے باعث ان سے خائف ہی رہتے ہیں۔ ان کی والدہ ان کی پیدائش ہی کے وقت انتقال کر گئی تھیں اور ان کے والد چمنہ۔ سلسلہ ملازمت ان سے دور رہے۔ حتیٰ کہ ان کو ان کی صورت تک با و نہیں۔ ان کی فام نہریر ورسس ان کی ایک بڑی کھوٹ اور حدودہ جاہل اور توہم پرست مانی نے کی اس بڑھیا نے ایک بڑے سے سنان گھر میں ان کے لئے انتہائی سخت گیر اور غیر مصنوعی ماحول قائم کر رکھا تھا۔ اور جو میں گھنہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی وہ ان کو اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیتی۔ یہاں تک کہ ان کو اپنے بہت قریبی خاندان والوں تک سے ملنے کی ممانعت تھی۔ ان کی عمر سال کی ہوئی تو اس بڑھیا نے اپنے میرزا دے ایک بڑے مولوی سے اپنی شادی کر دی۔ مولوی بالکل ہی اذکار رفتہ اور تیرب پاؤں اٹھنے سے بچا تھا۔ اس نے اپنے بڑھیا کے مقام بھی خالہ کی جوانی سے خوب ہی دیا۔ وہ خواہ مخواہ ان کو ہتھیہ مشتبہ نظروں سے دیکھتا۔ اور ان کی انتہائی ظالمانہ حد تک کڑی نگاہ کرتا۔ اس کے تب و تہ سے پیماری خالہ کا سخی زندگی بالکل پہچان کر گیا۔ اور اس میں بڑھنے اور ابھرنے کی وہی سہی صلاحیت بھی ختم ہو گئی۔ اس سال تک یہ اس کی قید میں میں پانچ سال ہوئے جب وہ مولوی مر گیا اور اس وقت سے خالہ کی آزادی

سب سے پہلے برائے درجنوں کو درغلا یا "دنگو" کہا کرتے تھے۔
 "میر بھی خالہ کی تو ایک بی بی کو عینت ہے۔ وہ سچ لہجہ
 تو منو سنا جیتے کی اتنی فیمادی لڑکیوں کے ہی حالات ہوتے ہیں
 ہماری معاشرت میں لڑکے، لڑکی کے رسیان ایسا منسنوٹی اور غمزہ
 حول قلم کما خانہ کے لڑکی لڑکے کو پیش "چور" اور "نر" لڑکی کو جھٹلہ
 چرانے والی چیز تصور کرنا ہے یہ ماحول قلم اس لئے کیا جاتا ہے کہ چونکہ
 نہ ہو بیکر و ہفت چوری روکنا تو درکنار یہ نوچوری کرے اور چوری ہو جائے
 کہنے "درہمی دیادہ درغلنا ہے" میں نے کہا۔
 "سچ ہے۔" اصغر کہہ اٹھا۔ "بک تیدی جیل خانہ کی چار دیواری
 کو ہمیشہ اس قلم سے دیکھنا ہے کہ یہ س کی آواز دی میں اس سے
 اس کی دہمی خواہش ہی رہی ہے کہ وہ کسی نہ سرت میں کو یہ سرتا
 وہ کہیں یہ سوچ ہی نہیں سکتا کہ اس دیوار کا ایک ہر قسم سے نہ
 اور اس کو موسم کی درست درازوں سے بچانا بھی ہے۔
 ہم لوگ اس طرح کافی ہر ایک باتیں کرتے رہے گھلنے کی طرح
 ہوتی تو ہم اگر گھر کو اندر چلے گئے سارے چھپ چھپ نہیں تھیں۔ معلوم
 سوا کہ آج اس کے سر میں وہ ہے۔

مافی جان میرا ضرورت۔ ہاں وہ خباں رنس خفیہ میں
 ان کے سامنے منان کا واسے اس کے اور کوئی کام ہی نہ تھا کہ وہ
 میری خاموشی کرتی ہیں میں اس کی ناپائیدار عفت کے سس
 سیلاب سے خوب سا ہو جاتا ہوں۔ باورچی سے کہتیں "دیکھو سو میاں کے
 لئے ملاؤ پکا ہے یہی تو ایک جہ سے ہے۔ شوق سے کھانے میں ذرا محنت
 سے دیکھا آنا نہ گھر کے ملازم کاؤ کو رکھ دتیں۔" کچھ متوجہ نہ کر کے
 میں خانہ میں گھر بیانی کہہ آئے۔ "سادہ یہ چھپا نہیں"۔ اس وقت ہوائی میں
 کے لئے بان نہیں بناتے۔ تم دیکھتی نہیں کتنی دیر سے منہ خشک ہے۔
 ملازمہ کو دوڑاتیں "درا فو کے یہاں سے اندے تو لے آئے۔" جھٹلے میں
 یعنی آنا۔ شہو میاں کے لئے غوا ہے گا۔" شاکرہ کو بھاتی۔ وہ جو
 تنہا کے خلاف تم نے اپنے ابا میں کے لئے جلتے ہیں وہ اپنے وہاں میں
 کو دیدو۔ میں کپڑا سٹکا دوں گی ان کے لئے اور جاناو جانا "غریب کو نہ سرفا ہے
 لئے کہہ سارے گھر کے لئے مافی جان مجھے زبردستی مرکز تو نہ بنا دیں۔
 اور میں جانتا کہ وہ ایسا ہیوں کرتیں۔ ہندوستان کی

اپنے کمرہ کی طرف بھاگیں۔

دوسرے روز کوئی ٹوکے ہوں گے میں اور صفر باہر دھوپ میں بیٹھے
تاش کھیل رہے تھے کہ دفعتاً اندر مکان سے ایک دلدوزیخ کی آواز
سنائی دی۔ اور اس کے بعد ہی کسی کے گیسے دھماکا مبرا۔ آصفر بھاگا
اور اس کے پیچھے میں بھی ہو گیا۔ اندر پہنچ کر معلوم ہوا کہ بھی خال اپنے
کمرے میں کپڑے بدل رہی تھیں اور دفعتاً کپڑے بدلے ہی بدلے پیچ مار کر
نگر پڑی ہیں۔ بڑی شکل سے انکی طبیعت تو میں آتی۔ اور مانی جانے
بہت ڈانٹ کر پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ ان کے کمرہ کا پردہ ہوا سے
ہلا تو انھوں نے دیکھا کہ کوئی آدمی مرکز پر میں انکی کھڑکی کے پیچے
کھڑے اور ان کو اشارے کر رہا ہے۔ یہ سن کر شاکرہ اور عابدہ خوب
ہمیں اور مانی جان ان پر دانت پیستی ہی رہ گئیں۔

فقوڑی دیر بعد ہم لوگ پھر باہر آکر بیٹھ گئے۔ ریل سے کلو گزرا
میں نے اس سے کہا "دیکھو اندر برآمدے میں اپنی لینک بھول
آیا ہوا ہے آ۔" آصفر نے بتایا کہ "جی خال کی وجہ سے کلو کو بھی اندر
جانے کی ممانعت ہے۔ اس لڑکے کو شام سے سوجانے کی عادت ہے
بعد اوزانہ شام ہوتے ہی یہ ہمیں چھپ کر سوجاتا ہے تاکہ جگایا نہ جاسکے
ایک روز شامت کا مارا یہ بھی خال کے پٹنگ کے نیچے صس کر سور با صبح
کو اہیں معلوم ہوا تو ان کی دیکھنے والی کیفیت تھی۔ سارے گھر میں ثابت
برپا کر دی اور چلیج دیدیا کہ اگر کلو گھر میں آئے گا تو میں نہیں مہنگی
دفعتاً میری آنکھ اوپر کی طرف اٹھ گئی جی خال پردہ کی آڑ سے
جھانک رہی تھیں۔ میرے دیکھتے ہی انھوں نے بڑے زور سے
کھڑکی بند کر دی۔ واقعی جی خال معہ ہی تھیں۔

شام کو کوٹھی کا مالی گودین کئی روز کی غیر حاضری کے بعد اپنی دہن
کو رخصت کر کر واپس آیا تھا۔ چونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ اس کی دہن اس کے
ساتھ یہاں آئی تھی۔ لہذا وہ اس کو سلام کرانے مانی جان کے پاس
لے آیا۔ میں گھومکٹ کی آڑکی وجہ سے دہن کا پورا چہرہ تو دیکھ نہیں
پا پا۔ لیکن اس کی حجامت سے پتہ چل گیا کہ وہ پردہ پندہ سال کی
ایک بہن دہلی لڑی ہے۔ گودین نے ایک بہن بنا چڑا چکا تھا اور وہاں
تھا۔ میں نے رات کو صفر سے کہا "یہ تم نے گودین کی بے جا بیوی بھی

لے پھر سلسلہ کا مہ اپنے ہی ہاتھوں میں رکھ۔ اس کی سیم نہ اب
لے کہا کہ اس کمرہ ہی مضامین۔ تو۔ ان میں نہیں بہت زیادہ نمبر ملیں گے
اسی طرح کئی مرتبہ میں نے سارہ سے ملا واسطہ کھٹا کرنا چاہی۔ لیکن
مانی جان نے شاید ان خیال سے کہ وہ ان سے بہتر رہا نہیں سکتی
اس کو بولنے ہی نہیں دیا۔ عابدہ اور سارہ اور ہم میں شاکرہ ہی کی
چھوٹی بہن تھی لیکن وہ چھوٹے زیادہ بے تکلف تھی اور خوب باتیں
کرتی تھی۔

شام کو ہم سب برآمدے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔
مانی جان کسی کو اپنے اندر بلی گئی تھیں میں شاکرہ سے باتیں کرنے
لگا وہ میری باتوں کا بہت خوش ہو گیا۔ جتنی باتیں۔ اتنے میں بھی نہ لہ
دو پٹے سے سوائے آنکھوں اور ناک کے سارا چہرہ جھپٹتا تھا۔ گئیں
اور شاکرہ کے پاس ایک کنارے پر بیٹھ گئیں۔ میں نے سلام بیا۔ انھوں
نے دوپٹہ کے اندر سے مٹ ہلائے۔ لیکن میں کچھ سن نہ سکا میں نے
شاکرہ سے پوچھا "جی ایسے عمدہ کڑے ہونے تیکہ کے خلاف تو میں نے
آج تک۔ دیکھے ہی نہیں۔ بناؤ اب میں تمہیں ان کا انجام کیا دوں؟"
عابدہ بچ بر ہوا اٹھی "وہ سرخ بیل والا میرا بنایا ہوا ہے اور وہ
آسانی بھول میں تو میں ہی نے کہا ہے میں؟" شاکرہ تیز ہو کر کچھ بولنے
ہی والی تھی کہ جی خال نے اسے کہنی ماری اور وہ چپ رہی۔ جی خال
نے لکھنویوں سے مجھے کچھ ایسے دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں "ایک بھولی
لڑکی کو بہکا نا چاہتے ہو؟ خبردار!"

اتنے میں زائدہ میری سب سے چھوٹی سات برس کی ماموں نے۔
میں آگئی اور صفر سے کہنے لگی "بھائی جان میری جی نے بکے دیئے ہیں
لیکن سب کا لے ہی کا لے ہیں۔"

"لیکن شہبازی ملی تو سفید ہے نا؟" آصفر نے کہا
"کلو کہنا ہے کہ یہ پڑوس کے کالے لے کے بچے ہیں،"
زائدہ نے ٹھٹک کر کہا "بھائی جان بتائیے بچے میری سفید
کے ہیں یا پڑوس کے کالے بچے؟"
"دلوں کے" عابدہ بولی۔

ایک جھناکے کے ساتھ جی خال کے ہاتھ سے چائے کی پانی
چھہ پڑی اور مع پرچ کے چلنا چور ہو گئی۔ جی خال بے تحاشہ

معلوم ہونا ہے اپنی لڑکی کو بیاہ لایا ہے۔

اصغر دلا۔ اس قسم کی بیچن کی شادیاں بھی عصمت مابھی
کے تحت کر دی جاتی ہیں۔

میں رات کو بہت دیر سے سونے کا مادی ہوں۔ اصغر سو گیا
لیکن مجھ کو نیند نہیں آتی۔ کچھ گرمی معلوم ہونے لگی تو میں نے اپنی مہری
کے پاس دانی کھڑی کھول دی۔ کوئی کا چین چاندنی میں بنایا ہوا بڑا دلنیز
معلوم ہوتا۔ نضا خاموش تھی جید خاموش۔ اور انتہائی وہ مان انگیسہ
ہوا خوشبودوں سے لوصیل تھی۔ سبزہ کے وسط میں کھجور کا ذخیرہ
ایسا معلوم ہوتا جیسے کوئی دفاصہ ناپنے نہتے محفل کے درمیان جھک
کر کھڑی ہو گئی ہو۔ میں اٹھ کھڑا ہوا اور دوازہ کھول کر چین میں بکلی گیا
آسمان چاند اور تاروں کی تمام سحر یا ستیاں لئے دندہ سنا کی طرح
جھکا پڑتا۔ باغیچے کے کونے پر کھجور کے دو اونچے درخت اس کو چھوٹے
کی کوشش کر رہے تھے رات پر کیف اور سنان تھی ان چین کا پتہ یہ
اس سے سمجھو دم بخود تھا۔

”یہ بھی کوئی سونے کا وقت ہے“ میں نے سوچا۔ اچانک
میں نے تھوڑے فاصلہ پر ایک سیاہی کا ٹکڑا دیکھا۔ کوئی چھوٹا درخت
ہو گا! لیکن وہ چل رہا تھا اور سامنے سے دائیں طرف مڑ گیا تھا
۔۔۔ وہ اب بھی چل رہا تھا لیکن آہستہ آہستہ۔ میں انتہائی خاموشی
سے اس کے پیچھے ہولیا۔ وہ سایہ گردیں کے چھو پڑے سے لگ کر کھڑا
ہو گیا۔۔۔ اور میں دھڑکتے ہوئے دل لیا تھا اسے صرف دس گز کے فاصلہ
پر پہونچ گیا۔ اب میں اس کو صاف دیکھ سکتا تھا لیکن اس کا منہ دوسری
طرف تھا اور وہ چھو پڑے کے اندر جھانک رہا تھا۔ میں اور آگے بڑھ
گیا۔۔۔ اب میں اس کو باہر بڑھا کر چھو سکتا تھا۔

”کون؟“ میں نے کہا

سایہ ہم کو پلٹ پڑا۔ چھی خال اپنے سفید کپڑوں پر سیاہ چادر
اور دسے کھڑی تھی۔ ایک لمحہ کے لئے انھوں نے مجھ سے آنکھیں ملائیں
اور اس کے بعد وہ ماتھ پھیلا کر میرے آغوش میں گر گئیں۔ اس وقت
وہ بالکل بیہوش نہیں ہوئی تھیں۔

۔۔۔ قریب ہی کوئی بڑا سا پرند اپنے پر پھیر پھرتا۔ قیں قیں چیخا اور گیا
مجھ کو ایسا معلوم ہوا جیسے مجھ خال کی بدھنیانی اپنے بال کھینچ کر میں کہی ہو +

پتھر یاں

(۱)

اختر ہوشیار پوری
دف ۱۰۷۔ ریل ویل دہلی

از سر نو یہ چراغ افق ہوا ہے لیکن کیا خبر پھر کوئی طوفان چلا آتا ہو
یہ بہاریں گل و سبزہ کا شاہد ہجوم باد صحرے کوئی ڈھکے کچالے اسکو

(۲)

گل و غنچے کے حسین سپید بوند نکالے تھیں دراق پار گھناؤن کا وہ آوارہ خرم
دل میں شتر سے چھوٹے ہوئے فکا رشتا ملے ناوار غلاموں کے الہی آیام

(۳)

مسکرانے کے شام غم لے دل عشق پر ورنہ حرف آئے گا
بہی لمحہ ہے آبرورکھ لوں کون پھر صبح گنگنائے سما

(۴)

تجھ کو یہ غم کہ اٹھالے تو بڑا ہستی مجھ کو یہ فکر کہ سینہ میں جی اغان کی لوں
اک ذرا صبر کہ آتا ہو ابھی آتا ہو اپنے خود ساختہ تار و تودا بن لیں

(۵)

مجھ کو تار و نیکی گزر گا گاہ کھانیو ہے دل کے ہر ذراع میں ہلکے درویش تار ہو
یہ کو بیچہ لوں کے نغمے پچیس ہرگز اور ہر خاں میں جس جنون تار ہو

(۶)

پھر مے دل پر ایک حوت کی بجولے نیناں یاد آنے لگے
ہو گئے تازہ سب پھٹنے نہ تم اور مے ہونٹ تھر تھرنے لگے

عزیزاشری

اسکی اپنی

عظمہ پر ڈر گئی۔ عظمہ کی اسکی وجود بیوی سے قدرے مشابہ صورت آئیگی
دل میں اگر کچھ بھی ہو سکیں، اس نے اس خواہ مخواہ کے خیال کو دل سے نکال کر
باہر پھینک دینا چاہا۔ کب تک یہ اسکی مرحومہ محبوبہ کی محبت سے غلامی
تھی۔۔۔ کچھ روز تک وہ یونہی اسی طرح غمگین اور اس پر ادا اور
ایک لک انچائیک نظم سے اسکی ملاقات ہو گئی۔ وہ اسکی کوٹھی کے قریب بیوی
رہتی تھی۔ اور دوسری ملاقات وہ اجنبیاب جاتا رہا مرحومہ بیوی سے
غلامی کا احساس ساتھ چھوڑنے کا آخر زندہ رہنے کو کوئی سبوتا
تو ہونا ہی چاہیے۔ تیسری ملاقات کے بعد اسکی بوجھل و ہلکا اور اسی
دور ہوتی تھی اور عظمہ بہا رہن کر کے دل و دماغ پر چھا گئی۔
اس نے بل کر رکھ رکھتے ہوئے سگریٹ کے کٹرے میں سے
آخری کس بن کر اسے پھینک دیا۔ اور پھر ہلاک پر نظر ڈالی۔ تک تک لنگ بھڑ
مٹھ رہا۔ یہی تو بیس منٹ گزرے تھے۔ سو منٹ باقی تھے۔ سو منٹ
سوسال ایک صدی کب گزرے گا یہ وقت؟ یہ جان لیوا اضطراب
سے ہر پور وقت اس نے ہلاک سے نظریں ہٹا کر نیچے موٹے کے
پرے جلتے ہوئے سگریٹ کے کٹرے پر پکاڑ دیں۔ یہ چھوٹا سا کڑا اور موٹا
فنٹن میں چھوڑ کر خود رکھ ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہ سگریٹ بھی
عیب ہے۔ سارے کا سارا اہل کر خاک ہو جاتا ہے لیکن مجھتا نہیں ایک
عاشق کی بی بی بیچاں ہے وہ ہر لمحہ غم اور حیرت میں تو کم از کم انتظار
کی آگ میں جلتا رہتا ہے۔ لیکن آف تک نہیں کرتا اور اسی وقت ایک ٹشٹی
آؤٹ کے سینے سے ابھری اور ہونٹوں سے اچھل کر دھوئیں کی طرح فضا
میں بکھر گئی۔ وہ سوچا۔ کیا تھا کہ قدیم زمانے کے شاعر بھی تو اسی طرح
آہیں بھرتے بھرتے اور شعر کہتے کہتے ختم ہو جاتے تھے۔۔۔ اور تین
سال تک وہ خود بھی تو آہیں بھرتا اور جتا رہا۔

گھڑا۔ گھڑا۔ ہلاک۔ ہلاک۔ میں نے بچی اور فضا میں تحلیل ہو گئی
میرے دل میں ابدی ظلم تک تک۔ ایک اسکی نکلیں ہلاک پر چمکیں مابھی وہ بچے
تھے اور اسکے آنے میں دو گھنٹے باقی تھے۔ دو گھنٹے اور انتظار اور ہلاک آہستہ
آہستہ آہستہ سیدھلے ہوئے طوطے کی طرح متواتر نے جارہا تھا۔ ایک
بکس بکس۔ نہر۔ نہر۔ نہر۔ چار بجے وہ آگئی اور ابھی دو بجے تھے۔ دو گھنٹے۔
ساتھ جمع ساتھ ایک سو بیس منٹ باقی تھے اور وہ انتظار کے جان لیوا اضطراب
سے جاگا کر اسے جبین تصور سے پٹ گیا۔

کب قدر حسین ہے وہ حسین عورت دنیا میں بہترین نعمت ہے
اور دہشت میں بھی۔۔۔۔۔ عورت شغریہ موسیقی شرب سب نعمتوں کا
جیل ترین نازک تر ہے۔ اور عظمہ میں یہ۔۔۔ کچھ موجود ہے۔ اس کی
جوانی کی معصوم اداؤں میں شریعت ہے اسکی آواز میں شریعی اور عیسائی نفلی
اور اس کے پتے کلابی سے ہونٹوں سے شراب چھلکتی ہے۔ اس کی دلاویز
صورت سیاہ لمبی زلفیں جنہیں وہ چھو سکتا ہے۔ گھٹکھٹکھٹاؤں کی طرح
آوارہ کر سکتا ہے۔ چوم سکتا ہے۔ ویٹو ویٹو او۔۔۔ خوشی کے جذبے سے
مسکور ہو کر صوفے پر سے اٹھ کھڑا ہوا اور ایک سگریٹ جلا کر کچھ دیر پلٹنے کے
بعد پھر وہیں اگر نیم دماڑ ہو گیا۔ اور سگریٹ کے دھوئیں کے ساتھ ساتھ
خود بھی خیال کی انخاؤں میں پرواز کرنے لگا۔

تین سال سے وہ اس کوٹھی میں نعر بند تھا یعنی اسکی
نظر دور پر قدرت نے بندش عائد کر دی تھی۔ کیونکہ وہ اکیلا تھا۔۔۔
اس کو کوئی اسے پیچھے دلا نہ تھا عرصہ ہوا اسکی بیوی مر چکی تھی اور
اور اسکی موت کے بعد اسکی زندگی اس محرومی کی طرح دیران خشک ہو گئی
مٹی جہاں ہڈیوں سے سبزے کا نشان تک دکھائی نہ دے۔ وہ غمناک
تنبہائی کی اجڑی ہوئی زندگی بسر کر رہا تھا کہ اتفاقاً ایک دن اس کی بھانجی

تلخیاں

غلام ربانی تاباں بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی

اب بھی غم خانوں میں جلتے ہیں وفاؤں کو کنول
فطرت حسن جفا پیشہ و سفاکت سہی
زندگی لالہ و گل ہی تو نہیں خار بھی ہے
لب خنداں نہ سہی دیدہ نمناک سہی

بزم میں حیا مئے ناب نہ آیا مجھ تک
تشنہ بڑھتی گئی بڑھتی گئی بڑھتی گئی
میں نے کی ساحل عشرت کی تمنا جتنی
اور بھی غم کی ندی چڑھتی گئی چڑھتی گئی

میں نے جو گیت بھی چھیڑا وہ فغاں بن کر رہا
پردہ ساز سے فولاد کی جھنکار اٹھی
اور جو پھول جناح دار بد اماں نکلا
ہر طرف باغ میں میرے لئے تلوار اٹھی

میں نے جو راہ نکالی وہی مسدود ہوئی
کارواں بڑھتے رہے منزلیں طے ہوتی رہیں
میں تو الجھتا ہاں زنجیروں میں سنگینوں میں
رقص کرتی رہی بے پایاں حسیلاؤں میں زین

یہ عفونت زدہ تاریکیاں — عفریت کا گھر
زیر افلاک کوئی اختر لرزاں بھی نہیں
جانے یہ کونسا عالم ہے کہ دل میں تباہاں
زلیمت تو زلیست ہے اب موت کا ارمان نہیں

پریم ناتھ پردیسی

سنخی

ضرورت ہے۔

میں بوڑھے ماہی گیر کو دیکھنے لگا جس کے بدن پر پوند لگی ہوئی سنوار تھی۔ اور وہ بھی دھوپ کی طرح نشیف اور سیسے بید کے ایک ٹوکھے کندے سے پیٹھ دکائے وہ نہایت اطمینان سے حق تعالیٰ رہا تھا۔ اور کبھی کبھی تھوکتا بھی جاتا تھا۔ اُسکی جوان بہو — جس نے اس وقت تک دنیا کو چار بچے دئے تھے — اُس سے ذرا پرے صاف آسمان کے نیچے چوٹھا جلانے کی ناکام سی کوشش کرتی تھی شاید لڑکیاں گیلی تھیں، جسے اُس کی آنکھیں کیونکہ مادار کو، وردھواں نکل نکل کر مرنے لگی تھیں۔ وہ بار بار اُنھیں اپنے پیر ہن سے پوچھتی۔ اُس کے تین بچے چار باتوں کے احاطے میں ایک بھی منائی کے نیچے سو رہے تھے۔ جو کہیں کہیں مہل کی طرح باریک تھی۔ اور کہیں اس قدر موٹی جیسے اُس کے اندر نیم دائرے بنا کر کتے سو رہے ہوں۔ جو تھابچہ جو مشکل سے ایک برس کا تھا، شبنم سے گیلی مٹی اپنی انگلیوں سے کڑی کر کے چاٹ رہا تھا۔ اُس کے دونوں ہونٹوں کے گرد کچھڑ کے درغ لگ گئے تھے۔ اور حقہ پیتے ہوئے دادا کو اس پر کوئی اعتراض نہ تھا۔

بہت غریب لوگ نظر آتے ہیں۔ میں نے بانجی سے پوچھا اُس نے ہکا ساقیہ رکھا یا اور کہا۔ ”غریب تو ہوتے ہیں مگر بد معاش ہی ہوتے ہیں۔“

میں بھونچکا سا رہ گیا۔ ”بد معاش؟“

”ہاں صاحب چوریاں کرتے ہیں۔ لاشوں کے بغیر مچھلیاں بکرتے ہیں۔ کس کے ساتھ عداوت ہو جائے تو اُس کا گھر جلا دیتے ہیں۔ خدا عارت کرے اس ذات کو۔“

ایک بوڑھا، ایک جوان، ایک عورت اور چار بچے — یہ تھا خانہ بدوش لمبی گیر کا کنبہ جو چار سیدھے ڈیرے بانسوں کے اوپر پھیلائی ہوئی گھاس چوس کے نیچے رہتا تھا۔ کبھی بانسوں پر لٹکے جانے دھوپ میں پھیلائے جاتے تھے اور کبھی بے حد میلے کپڑے، جنھوں نے شاید غریب صابون کی شکل ایک نہ دیکھی تھی۔

پہلے دن جب میری کشتی اس جگہ لنگر انداز ہوئی یہیں نے نالے کی دوسری طرف دیکھنا ضروری نہیں سمجھا۔ کیونکہ چناروں کے نیچے میرے ٹھہرنے کی جگہ بے حد حسین تھی۔ لیکن دوسرے دن جب میں نے اپنے ارد گرد کے ماحول پر نظر ڈالی۔ تو میں اُنھیں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ یہ کون لوگ ہیں؟ کب آئے ہیں؟ کیوں آئے ہیں؟ میرے بانجی نے کہا۔ ”یہ ماہی گیر ہیں صاحب۔“ نالے میں مچھلیاں پکڑتے ہیں۔“

ماہی گیر —؟ مگر یہ آئے کب؟ کل شام کو تو نہیں آئے۔“

بانجی نے مسکرا کر کہا۔ ”کل شام کو بھی یہ لوگ یہیں آتے۔ یہ خانہ بدوش ہوتے ہیں حضور، جن کا کہیں ٹھکانا نہیں ہوتا۔“

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے پھر پوچھا۔ ”اب یہیں رہینگے کیا؟“

بانجی نے کہا۔ ”شاید اس سینر کو یہیں رہینگے۔“

بانجی کا یہ جواب میرے لئے کچھ حوصلہ افزا نہ تھا اگر یہ لوگ یہیں رہینگے۔ تو میں کیسے رہ سکوں گا۔ میں جس کے پیچھے چلوں میں ذمہ ہیں۔ جسے خاموشی کی ضرورت ہے۔ تنہائی اور مکمل آرام کی

آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔

بڑے ماہی گیر نے دھوپ سے بچنے کے لئے اپنے پیچھے کپڑا بانس پر لٹا دیا تھا جس پر تین بچے رات کو سوتے تھے، اور اب وہ آسان کی طرف منٹھ کئے لبا لبا لیٹا تھا، اس کے تانبے جیسے سیاہی مائل مٹرن بیٹ پر بڑے بڑے لال دارغ تھے جن میں سے اکثر بچے ہونے آلو تیار کی طرح سیاہ ہو چکے تھے اُس کا جوان میٹھا ایک چوٹی سی کشتی میں نہ جانے کہاں سے آگیا تھا اور مٹی کے برتن میں باسی بھات کھا رہا تھا۔ چاروں بچے اُس کے ارد گرد لپٹی ہوئی نظروں سے اُسے دیکھ رہے تھے اور اُن کی ماں یا سوں پر گہلا حال پھیلا رہی تھی جال آج بھی خالی آگیا تھا۔ اور بڑے کو اس کا سخت انوس تھا۔ وہ کروٹ پر کروٹ بدلنے لگا۔ جیسے اُس کی پیلوں کے نیچے انگارے رکھے ہیں۔

انھیں یہاں سے ہٹا دو۔ یہ ایک مقدمہ ہی نہ کھلنے دینگے۔ غور کرنے۔ بچوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی بیوی سے کہا۔ دو بچے یہ احتیاج کتنے ہی بھانگ گئے۔ البتہ دو وہیں رہے۔ اُسکی بیوی نے جال کو اپنے حال پر چھوڑا۔ اور شوہر کے نزدیک آکر بچوں کو گھسیٹنے لگی۔ ”خدا کی قسم! ابھی چائے اور ٹوکا آنا کھا چکے ہیں؟“ اُس نے شوہر سے کہا۔

انھیں تم ہی نے تباہ کر ڈالا۔ کوئی تیز نہیں سکھائی۔“

بڑھا ماہی گیر تڑپ کر اٹھا۔ سچ ہے۔ یہی نے انھیں تباہ کر ڈالا۔ میں کہتا ہوں۔ یہ بچے ہیں یا کسی کتیا کے بچے۔“

اُس کا بیٹا اپنی بیوی کی طرف نفرت آمیز آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ لیکن عورت کے چہرے پر شرمخی سی دوڑ گئی۔ ”کچھ شرم کیا کرو۔ آخر مرنا ہے تمہیں۔“ اُس نے بڑے سے کہا۔

بوڑھا جیسے بھرا بیٹھا تھا۔ ہاتھ اٹھا کر کہنے لگا۔ میں نے کیا بے شرمی کی؟ میں جانتا ہوں۔ میں جانتا ہوں جال خالی آگیا ہے تم ضرور۔۔۔۔۔ عورت نے پوری شدت کے ساتھ کہا۔ ”کیا جلتے ہو دیہی نہ کر بچے بھوکے ہیں۔ اور تم لاٹ صاحب کی طرح کلیہ لٹکائے بیٹھے ہو۔ جیسے گھریں سارا سامان موجود ہے۔ تھوڑے سے ستوتے وہ بھی آج ختم ہو گئے ہیں۔ اب اللہ اللہ کرو۔“

بڑے نے کہا۔ ”ختم ہو گئے۔ تو مجھے کیا؟ پانی پیر کر دو ہوں گا۔ جسے چاہیں۔“ اُسے روزی بھی کمائی چاہئے۔“

اُس کے بیٹے نے مدافعت کرتے ہوئے کہا۔ خدا کے لئے لاہ۔ اب چپ، یہی ہو جاؤ۔ پادپرائے لوگ ہیں۔ یہ بیٹے تو کیا کہیں گے۔“

میری پریشانی اور بڑھ گئی۔ شادی پور میں رہنے کا مشورہ اگرچہ میرے ایک کٹیری، دوست نے مجھے بلا لیا۔ لیکن یہ وہ ابن بدعا فحش سے واقف نہ تھا۔ میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا۔ جیسے لوگوں کی، لکھوں میں نہیں ایک بھرا نہ چمک ہوتی ہے جو چھپاٹے نہیں چھپتی۔ لیکن بڑے یا اس کی بھوک کی آنکھوں میں مجھے یہ چمک کہیں نظر نہ آئی۔ البتہ اُن کی میل میلی سی زندگی میں مجھے ایک خاص قسم کا برہنہ، مضبوط دکھائی دیا۔ جسے وہ نہ چھپانے کی کوشش کرتے تھے نہ دکھانے کی۔ البتہ جو خود بخود کہہ رہا تھا۔ مجھے نہ چھپاؤ۔ میں بارود کی طرح بھڑک اٹھوں گا۔“

باقی کچھ بڑے میں چلا گیا۔ میرے نے میز پر سے چائے کا سامان سمیٹ لیا۔ اور میں آرام کرسی پر نیم دلاز ہو کر انھیں کو دیکھتا رہا۔ باقی کی باتیں میرے دماغ کے باریک سے باریک پردوں سے ٹکرا کر گونج رہی تھیں غریب تو ہوتے ہیں مگر بدعاش بھی ہوتے ہیں۔ چوریاں کرتے ہیں۔ لالٹنس کے بغیر محفلیاں پکڑتے ہیں۔ گھر حلال دیتے ہیں۔“

چلم میں آگ بجھ چکی تھی۔ لیکن بوڑھا ماہی گیر بھی بے مطلب سے کش کش رہا تھا۔ اس کی پیٹ پر سوکھی لکڑی کے نشان لگ چکے تھے لیکن وہ ان سے بھی بے نیاز تھا۔ وقتاً فوقتاً وہ لپک کر اٹھا۔ اور بچوں کے اوپر پڑی ہوئی رصنائی کو اپنی پوری قوت سے کھینچ کر انھیں کالیاں دینے لگا۔ ”سورج سر ہوا گیا اور نواب زادے ابھی اُٹھتے نہیں۔ اٹنی بھی کیا تھی؟“ بچے ننگے ہو گئے۔ وہ ریت پر پھینکی ہوئی زندہ مچھلیوں کی طرح تڑپنے لگے۔ اُن کے نیچے صرف ایک کپڑا تھا۔ جوشنم سے بھیک کر زمین کے ساتھ چٹن تھا۔ سادہ ہم کر نکھیں ملتے ہوئے اُٹھے۔ اور داد کی طرف ایسی نکھیں سے دیکھنے لگے جیسے کہہ رہے ہوں۔ یہ تم نے کیا کیا۔ تھوڑی دیر نہیں، اور سونے دیتے۔“ اُن کی ماں نے اپنی آنکھیں پونچھ کر اُن کی طرف دیکھا۔ اور چپ ہو گئی کیا بوڑھا اُن کے اوپر سے رضائی کھینچنے میں حق بجانب تھا؟ یا یہ خاموش نظرس بھی جبری کی ایک تصویر جس پر شکوہ اور ہمتا فیر کیا بوڑھے ماہی گیر نے اُس کی ماتا کو بھی رو نہ ڈالا تھا؟ ایک ماں کی ماتا کو جو سمندر کے طوفان کی طرح ہر چیز کو بے جا جاتی ہے۔

میں سوچتے سوچتے ہنک گیا۔ اور مجھے یاد آگیا۔ کتپ دق کے مریض کو زیادہ سوچنا نہیں چاہیے کیونکہ زخموں سے خون رسنے لگتا ہے میں کوچ پر لیٹ گیا۔ لیکن انتہائی کوشش کے باوجود بھی نیند کو نہ چھانسن سکا۔ وہ پر کا کھانا کھا کر بھی ہیں اپنی کوششوں میں ماحولنا۔ چنانچہ دوبارہ کھڑکی کے ساتھ لگی ہوئی

تینوں مجھے گھور گھور دیکھنے لگے۔ جیسے پوچھ رہے ہوں۔ ایسا کیوں خود؟
ناجی اپنی جرائیوں پر زیادہ دیر تک قابو نہ پاسکا۔ بولا۔ کیا کرینگے

صاحب؟

”اُنھیں دے دو۔ جو پار چار بانٹوں کے نیچے ہیں۔ جاؤ جلدی کرو۔“
ناجی نے ہنس کر کہا۔ ”یہ بہروپے ہیں صاحب۔ یہ کبھی بھوکے نہیں ہوتے
! عین سیاحوں کو ٹوٹنے کے خاصے ڈھنگ اُنکے ہیں۔ آپ بیٹھے ہیں ان
سے بٹ ٹوٹا۔“

میں اُس کی باتوں پر حیران رہ گیا۔ کیا یہ ٹوٹنے کے ڈھنگ میں نہیں
ہیں۔ انسان کبھی اپنی چھائی کا گوشت پیش نہیں کرتا۔ یہ جبر و سرور کی آخری
نمونہ ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد طوفان — جنگ — اور
چھاتیوں کا گوشت نہ کوئی کھا سکتا ہے۔ نہ دے سکتا ہے۔

ناجی سچ اُن کی طرف ایسی نظروں سے دیکھنے لگا۔ جیسے وہ اُنھیں
کھا جانا چاہتا ہو۔ میں نے اُسے ٹوڑا دکھا۔ اور کہا۔ لوٹ میں جتنے چاہوں ہیں
سب لے آؤ۔“

وہ میرا مطلب نہ اُگیا اور ملد ہی اپنی جادو میں چاول باندھ کر لے آیا۔
میں نے کہا۔ جاؤ اُنھیں دے دو۔

وہ شکار سے میں بیٹھنے والے کے پار چلا گیا۔ اور جب واپس آیا تو مجھے
محسوس ہوا۔ جیسے مجھے نہ تو اطمینان حاصل ہو رہا ہے۔

کچن بوٹ میں پہنچ کر وہ ماہی گروں کو اپنی زبان میں شاید گالیاں دینے
لگا۔ بے رحم کہیں کے۔ سیاحوں کو لٹے ہیں۔ بد معاش کہیں کے۔“

میں خواب گاہ میں قیلولہ کرنے کے لئے اٹھا۔ لیکن نیند نہ آئی کروٹ
پر کوٹ بدلتا رہا۔ جیسے میرے نیچے کوئی آگ جل رہی ہو۔ آسمان پر بار بار ابل
جھاگٹے تھے۔ خواب گاہ کی جالی دار کھڑکی سے گدی سی دھوپ اند آگئی تھی
جس میں نہ چمک تھی نہ گرمی۔ مجھے افسوس تھا۔ کہ میں شادی پورا کر آیا ہوں
جہاں مجھے جیسے جذبات پرست آدمی کو کوئی ہنسنا لگے۔ ہر تقدیر صاف
موجود تھی۔

میں تازہ اخبار پڑھنے لگا۔ شیر کشمیر کا تازہ بیان جو اُس نے بغاوت
کے مقدم میں دیا تھا۔

”نبی نوع انسان کا سراج ناقابلِ تقیم ہے یہ حقوقِ سرِ وقت اور
ہر جگہ برقرار رہنے چاہئیں۔۔۔۔۔۔ اگر یہ سر زمین مختلف قوموں اور ملکوں
کے لئے باعثِ رکشہ ہے۔ تو اُن کو کھلیا حال ہوگا۔ جن کی یہ مادرِ وطن ہے

کیا کہینگے۔؟ بوڑھے نے گرج کر پوچھا۔ میں کسی سے ڈرتا
ہوں۔ مگر ”بعد خدا“ ہے میرا جس سے مجھے ڈرنا چاہیے۔ ایڈ۔
وگ سینگل۔“

بیٹھے کہا تم نہیں۔ مگر میں تو ڈرتا ہوں۔ میرے نیچے ہیں۔ دنیا
دار یاں ہیں۔“

بوڑھے ماہی گیر نے زہر خندہ کر کے کہا۔ ”ہوں۔ دنیا دار یاں۔“
پیٹ کے لئے نغمہ نہیں اور مر رہے دنیا دار یوں پر۔ کسی دنیا دار یاں کے کس
کی دنیا دار یاں؟ کون۔ پس جب ہمارے مرنے کا غم ہے۔ ہمارے پیٹ کا غم ہے
ہمارے بچوں کا غم ہے۔“

”تو کیا ہمیں کچھ بھی ذکرنا چاہیے؟ کیا تو کھتا ہے کہ اب جال بھی
۔ چٹکیوں؟“ ”ہیہ۔“ نے پوچھا۔

بوڑھے نے کہا۔ ”کیوں نہیں کیوں نہیں۔ مگر پینک کر پکڑاؤ گے
کی؟ پانی کہاں ہے؟“

”تو پھر کیا کیجیے؟“ ”بیٹے نے جرائی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا
بوڑھے۔ ”ماہی گیر کے چہرے پر خود اعتمادی کے جذبات ابھڑائے
اُس نے نہایت خبیثگی سے اپنی تنگی چھائی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”یہ۔
بڑا میٹھا گوشت۔“ ”تو اسے چھاتی ہے۔“

بیلانگہ کھلا کر ہنسنے لگا۔ ”اُسکی بیوی بھی ہنسنے لگی۔ تم بڑے مسخرے
ہو لالہ۔“ اُس نے بوڑھے سے کہا۔

میں اُنھیں دیکھتا رہا۔ بوڑھے کے چہرے پر کسی قسم کا تغیر نہیں آیا
خود اعتمادی کے جذبات جھیل کے پانی کی طرح ساکت و بے حرکت تھے شاید
بوڑھے کے دل میں نیا طوفان آنے والا تھا۔ اور یہ جو وہ یہ خط یہ خاموشی
اُس کا پیش خیر تھی۔ وہ اب آسمان کی نیلا مٹ کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کی
”کھا“ میں دھوپ کے سفید جال کو چیر کر دستوں کو کھینچ رہی تھیں۔ مجھے محسوس ہوا
جیسے آسمان ابھی پھٹ جائیگا۔ انسان کا گوشت میٹھا بھی، مگر اس کی قیمت
۔؟ کون ادا کرے گا۔ کون ادا کر سکتا ہے؟ کہیں نے ادا کی ہے۔

میں کانپنے لگا۔ میں اپنے اچھو ذلیل نظر کرنے لگا۔ انا مذلیل
(ANNANDAL) جیسا شاد مار ہوس اب مجھے اپنے بالمقابل چار

بانٹوں سے بٹے ہوئے گھر کے سلبے حقیر نظر آ رہے ہیں۔ اُنھوں نے اپنی کو آواز
دی۔ اپنے پیسے اور خان مان کو بلایا جتنے چاہوں موجود ہیں لے آؤ۔“
میں نے اُن سے کہا۔

مجھے معلوم نہیں کہ میری آنکھ کس وقت لگی سیج ابھی میں اٹھا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں باہر نکلا۔ بوڑھے ماہی گیر کا بیٹا گھاس کی رسی میں چند مچھلیاں پرو کر میرے سامنے کھڑا مسکراتا تھا۔

”یہ کیا؟“ میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

رسی کو ادھر اٹھا کر اُس نے اُسی طرح مسکرا کر کہا: ”چند مچھلیاں ہیں حضور، بڑی مشکل سے آج رات پکڑی گئی ہیں۔“

”کس نے پکڑیں؟“ میں نے پوچھا۔

”میری گھر والی نے۔“ اُس نے اُسی انداز میں کہا۔

”ہماری گھر والی نے؟“

”ہاں حضور۔ وہ ساری رات یہی نلے کو چھانتی رہی۔“

”مگر تم کیا کر گئے؟“

”ہم —؟“ اُس نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا ”خدا سب کا

ہے حضور۔ صرف اس وجہ سے نہیں مارے گا۔“

مجھے محسوس ہوا۔ جیسے دنیا کا عظیم ترین سنی میرے سامنے کھڑا

ہے اور تمام دنیا کی جاہ طلب سخاوت اپنی سخاوت سے پاتال تک گھاڑ

رہا ہے۔ وہ سنی، جس کے متعلق میرا بچہ کہتا ہے۔ بدعاش ہے

لیڑا ہے۔ اوروں کے گھر جلا دیتا ہے۔

لاہور میں ”قوم“
ہیپی بک اسٹال سے
۶ میں خریدتے

حکومت میں ”قوم“
روزانہ ہند ۷ ساگر دت لین
نور محمد نیوز ایجنٹ ۱۱۹
نور حیات پور روڈ اور
حکومت نیوز ایجنٹ ۳۴ پی ٹی سٹریٹ
۷ میں خرید فرمائیے

جو اس کی گود میں پلے ہیں اُن کے لئے یہ وادی مصیبت اور غربت میں مبتلا ہے۔ یہاں کے لوگوں کی روشنی آنکھوں میں چمک چمک ہے۔ اور دُش پر مردہ“ میں سوچنے لگا۔ اگر سراج ناقابل تقسیم ہے تو اس کے جتنے بڑے کون کرتا ہے؟ وہ جو زیادہ شور مچاتے ہیں اور سب کچھ بڑبڑ کر جلاتے ہیں یا وہ جو خاموش ہیں اور وسعتوں کو اس سے گریختے رہتے ہیں کہ کہیں سے خدا نظر آئے یا وہ خلائی جو اس تقسیم کو دیکھ کر بھی حرکت میں نہیں آتی۔ مگر اسے لکڑے نہیں ہوتی۔ آگ کی طرح سب کو اپنی لپیٹ میں نہیں لیتی۔

میں اٹھ کر آہستہ سے جالی دار کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ چار بانوں سے لگی کٹی پڑمردہ چہرے کنڈن کی طرح دمک رہے تھے۔ چالاکیت سے بھانکے ہوئے دونچے واپس آگئے تھے۔ اور سارا کنبہ ایک ہی ناقابل تقسیم سراج بن چکا تھا جو لمبے پر ہانڈی چڑھی ہوئی تھی۔ بوڑھا ماہی گیر کیش پرکش نکلا رہا تھا۔ اور سب سے مچھلے پونے کے ساتھ کھینتا بھی جاتا تھا۔ زندگی نے عور کے گرد گھاٹا کر نوح رہی تھی۔

اُسی رات جب میں سو رہا تھا میرے بستر کے پاس والی کھڑکی کے ساتھ کوئی چیز آہستہ سے ٹکرائی۔ میں چونک کر اٹھ بیٹھا۔ نالے کے نیالی میں مجھے محسوس ہوا۔ جیسے کوئی غولے نکلا رہا ہے۔ میں تاب نہ لا سکا۔ نالیچ جلائی۔ اور کوئی کو دھکیل کر کھول دیا۔ — یہ کون؟ بوڑھے ماہی گیر کی جوان بہو؟ — مگر کیوں؟

میری طرف! حیران نظروں سے دیکھ کر وہ اپنی ٹوٹی بھٹی کشتی لے کر دوسری طرف چلی گئی۔ میں کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ چار بانوں سے مکمل خاموشی تھی۔ چاند کی کرنوں میں سیلی رضائی اور میلے کپڑے صاف نظر آ رہے تھے جن پر سارا کنبہ گٹھڑی بنا سو رہا تھا۔

لیکن یہ عورت اتنی رات گئے میری کھڑکی کے پاس اپنا بوٹ لیکر کیوں آئی تھی۔ کیا یہ اپنا جسم میرے حوالے کرنا چاہتی تھی۔؟ کیا یہ مجھے چادروں کا معاوضہ دینے آئی تھی؟

میں کھڑکی بند کر کے پھر لیٹ رہا۔ اور سوچتا رہا۔ جبر اور صبر کی انتہا تجارت پر ختم ہو جاتی ہے۔ یا طوفان پر؟ نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ کیشمیر کی ہر عورت ہامی ماں ہے۔ بہن ہے۔ بیٹی ہے۔ جن کی مادر وطن ہمارے ذمہ منڈل کرتی ہے۔ ہمارا غم بھلا دیتی ہے۔ ہمیں آڑھٹ بنا دیتی ہے۔ ہمارا ان کی عزت کر نیچے۔ اُنھیں دیوتاؤں کی طرح پرہیز کرتے۔

ڈاکٹر شہرت

ایم۔ بی۔ بی۔ ایس

معصوم ضدین

بھوک اور پیاس ہو تیرے لئے تاحدِ نظر
ضد نہ کراے مرے معصوم مرے لختِ جگر
تیری انگشت کے معصوم اشاروں کی قسم
تیرے رخسار کے معصوم ستاروں کی قسم
تیری امید کے معصوم نظاروں کی قسم
مجھ سے دیکھے نہیں جاتے یہ ترے دیدِ تر
ضد نہ کراے مرے معصوم مرے لختِ جگر
شہر میں رہے ترے گاؤں میں کچھ بھی تو نہیں
مظنی چھاؤں ہو اس چھاؤں میں کچھ بھی تو نہیں
برہنہ پا کے لئے پاؤں میں کچھ بھی تو نہیں
برہنہ پا ہی ابھی شہر کی سڑکوں سے گزیر
ضد نہ کراے مرے معصوم مرے لختِ جگر
تیرے مرحوم ارادوں کا جہاں ہے مدفن
تیرے کھیتوں کے لیٹروں کا جہاں ہو مسکن
تیغ اٹھانا تو جواں ہو گے وہیں جان و وطن
ابھی سینہ میں بھر کھتے دے بغاوت کے شر
ضد نہ کراے مرے معصوم مرے لختِ جگر

یہ دکانیں، یہ دکانوں پہ کھلونوں کی قطار
کہیں باجے، کہیں سیٹی، کہیں مٹی کے انار
کہیں بوئے ہیں ربڑ کے کہیں چینی کے سوار
ان میں سے کچھ بھی نہیں تیرے لئے تو نظر
ضد نہ کراے مرے معصوم مرے لختِ جگر
اتنا آزرودہ نہ ہو تین کے تاشوں کے لئے
دل گرفتہ نہ ہو تر لوڑ کی قاشوں کے لئے
صرف آنسو میں ترے کھیل تاشوں کے لئے
اے مرے تو تلے اب مجھ سے نہ کہہ بار و گھر
ضد نہ کراے مرے معصوم مرے لختِ جگر
ان کھلونوں کا خدا کے لئے بیمار نہ بن
جن کو میں نے نہ سکول ان کا خریدار نہ بن
اک تماشا ساسر کو چہ و بازار نہ بن
دیکھ کیا کہتی ہے تجھ سے مری شرمندہ نظر
ضد نہ کراے مرے معصوم مرے لختِ جگر
کہیں انگور کے خوشے کہیں شربت کو گلاس
منگراتے ہوئے فاقے کہیں نہتی ہوئی پیاس
دور رہا ہے تیری معصوم ضدوں پر احساس

تھیں۔ میں باجی کے یہاں جا رہا تھا۔ باجی کا گھر شہر سے ہی نہیں دور تھا۔ وہ
میں زندگی گزار رہا تھا۔ شاید اس سے زیادہ راستہ طے کر چکا تھا۔ کھیتوں
میں کام کر کے لوگ عربی کٹوں کے چہرہ پرانے فیر مٹوئی رونق تھی جیسے انہیں
یقین تھا کہ اس سال ان کی زمین سونا کھائے گی۔ سونا! بادل اسٹنڈ انڈا
تھے۔ پیڑی میاں می پگڈنڈیوں پر چلتی ہوئی گاؤں کی کنواریاں ہلنے لگے
بلدی تھیں ساتھ ساتھ وہ گاؤں بھی رہی تھیں۔ ان کے گلے پر، بڑا، اس تھا اور
جیسے۔ اسی فضا میں گھل رہی تھیں۔

پانی برسنا شروع ہوا۔ گناہم ہو گیا اور کنواریاں ان پگڈنڈیوں پر
ستہ ہوتے ہوئے تھیں غائب ہو گئیں اور وہ گاؤں کا کہیں تہہ نہ تھا۔ مگر تھی
اور میں تھا۔ ایش زندگیوں پر ہر ہی سچی سچے پلے میں تنک گیا تھا۔ کچھ دیر آرام لینے
کی خاطر میں ایک کچھنی کے گھر کے پاس کھڑا ہو گیا کہ اتنے میں آواز آئی۔

اومیاں جی! کیوں کھڑے بیٹھتے ہو۔ اندر جاؤ!
میں ہی سوچ رہا تھا کہ کس کی آواز ہے یہ کوئی ہے کہ اتنے میں پھر
آواز آئی۔

اومیاں جی! کیوں کھڑے بیٹھتے ہو۔ اندر جاؤ!
باہر کھڑا کیوں بیٹھ رہا ہوں۔ انہیں میرا بیگناہ پسند نہیں۔ انہی
موتا، اتنی دیکھ کون کہتا ہے کہ ان کی انسانیت تم پر بھی کون کہتا ہے انسان
مر گیا ہے!

میں اندر آ جاؤں۔ وہ میرے قدم رکھتے ہوئے میں نے کہا۔
الہ ہاں! آ جاؤ۔ وہی آواز تھی۔

میں نے دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت مسکراتے ہوئے میرا استقبال کر رہی ہے
کمرے کے کونے میں بائیں طرف چار پائی کچھ تھی اور اس سے ملکہ ایک
اسٹول۔ اور وسط میں ایک چھوٹی سی میز، تفصیلی طور پر اس کے کا جائزہ
لے رہا تھا کہ اتنے میں پھر آواز آئی۔

بیٹا جی! تمہارے کپڑے بہت بھیک گئے ہیں یہ لوہ لٹاؤ۔
بیٹا جی! بیٹا۔ ماں! میں سوچنے لگا۔
ہلتا ہوں ماں! میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

سکہ! ایک جیال پائے توئے! ذرا گرم گرم
یہ میری بھانجی ہے ایک مدت ہوئی کہ اس کے ماں باپ کا انتقال ہو چکا
تب ہی سے اسے ہمنا، اپنا دلیا ہے اس دنیا میں اگر کوئی ہے تو میں ہی
اور یہ چند کھیت جس کے پھل چلے۔

بڑی نے دو کھیتوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
بھا! میری کچھ بڑی جوار ہی تھی۔
اتنے میں پاس داسے کے سے ایک رنگی دھاتی ہرنی گھل۔
وہی کالی سی آنکھوں والی۔ بسکہ۔ بسکہ!

اس کی نگاہیں جھکی جھکی تھیں۔ لیکن جیسے بہت وزنی تھیں جوار ہی
نہیں! اٹھاتی تھیں۔ اس کے چہرے میں تھنی جاؤ بیت تھی کتنی کشش تھی
کتنا تنک تھا جیسے دنیا بھر کے سارے رسوائی گھروں کا ٹکڑا سمٹ کر یہاں آ گیا
ہو۔ ہم جلد و تانی ٹھنک کر کھانا چاہتے ہیں۔ کتنا چاہا کرتے ہیں۔ اگر یہ تنک نہ ہو تو
ہم نے دیکھ کی سلامیں، سلامیں دہو تیں۔ شاید بھالیہ بھی اپنے سر کو اس لئے بندہ
کئے تھے کہ اس کو اس کی وہ تھنی والی سلاموں کے چہرے پر تنک ہے۔ تنک!

میں اس پر دھڑا ہوں۔ میں اس پر جان دیتا ہوں۔ بارش فم دیکھتی تھی
میں باجی کے یہاں چلا گیا۔ لیکن پھر آہی رہا اور سلمہ سے آہی رہا۔
اور ایک زمانے تک اتنا رہا کھیتوں کے کنارے مل کھاتی ہوئی پگڈنڈیوں کے پاس
اور تنک ٹھنک قریب، کھینے کے نیچے۔ ان سب کو بات معلوم ہے ابھی حراج معلوم
ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو کتنا چاہتے تھے۔ گھنٹوں ان گھنٹوں نے جوار ہی تھیں
تھیں اگر تھیں ذرا تھ تو ان سب سے جا کر پوچھتے۔ پوچھتے کہ چاندنی راتوں میں
اور تاروں کی چھاؤں میں یہاں کون آتا تھا۔ وہ آپ کو بتائیں گے۔ ہر دو تھیں
۔ ہر ساتھ ساتھ یہ بھی بتائیں گے
کہ حیدر اس کے بیٹے اصفیہ سلمہ کے ساتھ۔ ہر دو تھیں تاکہ ان کے کھیتوں کو ٹھہر
کر کھلا رہے جوار و مشیہ کچھ کچھ کر سکا۔ کچھ کچھ کر سکا۔
اب کچھ کسی رشتہ دیدہاں آئے۔ اور کچھ۔ نہ کروا جاتا ہے۔
۔ وہ آپ کو کچھ بتائیں گے۔

خیر جانے دیکھتے یہ بہت دلوں کی بات ہے۔
اب میں باجی کے یہاں نہیں جاؤں۔ باجی۔ عوہ ہار۔ لی میں۔ کالی
اور باجی میرے لئے ایک نئی سلمہ تلاش کر رہی ہیں۔ من۔ ایک کچھ نہ جا
میری زندگی میں ایک سکھ کر چلی گئی۔

سلمہ۔ بسکہ۔ بسکہ۔ اصفیہ! اصفیہ! اصفیہ! اصفیہ!
اور پتہ آنکھوں میں بسی ہوئی ہے اور شاید کہیں دور سے سلمہ پہنچ رہی ہے اصفیہ۔
اصغر۔ اصفیہ!

پاپٹیں۔ بسبی بسبی سفید دیواریں، بڑے بڑے ہل جیان چاروں طرف
پیشانی ہوئی دھاؤں کی بڑ۔ تھرتھرتی ہوئی گول گول پنڈیاں۔ نہ سب ارجحیت کی

کون کسے؟

تبسم نظامی

غم سے حیات عشق ہی لیکن غم کا سامان کون کرے
دل تو ہمت مار چکا یہ کار نمایاں کون کسے
ترکِ ارباب سب کچھ ہر اب دستِ کا ادا کن کرے
اسکی تناکر کے دوبارہ دل کو پریشاں کون کسے
میری سیمبختی کا عالم دیکھنے والا کوئی نہیں
ظلمت ہر سو طاری ہر ظلمت میں چراغِ کن کسے
چارہ گروں کی چارہ ساری میر کسی مصرف کی نہیں
در و در تو ان کا خاص کرم ہر در و در کا دریاں کون کسے
حسن سراپا آئینہ اور اسکی نظر آئینہ ساز
اس سے نگاہیں کون ملے اسکو حیراں کون کسے
دست جنوں کو دامات جو کاوش تھی وہ ختم ہوئی
دیکھ لیا انجام جنوں اب داماں واماں کون کسے
محل کی بجائے کانٹے ہیں بستی کی جگہ ہر ویرانی
دل کیا ہر اک صحرا کی صحرا کو گلستاں کون کسے
اہل کشتی دریا کی موجوں کو ساحل کیوں سمجھیں
کشتی جب تک غرق نہ ہو اندازہ طوفاں کون کسے
سارے چین کا حسن تبسم آکے خزاں نے لوٹ لیا
وہ عالم رنگ و بو ہی نہیں تو غمِ گلستاں کون کسے

دو بیاں پہنیں، زندہ انسانی لاشوں کا ایک چھٹا سا شہر!
آج سکہ کا چہرہ ترا جا تھا وہ بہت ممکن تھی اس کا بلی جھلی لکھسی
آج بہت میراں تھیں وہ ہر شے کو کچھ عجیب انداز سے دیکھ رہی تھی جیسے وہ کچھ
جاننا چاہتی تھی۔ مسموم کرنا ہی جی ہو۔ وہ شاید دوسری رات تھی اس کی آنکھوں
سے آنسو بر رہے تھے جس نے اسے کسی روتے نہیں دیکھا۔ اس وقت بھی نہیں جبکہ
اس کی نالہ جتنی سنی لیکن آج آج

اس نے مجھ سے پوچھا
کہنے کیا وہ منہج جائیں گے!

وہ اپنے سہانگے بالے میں مجھ سے پوچھ رہی تھی۔ اصف کے بالے میں مجھ سے
پوچھ رہی تھی لیکن میں کیا کہتا کیا کہتا۔
آنکھوں میں جب ایک مخصوص اداس چھا جاتی ہے ایک مخصوص اداسی!
تو زندگی کی فتنہ میں تیل محم ہونے کو ہوتا ہے یہ بات نہیں والے کہتے ہیں معلوم نہیں
کتنی سچ ہے۔ معلوم نہیں۔

ایک بار صرف ایک باناس کی اداس آنکھوں نے اوجھ کر مجھ سے کہا۔
میں بڑی بد نصیب ہوں۔ ابھی کچی تھی کہاں باپ دو نوں۔ مجھے
بڑی ہوئی۔ اور چپکے سے آپ میری زندگی میں آئے۔ پھر کیا ہوا۔ شادی ہوئی کب
اور کب ساتھ۔

لیکن اب اب!

آج سفر کی آنکھیں بے نور سی ہوتی جا رہی ہیں۔ در سہاگ کی دہلیزی
پر جو ایک دوسرے کو بانہ سے ہونے پہ دھیلی پڑتی جا رہی ہے اور کہیں یہ دھیلی
پڑنے پڑنے گڑھ سی کل جائے تو ؟ نہیں نہیں ایسا نہیں
ہو سکتا۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ میری محبوبہ کا سہاگ سے اپنا سہاگ پیارا ہے
میں بھی اس کے سہاگ سے پیار کرتا ہوں۔ تاکہ آہن فرک موت میرے لئے ایک نئی
راہ کھول دے لیکن وہ اس کا شہر ہے۔ اس کا دھوپ ہے۔ آفرود کچھ کہے اس کی موت
میری محبوبہ کی موت۔ اور محبوبہ کی موت ! نہیں ایسا نہیں ہونا چاہیے ہرگز نہیں
ہونا چاہیے میں اس کے سہانے جی رہا ہوں۔ میں اس کی مسرت کو اپنی مسرت سمجھتا ہوں
اگر وہ خوش رہے تو میں کیا کرؤں گا۔ میں کیا کرؤں گا جتنا اسے مالک تھا!
آج زندگی میں پہلی بار ارشاد آئی باہر اچھا سے ہیک مالک ہوں کو میری محبوبہ کے
سہاگ کو قائم رکھ۔ اسے رحیم آصف کو بچالے۔ بچالے اسے اللہ

اگر آپ بھی مالکے خالی ہیں تو میں آپ سے درخواست کروں گا کہ میری محبوبہ سہاگ
لے دیا کیجئے۔ بہت ممکن ہو گا کہ آپ کا قبول ہو جائے ایسا ہو سکتا ہے۔ غرض ہو سکتا ہے !

ایک ایکٹ کا ڈرامہ

ابراہیم یوسف بی لال

تنہا مجاہد

شاعر۔ جو تباہی و بیکار کا گل سا ہو گیا ہے۔
سید حبیبی لال۔ جو حقیقت شناس کا بانی ہے۔ گلاب گھبرا کر اس باختہ ہو گیا ہے۔
کارندہ۔ حبیبی لال کا ہمارا اور ہم۔
پنجم۔ کارندہ کے لئے کار کا۔

پولیس کے سپاہی وغیرہ۔

منظر۔ ایک فساد زدہ قصبہ۔ جہاں فساد کے بعد طرہی اور پولیس نے قبضہ کر لیا ہے۔
اس قصبہ کے سب سے بڑے سید حبیبی لال کے گھر کا مکان پر مکان کا ایک کمرہ۔ رات کا وقت ہے۔ کمرہ میں ایک
محمولی طرح جل رہا ہے۔ چھڑا بھڑکی روشنی ہے شکل تمام کمرہ میں ہو رہی ہے۔ اور تمام کمرہ میں چراغ کا دھواں چھیل رہا ہے مغربی
اور وسطی جانب دو دروازے ہیں۔ جو دوسری طرف کھلتے ہیں۔ جنوبی جانب بھی ایک دروازہ ہے۔ جو بیرون مکان کھلتا ہے
اور دروازہ اس وقت بند ہے۔ شمالی جانب ایک چھوٹی سی چارپائی بھی ہے۔ جس پر ایک محولی لیٹر بٹھا ہوا ہے۔ بستر پر ایک چھوٹا
سا بچہ جس کی عمر ۹ سال کی ہے سو رہا ہے۔ اس کے پاس ایک پٹائی پر بٹھا کارندہ بیٹھا ہے اس کی عمر تقریباً ۵۵ سال
کی ہے۔ کمرہ میں سید حبیبی لال بھی ہیں۔ بڑا تازہ ہم ہے۔ اور عمر تقریباً ۶۰ سال کے قریب۔ ایک میٹھی سی دھوئی باندھے
اور ایک کالی پہلا پہنا کر چہرہ ہے۔ کمرہ میں اس طرح گھوم رہے ہیں جیسے پاگل ہو چکے ہیں۔ کچھ آہستہ آہستہ بڑبڑاتے
جاتے ہیں۔ چہرہ کے اندر چٹھاٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بڑی کشمکش اور پریشانی میں مبتلا ہیں۔ کارندہ برابر خاموش بیٹھا کچھ
سوچ رہا ہے۔ بالکل خاموشی ہے۔ بیروں پر کبھی دور سے اور کبھی نزدیک سے کتوں کے چیخنے کی آواز آ جاتی ہے۔ یا کبھی ٹرک
پر سے گشت کرنیوالے سپاہی باتیں کرتے گدرتے ہیں تو قصبہ میں زندگی کا احساس ہوتا ہے۔

حبیبی لال۔ (ٹپتے ہوئے) میں جی! میں پاگل ہو جاؤں گا۔
خوف سے میرا دل لرز رہا ہے۔
کارندہ۔ سید حبیبی! گھبرانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ آپ
خاموشی سے جا کر کمرہ میں آرام کیجئے۔
حبیبی لال۔ میں اس گاؤں سے جلد از جلد بھاگ جانا چاہتا ہوں۔
اگر پولیس کو میری موجودگی کا علم ہو گیا تو...
کارندہ۔ (پریشان ہو کر) رات آپ کسی طریقے سے گزار لیجئے
صبح کچھ پولیس کو دینے دلائے... یا... کوئی اور تدبیر سوچی جائیگی۔

کیا تہداری روح نہیں کانپ رہی ہے؟ کیا خوفناک نیا ہی نے تہارے
مردہ احساسات میں اب بھی درد نہیں چھوئی؟ (تم تہہ لگا کر)
کارندہ۔ (پریشان ہو کر) شاعر تمام گاؤں میں پولیس اور فوج پھر
رہی ہے۔ تہداری یہ چیخ جلاہٹ کہیں.....

شاعر (قطع کلام کر کے) میں پولیس سے نہیں ڈرتا۔ میں فوج
سے نہیں ڈرتا۔ ہتھکڑی اور بیڑی کی لچھے پر دواہ نہیں۔ (پاگلوں کی طرح
تہقہ لگاتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ خودت باتیں کرتے ہوئے) میں نے
اس گاؤں میں نئے گاڑے۔ میں نے اس گاؤں کے پتھر دور اور کنکڑوں
سے محبت کی۔ لیکن آج میں اس جنت نشان میں ایک وحشت پاتا ہوں۔
ایک تاریکی پاتا ہوں۔ ایک خوف دہراں پاتا ہوں۔ مگر نہیں۔ (جین
چیخ کر کے) میں چیخوں گا جلاؤں گا۔ جان دیدوں گا۔ میں یہ تباہی برداشت
نہیں کر سکتا۔ (تہقہ لگاتا ہے۔ پھر چیخ چیخ کر) آئے پولیس اور فوج
گرنار کر کے مجھے۔ میں جیل خانہ کی کوٹھڑی میں ایک خوفی نظم لکھوں گا۔
اور اس کی دوا روں کو اپنے خون سے لکھ دوں گا۔ اشتیاق میں کروں گا۔
(پھر پاگلوں کی طرح تہقہ لگاتا ہے۔ کارندہ دھمک کر اس کے پاس
آتا ہے۔ اور کارندہ سے ہاتھ رکھ کر)

کارندہ۔ شاعر! تم بہت تھک گئے ہو۔ چاک آراہ کرو۔
شاعر۔ (تہقہ لگا کر) تھک گیا ہوں؟ میں نہیں تھکا۔ سنو۔
اب موت ہی مجھے تھکا۔ ٹی۔

کارندہ۔ تو سچ خاموش رہو۔ تہداری یہ چیخ جلاہٹ اور تہار۔
دل کا یہ درد مجھے بھی پاگل کر دے گا۔

شاعر۔ (تہقہ لگا کر) تم اور پاگل؟ تم پاگل نہیں ہو سکتے۔ تم
سیٹھ کے کارندہ ہو۔ (ادبیک غلام غلام کبھی پاگل نہیں ہو سکتا کیونکہ
اس کے جذبات ہمیشہ مردہ رہتے ہیں۔ تم نے اپنے جوان لڑکے کی موت
دیکھی اور پاگل نہیں ہوئے۔ (تہقہ لگا کر) اور یہ بھی جانتے ہو کہ اس
کی موت کا سبب کون ہے۔ تم انتقام تک نہیں لے سکتے تم پاگل کیا
ہو گے.....!

کارندہ۔ شاعر! میرے بھی کچھ احساسات ہیں۔ میرے بھی کچھ تہا
میں۔ لیکن مجھ میں ضبط کا مادہ زیادہ ہے۔..... نہیں.....

(شاعر لا پرواہی سے کمرہ میں ٹہلنے لگتا ہے۔ جیسے اسے کارندہ
کی باتوں میں دلچسپی نہیں۔ پھر خود ہی بڑبڑاتے ہوئے)

جینی لال۔ (پاس کیم میں بالکل پاگل ہو جاؤں گا۔ میرا دماغ
کام نہیں کر رہا ہے۔) پیر ٹہلنے لگے ہیں۔ کارندہ کسی گہری سوجھ میں
گروں جو کچھ مینلا ہو جاتا ہے۔ سیٹھ جی کچھ ایسے ٹہلتے رہتے ہیں۔ اور پھر
خود ہی بڑبڑاتے ہوئے) میں لکھنا ہی پاگل ہو جاؤں گا۔..... بالکل پاگل
ہو جاؤں گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سب تہداریوں پر پانی پھر گیا۔ سب تہداریوں
الٹی ہو گئیں۔

(شاعر عربی دروازہ سے داخل ہو کر خوب تہقہ لگاتا ہے
پھر جینی لال کے پاس جا کر)

شاعر۔ (طنز و انداز میں) سب تہداریوں الٹی ہو گئیں! پاگلوں
کی طرح تہقہ پر تہقہ لگاتا ہے)

کارندہ۔ (سمجھانے کے لہجے میں) شاعر خاموش رہو۔ یہ وقت
شاعر۔ (تیز رفتاری سے کارندہ کے پاس جا کر قطع کلام
کر کے) کیوں خاموش رہو؟..... میری روح پر ہتھڑے مارے
جائیں اور میں خاموش رہوں۔ بگڑ نہیں۔ (پھر تہقہ لگا کر)..... میں
چیخوں گا..... جلاؤں گا..... تہقہ لگاؤں گا..... میں سیٹھ جینی لال
کا غلام نہیں ہوں۔ (پھر تہقہ لگاتا ہے)

جینی لال۔ (پریشان ہو کر) شاعر! تم اپنے تہقہوں سے
مجھے پاگل بنا دو گے۔

شاعر۔ ہاں۔ میں چاہتا ہوں کہ جن کے دلوں میں احساس
نہیں ہے۔ وہ میری طرح پاگل ہو جائیں۔ انہیں دنیا میں رہنے کا کوئی
حق نہیں۔

کارندہ۔ (اٹھ کر سیٹھ کے پاس جا کر) سیٹھ جی آپ جا کر
آرام کیجئے۔ (ہاتھ پکڑ کر دشتی دروازہ کے پاس لے جاتا ہے۔ اور
سیٹھ کو دوسرے کمرے میں پھوڑ کر دروازہ بند کر لیتا ہے۔ شاعر کمرہ میں
ٹہلنے لگتا ہے۔ کارندہ پھر آکر چارپائی پر بیٹھ جاتا ہے۔ شاعر کچھ دیر ٹہلنے
کے بعد)

شاعر۔ سیٹھ جینی لال۔ (تہقہ لگاتا ہے)
کارندہ۔ (ٹھنڈی سانس پھر کر جیسے خود سے کہہ رہا ہو۔)
بیچارہ شاعر! بالکل پاگل ہو گیا ہے۔

شاعر۔ ہاں پاگل ہو گیا ہوں۔ مجھے حق ہے کہ میں پاگل ہو
جاؤں۔ مجھے حق ہے کہ میں سب کچھ جاؤں۔ (کارندہ کے پاس جا کر)

اور مجاہد ڈرا نہیں کرتے (بچے کو محبت سے پیار کر کے) پھر کیا بڑا میرے
نئے مجاہد؟

بچہ - (خوف زدہ آواز میں) پھر مجھے بڑے چھوٹے بادلوں کے ٹکڑے
سُجھ ہو گئے۔ اور آسمان سے خون کی بارش ہو لے گی۔۔۔۔۔ میرے بابا۔
اپنی چھٹی سی پٹائی پھتری لے کر لپکے اور انہوں نے گاؤں کے تمام
لوگوں کو۔۔۔۔۔ تو را۔ کریم۔ جھگوان داس۔ اور رامو کو اپنی اس چھتری میں
چھپالیا۔

۔۔۔۔۔ پھر جانتے ہو کیا ہوا؟

کارندہ (پریشان سا ہو کر) بیٹا۔ خاموش رہو۔ تمہارا خواب خوف
ناک ہے۔

شاعر - (بچہ کو پیار کر کے) نئے مجاہد تمہارا خواب ایک حسین خواب
ہے۔ بیان کر دو پھر کیا ہوا۔

بچہ - پھر ایک غیب و غریب قسم کا جانور بابا کی طرف لپکا۔ (پھر خوف
سے شاعر سے چٹ جاتا۔)

شاعر - کیوں نئے مجاہد پھر ڈرے۔ خوف تمہارا غلام ہے۔ اور
تم اس کے آقا۔

بچہ - اس کا بدن سوز کی طرح تھا۔ منہ کتے کی طرح۔ اور پنجے پھیڑے
کی طرح۔ اس کے پنجے خون میں بھرے ہوئے تھے۔ منہ میں انسانوں
کی ہڈیاں تھیں۔ میرے بابا نے اس کا دانت بد کیا۔ مگر اس نے بابا کو گڑا
اور پھر سب لوگ خون میں لت پت ہو گئے۔ میں اپنی لالچی لے کر اس
جانور کی طرف لپکا۔ تو وہ بڑے سے ڈر کر۔۔۔۔۔ گیا۔

شاعر - شاباش۔ نئے مجاہد شاباش۔ تیرا غم و اشتغال اس
بھیڑے کو رخصت کرے گا جو اس تباہی کا سبب ہے۔

(نئے بچہ کا نام ہے اور پھر نئے کو محبت سے پیار کرتا ہے)

بچہ - (بڑے کاوند کو دیکھ کر) چا شاعر! میرا بابا کہاں گیا
ہے۔ (بڑے کاوند کو دیکھ کر) دادا کہتا ہے کہ وہ میرے لئے عمدہ
عمدہ کھلونے لے گیا ہے۔ (پھر بڑے کو دیکھ کر جس کی آنکھوں میں
آنسو ہیں) دادا۔۔۔۔۔ جب میں بابا کا ذکر کرتا ہوں تو تمہاری
آنکھوں میں آنسو کیوں آجاتے ہیں؟

کارندہ - دیکھو بیٹا۔ تم اپنے بابا کا ذکر بار بار نہ کیا کرو اس سے مجھے
دکھ ہوتا ہے۔

شاعر - (آہستہ آہستہ بڑھاتے ہوئے) گاؤں کی مصحوم و شیزہ
لچکتی ہوئی گھاٹ پر حائیں توان کا نشان روح میں تازگی۔ اور جذبات میں
ایک نئی روح بیدار تھا۔ ان کے قبضے ان کی مصحوم خراتیں۔ ان کی
آپس کی چھٹی چھاڑ۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی فردوسی چیریں ہیں۔ تکلف اور
لغص سے ہی۔ وہ محبت اور خلوص کی دیوان معلوم ہوتی تھیں۔ مگر سب
چیزیں اب تو خواب ہیں۔

(کرہ میں ٹپکنے لگتا ہے) اور کرہ پر کامل خاموشی طاری ہو
جاتی ہے۔ کہیں کہیں شاعر کچھ بڑھتا ہے۔ ایک ایک چارپائی پر سونا ہوا
بچہ کسی چیز سے ڈر کر بچھڑا جاتا ہے۔ بڑھکا کارندہ اسے گود میں اٹھا لیتا ہے
کچھ کچھ دیکھ کر بڑھکے کارندہ کو دیکھتا رہتا ہے۔
کارندہ - کیا ہوا بیٹا۔

بچہ - دادا۔ میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ بہت خوفناک خواب
نئے اپنی آغوش میں چھپاؤ دادا۔

شاعر - (کارندہ کے پاس جا کر) بزدل۔ غلام کے آغوش میں
پناہ۔۔۔۔۔ نہیں میرے نئے مجاہد۔ نہیں۔ میں مصحوم مجاہد کو غلام کے
آغوش میں پناہ نہیں لینے دوں گا۔ (بچے کو اپنے آغوش میں لے کر)
میرے نئے مجاہد آغوش میں آ۔ جس آغوش میں کسی کا خوف نہیں۔ اس
کی آغوش میں آ۔ جس کی آغوش میں مجاہدین کی جنت ہے (بچے کو لے کر
کرہ میں ٹپکنے لگتا ہے۔ پھر آہستہ سے بچہ سے) میرے نئے مجاہد خواب
پھر خواب ہے۔ تمہیں حقیقت سے بھی ڈرنا چاہیے۔ تم ایک بہادر
بچے ہو۔

بچہ - شاعر چچا۔ میرا خواب بہت خوفناک ہے۔

شاعر - مجاہد کا خواب ہمیشہ خوفناک ہوتا ہے۔ کیا خواب تم نے
دیکھا ہے۔

بچہ - (کاہنتی برہی آواز میں) میں نے آسمان پر ایک بہت
ہی خوفناک سیاہ بادل دیکھا۔ جو ہمارے تمام گاؤں پر چھا گیا۔ پھر اس نے
نئے نئے چھوٹے بادلوں کو دیکھا اور ان کی طرف بھڑپٹا۔ چھوٹے ٹکڑے
سہم کر ایک جگہ جمع ہو گئے۔ اس خوفناک سیاہ بادل نے ان چھوٹے چھوٹے
ٹکڑوں پر ٹکرائی۔ ایک خوفناک گرج پیدا ہوئی۔ میں ڈر گیا۔ (خوف
سے کانپتے ہوئے شاعر سے چٹ جاتا ہے۔)

شاعر - دیکھو میرے دوست۔ میں تمہیں مجاہد کہتا ہوں۔

جینی لال۔ (ڈرامائی انداز سے قطع کلام کر کے) سوٹے اور کھوٹے پولیس اگر گرفتاری کر لے گی۔ اور ہاں ہم دروازہ مضبوطی سے بند کر لیں۔ دروازہ کے پاس جلتا ہے اور اُسے کھولتا ہے۔ کارندہ دوڑ کر سیٹھ کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا ہے) کارندہ۔ سیٹھ جی کیا کرتے ہو۔ (دروازہ بند کر کے چٹائی پر آکر بیٹھ جاتا ہے)

جینی لال۔ (رازدارانہ لہجہ میں) اور پولیس کہہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ تمہارے رشکے کو میں نے قتل کر لیا ہے۔ وہ فساد روکنا چاہتا تھا نا۔ (قیقہ لگاتا اور پھر آٹھ گھر ٹپکنے لگتا ہے) پھر کارندہ کے پاس جا کر مصلحت اس میں تھی کہ اُسے قتل کر دیا جائے۔ (پانچوں کی طرح قیقہ لگا کر قتل قتل.... ہا ہا ہا۔

بچہ۔ (چار پائی سے آٹھ کر سیٹھ کے پاس جا کر) تم نے میرے بابا کو قتل کر لیا ہے۔ میں تم سے انتقام لوں گا۔ شاعر۔ (قیقہ لگا کر) شاباش مجاہد۔ شاباش۔ تیرا عدم.... جینی لال۔ (پانچوں کی طرح قیقہ لگا کر قطع کلام کر کے) انتقام۔ انتقام۔ (قیقہ لگاتا ہے۔ پھر غور و فکر سے پچھو گھورتا ہے اور اس کے منہ پر ایک طمانچہ رسید کرتا ہے۔ پچھو چرخ کر رونے لگتا ہے۔ کارندہ جینی لال کی طرف گھور کر دیکھتا ہے۔ پچھو پچھو کو دیکھتا ہے۔ آٹھ کر کھڑا ہوتا ہے۔ اور سیٹھ سے مخاطب ہو کر) کارندہ۔ (غصہ سے) سیٹھ جی! میں اس وقت تک سب کچھ برداشت کرتا رہا۔ لیکن اب برداشت کی حد ہو چکی ہے۔ تم انسان نظر نہیں آتے۔

جینی لال۔ انسان۔ (قیقہ لگاتا ہے) خاموش رہو۔ اب مجھے کسی کا خوف نہیں۔

کارندہ۔ (غصہ سے) میں خاموش رہوں۔ ہرگز نہیں۔ اب میرا جذبہ انتقام جاگا ہے۔

(شاعر زور سے قیقہ لگاتا ہے۔ سیٹھ ایک اور طمانچہ بچہ کے رسید کرتا ہے۔ پچھو زور زور سے رونے لگتا ہے۔ سیٹھ اور کارندہ ایک دوسرے سے پچھو چرخ کر گفتگو کرتے ہیں۔ جو سمجھ میں نہیں آتی۔ شاعر برابر قیقہ لگاتے جاتا ہے۔ پولیس دروازہ کھول کر داخل ہو جاتی ہے) (بقیہ صفحہ ۶۱ پر)

شاعر زور زور سے قیقہ لگاتا ہے۔ اور پچھو کو گود میں لے کر ٹپکنے لگتا ہے۔ قیقہ لگانے کے بعد)

شاعر۔ نئے مجاہد! تیرے دادا کی آنکھیں بے نور ہو چکی ہیں۔ وہ کھلی ہوئی میں تھوکیہ نہیں سکتیں۔ (بچہ کو چار پائی پر بیٹھا کر زمین پر سیٹھ جاتا ہے۔ اور پھر سمجھانے کے لہجہ میں) مسکوم مجاہد! (کارندہ کی طرف اشارہ کر کے) یہ ایک غلام کی آنکھیں ہیں۔ جو صرف رو سکتی ہیں۔ ان میں غم دارادہ نہیں۔

بچہ۔ (مسکوم انداز میں) ایسا کیوں ہوتا ہے۔ شاعر۔ شاعر۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ (قیقہ لگا کر) اس لئے کہ غلام کی آنکھیں فرمانبرداری کے لئے کھلتی ہیں۔ بغاوت کے لئے نہیں۔

بچہ۔ تو کیا میرا دادا بھی غلام ہے؟

شاعر۔ کیوں نہیں؟

بچہ۔ میں اپنے دادا کو غلام نہیں رہنے دوں گا۔ اسے اپنی طرح مجاہد بناؤں گا۔

شاعر۔ (طنز پر لہجہ میں) ایسا کہو نئے مجاہد۔ تیرے دادا کو دکھ ہوتا ہے۔ مجاہد کا نام سن کر اس کی رُوح کانپ جاتی ہے۔

(کارندہ سر پکڑ کر زمین پر بیٹھ جاتا ہے۔ رشک پر سے کچھ سپاہی ہاتھیں کرتے ہوئے گزرتے ہیں۔ جن کی آواز کمرہ میں آتی ہے جینی لال کمرہ میں داخل ہوتے ہیں۔ انہوں نے کرتا اتار رکھا ہے۔ بال بکھوے ہوئے ہیں۔ آنکھوں سے دھشت برس رہی ہے۔ جیسے وہ پاگل ہو چکے ہیں۔ پہلے تو شلو کو دیکھ کر پانچوں کی طرح قیقہ لگاتے ہیں۔ پھر کارندہ کے پاس جا کر رازدارانہ لہجہ میں)

جینی لال۔ نیم جی! پولیس نے اس مکان کے گرد گھیرا ڈال رکھا ہے۔ اب ہم گرفتار ہو سکتے ہیں۔

کارندہ۔ گرفتار! سیٹھ جی!....

جینی لال۔ (قیقہ لگا کر) ہاں۔ گرفتار.... (رازدارانہ

لہجہ میں) پولیس کو ہمارے سب راز معلوم ہو گئے ہیں۔ ان کو بھی معلوم ہو گیا ہے کہ فساد ہم نے کیا ہے۔ میرا مکان بھی ہم نے خود ہی جلایا ہے۔

بچہ۔ کتنی ہے نا....

کارندہ۔ سیٹھ جی۔ آپ جا کر سو جائیے۔ اس وقت آپ....

مقبول حسین اہل پوری
بی۔ اے ایل۔ ایل۔ بی



کسے قرار و بقایاں ہمد، میں موہوم یہ سارے منظر

کیوں ہو دانا کلا مٹی سے ؟
پھولوں کا ارمان لے
کیوں دم بھر پھیلی خوشبو،
باغ ارم کی آن لے

بکھر گئیں آخر پنکھڑیاں کھلا کر مر جھاڑ جھاڑ۔ کسے قرار و بقایاں ہمد !!

خاک نے ڈھالا جسم کا ڈھانچا
رعنائی اور شان لے
مٹ لے رہا سب سن و کرشمہ
اپنا نقش و نشان لے

کیا یہ جلو، کیا یہ آنکھیں، فیانی و خوابی پیکر۔ کسے قرار و بقایاں ہمد !!

عشق نے یوں دکھلائے نمونے
صوف تری بھان لے
بجھ گئیں آنکھیں اہل نظر کی
دید کا وہم و گمان لے

کیوں بازار میں اس سہی کے دل نے دکھلائے اپنے جوہر۔ کسے قرار و بقایاں ہمد !

ابوسعید برقی ایک ہے

ہندستان کا آج اور کل

ان لوگوں میں سے اکثر کو آج یہ معلوم نہیں کہ جس دبدبے اور طغیانی کی داستانیں ہندوستان نے کل ہی تھیں آج وہ غرض - تاریخ کے گذرے ہوئے صفحات کی زینت بن کر رہ گئی ہیں۔ ہمارے دماغ اکیک پڑائی یا د سے مرعوب ہیں لیکن ہمارے اس مرعوبیت کے باوجود یہ حقیقت نہیں بدل سکتی کہ کل جس چیز کو ہم ہندوستان میں انگریز کے ہمارے جلال سے تعبیر کرتے تھے وہ آج ختم ہو چکا ہے ہندوستان میں برطانوی شہنشاہیت کے پاؤں اکڑ چکے ہیں اور ایک بالکل نئی سیاست کا آفتاب ہم پر طلوع ہو چکا ہے۔

لیکن جو کچھ ماضی کی یاد پڑی مشکل سے محو ہوتی ہے اور باپ دادا کے زمانے کا میٹھا ہوا رعب کہہ جاتے ہیں وہ اب بھی ہندوستان میں انگریز کی حکومت کا صرف دھوکا دہی دھوکا دہا گیا ہے ایک بے گناہ سایہ ہے جو نظر آ رہا ہے اس چیز غائب ہو چکی ہے صرف رعب، جو ہم پر بھجایا ہوا ہے رعب ڈالنے والا وہ ہوا غائب ہو چکا ہے۔

یہ بات اگرچہ افسوسناک ضرور ہے لیکن جتنا کہ یا فخر قدرتی نہیں جہاں ساتویں صدی ہجری میں چنگیز کی فوجوں نے خلافت عباسیہ کے پایۂ تخت بغداد کو تباہ و برباد کر کے دنیا کی اس عظیم الشان سلطنت کے پرچھے اڑا ڈالے تھے تو دنیا کو اس واقعہ کے رونا ہوا جانے کے باوجود کئی سال تک یہ یقین نہ آیا کہ واقعی سلطنت عباسیہ تباہ ہو چکی ہے، ہندوستان میں جب نادر شاہ نے منلیہ خاندان کے چل و حرکت کے قیام سے ہندوستان کو لڑا کر اس کا پول کھولا تب ہی انگریزوں اور دیگر ملکوں کے زمانے سے مرعوب ہونے والے دیگر ملکوں سلطنت مغلیہ کے اس انجام پر یقین کرنے سے ہچکچاتی رہی۔

آج بھی تاریخ اپنے کدھر رہا رہی ہے انگریز کا وہ ہندوستان ختم ہو چکا اس کی شان و شوکت کا آخری جہاز یہاں سے اپنا سانہو سامان لاد کر جا چکا ہے اب اگر کچھ باقی ہے تو صرف وہ دھن دھن دھن ہے جو ہلکے دلوں پر محیط ہے اور جو کئی حقیقت نہیں رکھتا۔

دور کے وحوالہ ہمارے سمجھنے میں یہ ایک پرانی شے ہے جس میں یہ غیبا ت حقیقت بھی ہوئی ہے کہ جو چیز انسانی احساسات سے بہت دور ہوتی ہے انسانی انسانی دماغ ایک خاص قسم کا مادہ محسوس کرتا ہے اور اس کا منظر جتنا سحر آفریں ہوتا ہے اتنا قریب سے نہیں ہوتا۔ یہ کیفیت زمانے کی ہے ہمارے زمانہ میں ماضی اور مستقبل سے جتنا فاصلہ ہوتا ہے اتنا حال سے نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے واقعات سننے میں ہوتی ہیں کہ یہ پیاچوتی ہے وہ جنگ کے واقعی میدان میں موجود رہنے سے نہیں ہو سکتی دوسرے افسانوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ناشائستہ اور تاشادہ بیکھنے والے میں جو فرق ہے وہی دور کے واقعات سننے والے اور نوجوان واقعات میں محسوس لینے والے

آج کو سنی م کی کیفیت ہندوستان کی ہو رہی ہے آج ہم اس تماشے میں نہ پوری طرح دلچسپی ہو سکتے ہیں اور نہ پوری طرح متاثر جس میں ہر ہندوستانی ایک ایک کی کیفیت سے بہت ناچار اور ناچار ہے جب بچھلے انقلاب کی کہاں کہاں سننے میں تو محسوس ہو رہا ہے کہ اس طرح سب آئے دے نہ گئے کی کوئی ترمیم ہمارے سامنے نہیں ملتی ماضی ہے تب ہی ہم خود کو ایک نئی دنیا میں کو دیکھا جاتے ہیں لیکن ہم سے بہت ہی کم ایسے لوگ ہوں گے جو جہاں سلیس کہانے ہم جس دور سے گذر رہے ہیں وہ دنیا کی تاریخ کا ایک نہایت ہی اہم انقلابی دور ہے جس کا مورخ جب ہندوستان دیکھ کر اس کے سامنے آتا تو کوئی حیرت سے اس کے منہ میں دنگ لگے لیکن آج خود ہم کو اس تماشے کا بہت ہی کم احساس ہے بن کو ہم میں سے ہر ایک سر انجام دے رہا ہے۔

ہندوستان پر انگریزوں نے بڑے دبدبے اور طغیانی سے کئی سو سال تک حکومت کی اور قدرۃً ۱۸۵۷ء کے بعد سے تو کوئی انگریز کا آفتاب اقبال عروج پر پہنچ گیا جو آج اپنی عمر کے پچاس سال پورے کر چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان کے بچپن اور جوانی کے زمانے میں انگریز کی شان و شوکت کا کیا عالم تھا لیکن

جلیل شیر کوٹی پی ہے

ایل۔ ایل۔ بی

اصول

مجھے ناکامی پیہم سے گھبرانا نہیں آتا

مجھے طوفان کی موجوں میں بہہ جانا نہیں آتا

دلِ ناداں کو باتوں سے بہلا کر نہیں آتا

تڑپ جاتا ہوں لیکن جھکنا نہیں آتا

تلاطم خیز مہول موجیں کو گرداب فنا آتے

مجھے ساحل پہ آ کے لوٹ کر جانا نہیں آتا

میں ہر دُعا کے واسطے تیار رہتا ہوں

نہجے اپنے لئے پر آپ بچھتا نہیں آتا

تناہتا ہے میرا سرِ مریے بازو مرا سینہ

کسی طاقت کے آگے جھکنا نہیں آتا

چلا جاتا ہوں بے خوفِ خطریں فی منزل پر

مجھے ہر کام پر سائل سے ٹکرانا نہیں آتا

ربانی کی کیا کنجش میں دن رات تدبیریں

نفس میں ہوں غفلت گتے مہر جانا نہیں آتا

بہرِ مشکریں برداشت کر لیتا ہوں تکلیفیں

مجھے ہر ساختہ اک آہ بھر لے کر جانا نہیں آتا

میں قانع ہوں طویلِ اُچی کلیم پارہ یں

مجھے اوروں کے لئے ہاتھ پھیلا کر جانا نہیں آتا

لیکن قوموں کی زندگی میں یہ رعب ہی سخت خطرناک چہرہ ہوتا ہے

یہ بھی ہے کچھ مسلمانوں کی خرابی کہ ہندوؤں سے زائد میں لیکن نہیں

طہار میں کوئی نادر شاہ آخری تھوکر مارے گا تو ہم اپنے کو بہت ہی نا اہل

حالات میں گھبرا جائیں گے جو لوگ طوفان کی ہواؤں کو دیکھنے کے باوجود ان پر

یقین نہیں کرتے اور گدہ شدہ کے فریب میں مبتلا ہو کر بغیر کسی بچاؤ کے پڑے پڑے

ہیں۔ انہی کو تاریخ کے صفحات پر نصیب قوموں کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

آٹھ ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے ہی امتحان پیش ہے اگر انہوں

نے اپنے والے انقلاب کے لئے ابھی سے تیار ہیں کر لیں تو صرف ہندوستان کا بلکہ

پوری دنیا کا نقشہ کچھ اور ہو گا لیکن اگر وہ یہی سمجھتے رہے کہ ملک و کلوں کے ساتھ

کا انتخاب آج بھی ویسے ہی چمک رہا ہے جیسے کل تک چمکتا رہا ہے تو پھر کل کا

ہمارا ہی داستان کی ایسی ہی بیان کرے گا۔ جیسے آج بابل کا تہ تیغ کی بیان

کی جاتی ہیں۔ نا تھرو یا اوی لا اہوار

حضور کا بقیہ

سپاہی۔ یہ کیا شور مچا رہا ہے۔

چہرہ۔ (جینی لال کی طرف اشارہ کر کے) یہ ہیں۔ انہوں نے

دھوکا دیا ہے۔ انہوں نے میرے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ گرفتار کر لو

انہیں۔ (روئے لگتا ہے)

جینی لال۔ (دوڑ کر چمک کر ایک اور طنز مار کر خاموش رہا۔

بچہ۔ (رہتے ہوئے) نہیں رہتا۔ میں مجاہد ہوں۔ ہتھیار

لوں گا۔

سپاہی۔ (جینی لال کو دیکھ کر ہنسنے لگا۔) ادھر ہو۔ تو آپ سیٹھ

جینی لال ہیں۔ آپ تو غریب ہیں۔ یہ تو دروازے آپ کی تلاش

میں تھے۔ (شاعر قہقہہ لگاتا ہے۔)

جینی لال۔ لیکن

سپاہی۔ لیکن کچھ نہیں۔ (دھنچکا دیاں پہنا رہا ہے)

(جینی لال ہاتھوں کی طرح قہقہہ لگاتا ہے۔ پھر اپنی جگہ پر

اس طرح کودتا ہے جیسے ناچ رہا ہوں۔ کارندہ دھیرے دھیرے

شرقی دروازہ کی جانب جاتا ہے۔ دوسرا سپاہی اُسے دوڑ کر پکارتا ہے)

دوسرا سپاہی۔ آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں (پتھر پھینکتا ہے)

ڈالے ہوئے) یہ زخمیں سونے کی ہیں۔

(پولیس دونوں کو لے جاتی ہے۔ شاعر قہقہہ لگاتا ہے۔)

قتیل شفائی

دعائے

نقرئی جہانچندوں کے تپس جس جہنم دودھ سے پاؤں کو گدگداتی ہے
 ٹھکانائی رہیں کایچ کی چوڑیاں سرکلائی سے گیت گاتی رہے
 ہر جہانی سدا سکراتی ہے

کاہل سے دور کھینچوں گے اس پار وہ صاف شفاف چشمہ البتہ ہے
 خوب نہاریوں کا حسیں جگھٹا گا کریں لے کے راہوں پہ چلتا ہے
 حسن منظر کے سانچے میں ملتا ہے

گیموں کی کڑکٹی ہوئی دھوپ میں بھی ہے پیر سائے لٹاتے ہیں
 ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے پالے ہوئے دست جھوکو شرب میں پکارتے ہیں
 نیند بن کر نگاہوں پہ چھاتے ہیں

چودھویں رات کے چاند کی چاندنی کھیتوں پر ہمیشہ بکھرتی ہے
 ادھرتے رنگداروں پہ چھائے ہوئے ہر اجالے کی رنگت بکھرتی ہے
 ایک جت فضا میں ابھرتی ہے

عید کا دن ہے انسا ہے نہاپ ڈھولک پہ ہاتھوں کی پڑتی ہے
 مچلی لڑکیوں میں ہنسی کھیل پرت نئے ڈھب سے بنتی بگڑتی رہے
 کوئی ملنے تو کوئی اکڑتی ہے

شہر سے لوٹ کر آئے والے جواں گاؤں میں جوق در جوق آتے رہیں
 اپنی اپنی دہن کے لٹنٹ نئی سونے چاندی کی سوغات لاتے رہیں
 محل جگھٹاتے رہیں

پروفیسر وحید امینی

تمدنی بحران

عہد حاضر کے ظاہری نظریات منظر و منظر فرشتہ ایک تہذیب میں مذہبی روح کی اساس پر معاشرت کو قائم کیا گیا ہے دوسری جانب تمدن لاہی نظریات پر زندگی کا ڈھانچہ تیار کیا گیا ہے اس لحاظ سے اس وقت ہمارا ملک دو تہذیبوں کی چکی کے پائ میں آگیا ہے ہم ایسے برزخ میں پہنچ گئے ہیں جہاں ایک جانب جنت ہے دوسری طرف دوزخ اسلئے ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ اپنے سفر زندگی یا منزل حیات کی سمت کو متعین کر لیں ہمیں ہر تہذیبی و تمدنی کشمکشوں میں سے اپنے ارادہ عمل کا نسلہ کیونکہ تہذیب و تمدن اور اس کے متعلقہ فنون لطیفہ جامد و ثابت نہیں رہا کرتے انکو وجود، شعراؤ سے سخت بیرونی معاشرت، تہذیب، تمدن، ادب چلتے ہوئے پانی بہتے ہوئے دریا کے شاہ ہیں۔ جس طرح دودریا جس کسی مقام پر ملکر سکھ بنا ستم ہوئے باہم تصادم ہوتے ہیں وہاں پانی میں ٹکدراور کناروں میں کشتی کا پیدا ہو جاتا فانی ہے جس طرح یا جب پانی میں کسی ایک مقام پر ٹھہراؤ پیدا ہو جائے تو اس میں تصنع پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح جب دو تہذیبوں کا باہمی تصادم، آپس کا ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے تو قومی معاشرت کی بنیادیں لرز لرز کر ٹوٹ جاتی ہیں علی ہذا جب ایک تہذیب اپنے مخصوص رسم و رواج کی پابندیوں سے مخد ہر جاتی ہے اس میں تصنع آ جاتا ہے تہذیب و معاشرت کو سیال۔ جامد بنانے کیلئے یا تو غائب تہذیب کو سیال اپنی تہذیب کو بھی ہوا دیا جاتا ہے اپنی معاشرت کو مذہم کر دیا جاتا ہے یا ہر دونوں کے میل ملاپ سے ایک تیسری تہذیب منظر عام پر نمودار ہو جاتی ہے۔

حود و رت نظر دلائے تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ سوہوہیں صدی

عالم انسانیت جنگ ہشت سالہ سے فارغ ہو کر اس وقت جس نئی دنیا میں قدم رکھ رہی ہے وہ ایک نامعلوم پھول الحال دنیا ہے نئے قہار کے بت نئے خاکے و ہنوں میں ضرور بنائے گئے ہیں لیکن ان خاکوں میں عمل کا رنگ بھرنے کا بھی موقع نہیں مل سکا ہے صرف سادہ بے رنگ نقوش میں جو ہماری نظروں میں ہیں انکی عملی شکل، واقعاتی تصویر کشی میں سے اوجھل ہے۔ تمام عالم بالخصوص شرق اور اس میں بھی جامد ملک زندگی کے دورا ہے پر کھڑا ہوا ہے۔ اس وقت ہندوستان کے ملکی اسباب مل و عقد، اور ملکی رجحانات کے سامنے اقتصادی تجارتی، تعلیمی و طبی مسائل کے ساتھ ساتھ معاشرتی، اصلاح کا مسئلہ بہت زیادہ دعوت فکر و نظر کیلئے پیش ہے ہمارے سامنے اس وقت دورا ہے ایک راستہ اصلی بلند روحانی تہذیب اور اعلیٰ م فلاحی تمدن کی طرف جہانیکے لئے سفارش کرنا ہے جو شرق کے دو قہار ایک اعلیٰ مثال (رائیڈیل) زندگی کا حراج کمال ہے۔ اور دوسرا وہ راستہ ہے جس پر سوہوہیں صدی (انشاء اللہ) سے ترقی کرتے ہوئے مغربی قوم سرحد، ادبی ارتقا کے منتہائے عروج پر پہنچنے کے لئے محزون۔ ایک طرف روحانی و اخلاقی تمدن کا نقشہ بنایا گیا ہے دوسری طرف خالص مادی فلسفہ پر تہذیب کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ایک طرف عالم انسانیت کے روحانی نظری تقاضوں کو اوجھل کر دھجائی و نفسانی ضروریات پر ثانوی حیثیت دی گئی۔ دوسری طرف سراسر نفسانی و جذباتی ضروری خواہشات کو حاصل زندگی قرار دیا گیا ہے ایک طرف مستقبل دونوں کا لحاظ رکھا گیا ہے بلکہ حال نئے مستقبل پر نظر ہے دوسری طرف صرف حال ہی حال ہے حال سے بے پروائی ایک طرف روحانی دلپذیر و دلنغش مقاصد و نتائج میں دوسری طرف

سے پہلے پہلے تمام یورپ میں ایک خاص تہذیب رائج تھی۔

پاپائیت برسر اقتدار تھی جیسا کہ حکم ہے جوں دجہ ہر جگہ نافذ تھا۔ مذہبی قید و بند انتہائی شدید تھے جو ہر قسم کی خلیلی شہری آزادی کا کھوں پتہ نہ تھا۔ فکر و عمل پر سخت پابندیاں قائم تھیں۔

جو دہشت زدہ نہایت کا درد و دل تھا۔ جیسا کہ غلط قسم کے یونانی فلسفہ کا مکروہ و نڈبار کا تھا جو غیر معقول رد و جوں نچر و سوجوں اور عقل و فطرت کے خلاف تھے۔ ہوتے متضاد خیالوں سے آگاہ تھے کیا گیا تھا۔ صدیوں کے اوپر و انحطاط و تنزلی و پستی نے تمام کو لگا لگا، پانچ بنا ڈالا تھا۔

امراء ملک، اور پیشوا یا ان مذہب نے ملکر خوفناک عمارتیں سوکھی تھیں جس کا مقصد آرام طلبی و تعیش کاری کے اسباب جمیا کرنے تھے۔

ظاہر ہے کہ جو رومانیہ کے حقوق فطری پر دست اندازی کی بھی ایک جہتی ہے۔ ان کے خلاف ایک تحریک اٹھ کھڑی ہوئی اس کو بد سے طور پر دبانے کی کوشش کی گئی لیکن کبھی تک وہ زنی چتر کے جاتے آفریناوت کا سرچشمہ نہ ہوٹ لگا۔ ابتدا میں صورت حال کی اصلاح کے لئے ملکہ طریقہ رائے اصلاح سے کام لیا گیا لیکن کوشش کی ہر لہر جمی اصلاح کے لئے اختیار کی جاتی برسر اقتدار طبقہ کی خود غرضی و جہالت کی چٹانوں سے ٹکرا کر جمائی نیا بریں اصلاح پسند رہنما و رہنما اصلاح کی بجائے انقلابی جوش و خروش سرایت کر گیا یہاں تک کہ صرف اصلاح طلب مسائل ہی تک تحریک کے حدود باقی رہے بلکہ اس پر اسے اجتماعی نظام امداد کے ہر شعبہ کے خلاف بغاوت کا سیلاب پھوٹا جس میں امراء و پیشوا یاں ہی نہیں بے بلکہ پوری تہذیب خرد و خفاش کی طرح بیہ گئی۔

ہر وہ نظریہ، ہر وہ مسئلہ، ہر وہ قول و عمل جو انسانی تہذیب میں رائج تھا اسکی مخالفت انقلاب پسندوں کا شعار بن گیا۔ مذہب کے روحانی مقاصد سے لیکر زندگی کے ہر پہلو میں مسائل مخالفانہ لگے ہوئے کے آجگاہ لگے۔

ان سخت مجرمانہوں کے رد عمل کے طور پر انفرادی آزادی انھیں انکادی پہا استد مذہب کی لگہ اجتماعییت یا سوسائٹی

کی کوئی حیثیت نہ ہی حریت رائے کا یہ بنیادی نقطہ مدہ اہل سابقہ قلماء سراج کے خلاف استقامتی جذبہ کے ماتحت تسلیم کیا گیا تھا چنانچہ اس انفرادی آزادی کے تخیل سے موجودہ سرمایہ داری کا نظام عالم وجود میں آیا اور اسے ایک صدی میں اس قدر مقاصد پیدا کئے انقلاب فرانس کے بعد اتحادیت پسندی و خود غرضی کے نظریات نے وہ معاشیہ کے پیار ڈوڑے اور انگلستان کے صنعتی انقلاب نے اسپرٹ میں ہوئی پہلی کو اس قدر بڑھادی کہ جماعتی زندگی ختم ہو کر رہ گئی۔ مخالفی کی شیرازہ بندی بکھر کر رہ گئی فلسفہ رنگ و نسل عقیدہ قومیت و ملت نے تمام اہل عالم کو اپنے پیٹ میں لے لیا اور اختلافات کی دھجیاں بکھر کر رکھ دیں جس کے نتیجے میں کچھ نرم و خاشخہ نے جنم لیا۔ جیسے شخصی آزادی کو جماعتی مفاد پر قربانی کرنے کا عمومی فیصلہ دیدیا گیا یا ایک معیشت کا علاج دوسری معیشت سے کیا گیا۔ عالمگیر منافیت کی تشہ کا ہی چوڑا پرستور سابق موجود ہے۔

جس چیز کی وہ پیاسی تھی اسکی پیاس ایسی ہی باقی ہے جہاں کسبائی دریں خواہ ما دین کو مری کی مذہبی تحریک ہو یا نان نوک و سو کی انقلابی۔ یہ تمام تحریکات تہذیب مغربی کی اصلاحی کوششوں کی گزیاں ہیں اب آئے ہندوستانی تاریخ پر سرسری نظر ڈالئے تو آپ پر روشن ہو جائیگا کہ قدیم اقوام کی تاریخ جوڑ کر توین تہذیب کا تذکرہ تاریخ ہند کے اولین کتب و کتب پر نظر آتا ہے۔ اس تہذیب کا واضح تصور ذاتوں کی تقسیم، فرائض شہریت کا بشودہ، آئین نسل کا مذہبی تفوق، انسانی زندگی کا چہار کاہ و ادوار میں ختم ہے شہری زندگی میں مذہبیت (برہمنیت) کو سواہ امتیاز قرار دیا گیا ہے برہمن پرودہ متناظر و مطلق ہے۔ حکومت کا حق اسکو فطری و سودائی دیدیا گیا ہے کسب و معیشت کے فرائض سے اس کی ہستی کو بلند و بالا قرار دیا گیا ہے۔ یہ کام کھری کے سپرد کیا گیا ہے کہ وہ تجارتی و شہری فرائض کی سرانجام دہی میں مصروف رہے اور چھری بحیثیت محافظہ نگہبان کے فوج اور پولیس کا کام دے رہی ہندوستان کی قدیم قومیں انکو شہر و ریخت ذات کا نام رکھ کر تمام ذلیل و گندے کام دینے لگی ہیں۔

ذاتوں کی اس تقسیم نے جہاں خون اور فاضل رکھنے کی اچھی کوشش کی وہاں ہزاروں بے گناہ بھل کو بیت سے بہترین معجزہ

بنیادی مغربی قوتوں کے اندک سلسلہ گو سولہویں صدی کے شروع ہوا جسے لیکن اعلیٰ عمل دخل انٹارویں صدی ہی پر سکا اور مستقل حکومت کی کئی مصلحتوں کی بنا پر وہ سے ملے مانتوں پر مبنی اس ایک ہی صدی میں ہندوستانی تہذیب کی تخریب بڑھ چکی کے ساتھ شروع ہو چکی ہے۔

ہندوستانی تہذیب کا یہ تیسرا تصادم ہے جو مغربی تہذیب سے پہلے آ رہا ہے لیکن اس تصادم کی نوعیت پہلی دونوں تحریکات سے جدا گانہ ہے۔ دونوں تصادم مقامی تھے نیز کہ خواہ بہر حال کچھ یوں یا اسلام کے نام پر وہ دونوں جماعتوں نے ہندوستان ہی کو اپنا حتمی مقصد وطن بنالیا تھا۔ وہیں کے بودھا علی اختیار کرنے والے گرو تھے اس لئے ان دونوں تحریکوں میں اثر انگیزی کا خیر پیری کا معاملہ مساوی طور پر تھا۔ ان تحریکات نے جہاں ہندوستان کو اپنے نئے نظریات نے فلسفہ زندگی سے متاثر کیا وہاں بہت سے مسائل میں ہندوستانی تہذیب کو اپنا یا بھی ہے مگر مغربی تہذیب کا یہ تصادم زبردست تصادم ہے جن افراد سے ہمیں واسطہ پڑتا ہے وہ نہ پہلے کا باشندہ بننے کا ارادہ رکھتے ہیں اور نہ یہاں کی تہذیب کو برقرار رکھنے کا۔ اگر یہ قوم گو سودو سو برس سے ہندوستان میں آمد و رفت بلکہ عمل دخل رکھتی ہے لیکن جینی بکر۔ بیکانہ وشی اختیار کر کے وضع قطع چال و حال و تراش و خراش، معاشرت و معیشت خیالات و نظریات غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں ہندوستان کے لئے ویسے ہی اجنبی بنے ہوئے ہیں جیسے دو سو سال پہلے تھے۔

اس لئے اس تہذیب کی حیثیت فاتحانہ بلکہ حاکمانہ ہے کہیں جھکاؤ نہیں کہیں بھی ٹپک نہیں۔

سب سے بڑی برہمنی یہ ہے کہ مغربی تہذیب نے جن حالات میں جنم لیا ہے ان حالات نے ابتدا تو کسا کیا انقلاب انتقامی جذبہ پیدا کیا لیکن اس کے بعد نفسی مذہب ہی سے عادات اور بعض کے جذبات بھڑکا کے اس تحریک انقلاب کو مذہب کی مخالف سمت میں لانا لایا بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ مذہب انقلاب آزاد خیالی کی جنگ سے ہی یہ تہذیب منظر عام آئی ہے اس مدخل نے اس تہذیب کو قراط کو تقریباً گنگا میں پھینکا دیا ہے۔ تہذیب تمدن کی وہ دستور رہنمائی ہے پوری عمارت قائم ہوئی ہے فرد و جماعت کا تعلق باہمی اور موثر و متحرک ہے (بقیہ صفحہ ۶۶ پر)

انسان کو جو ہر دو ماں میں تھیکر کے انتہائی ناقص تکلفی و انسانیت سوزی کا بڑا واردا رکھتا ہے۔ خاص کر شور و زماں کو اصل مانتوں پر چھلنے کی تا گھور سی کٹتی ہے جہاں سے وہ آج تک نہ بھر سکے اور ابھی بے بسی و بیکسی کی کراہی مٹاؤں میں ابھی تک گونج رہی ہیں۔

چنانچہ اس غیر فطری تقسیم عمل کا مدخل ہٹا دینا بہت شدید بہا تھا گو تم بھٹکا نفرو حق پسندانہ پیام مساحات ٹیکر اس سرسبز خورق آباد کبسر و غرور پر برقی خافنا جگر جگا جس نے آدین سماج کی غیر منصفانہ بلکہ ظالمانہ بندھنوں کو خاکستر بنا ڈالا اس اعتبار سے ہندوستانی معاشرے کی اصلاح کا صورت سب سے پہلے گو تم بھٹنے اس بلند ہنگی سے بھرنا کہ اس کی مدد لئے بازگشت ہندوستان سے نہیں تو برما چین و جاپان سے آج کل کٹائی دے رہی ہے۔ اس تہذیب کی خوشنما یادگار خوش رنگہ بادیار نقش و نگار کی کٹ سی سائی ڈپ اور جٹا اور ایلورا کے وہ دیہات کی بھگین شہادتیں بہر حال جاری ہیں۔

دوسرا موقع ہندوستانی سماج کے مصعب ہمسالوں کی آمد سے شروع ہوتا ہے سماجوں سے پہلے جتنی قومیں ہندوستان میں آئیں وہ فاتحانہ طور پر داخل ہوئیں اور چلی گئیں، یا اس قدر اقلیت میں رہیں کہ انکو ہندوستانی قوم میں بجز مذہم ہو چکے اور چارہ کا نہیں تھا لیکن سماج خلق کی حیثیت سے آئے اور یہیں سکونت گزریں ہو گئے مسلمان اپنے ساتھ زندگی کا مستقل فلسفہ مکمل منسلک حیات لگے جو فکری و عملی راہوں کو مکمل طور پر ہمارے سامنے کھولتا ہے۔

ان دونوں تہذیبوں کے تصادم سے صدیوں کی کوششوں کے بعد ایک تیسری تہذیب عالم وجود میں آئی جسکو مغربی تہذیب کہہ سکتا ہے صدیوں کی کوششوں کے بعد ابھی کہیں تہذیب کو بڑھنے ہوئے سیکڑوں برس گھماتے ہیں۔ یہ انسان کی انفرادی زندگی نہیں ہے بلکہ لاکھوں انسانوں پر روا جماعتوں سیکڑوں گروہوں کی اجتماعی زندگی کا دستور و لاغر عمل ہے۔ جسکے تعمیر میں سینکڑوں سال کا صرف ہونا کچھ بعید از قیاس نہیں اسلئے گو مسلمانوں کی حکومت کا آغاز آٹھویں صدی سے ہو جاتا ہے لیکن ہندوستانی تہذیب کو گنگا جمنی تہذیب بنانے میں ٹھہریاں لگ گئیں یہی وجہ ہے کہ تہذیب کی تعمیر کا ہم تہذیبی سست رفتار سے ہوتا ہے لیکن تخریب بہت جلد پاتا قبضہ چاہتی ہے۔

میں سے کون ایسا باہر ہے جو کچھ جیسی بد صورت لڑکی سے شادی کے لئے آدھ رہے
میرے پاس میں تاک اٹکھ عانت زبان ہر منٹ سب کچھ لے میری زندگی
قابل رشک ہے میرے خدو خال میں جس جلاش ذکر و میرے اعضا کی موزونیت
پر خود کرنے کی محنت ڈالنا تھا وہیں لاکھوں خواہشورت لڑکیوں سے بہتر ثابت ہو چکا
کیونکہ میرے پاس محبت کرنے والا دل ہے میں جس قدر تن کی محمدی ہیں اسی قدر
من کی اپنی ہوں۔ پلو۔ جلدی پلو۔ مجھے کون قبول کرے گا میں اس کے گھر کو جیت
بنادیتی ہوں اس کی اس قدر خدمت کر دیتی کہ جتنی کہ کسی عورت نے نہیں کی
— اچانک کہیں کی کہیں ہٹا لے گی کی آواز بن کر اس کے لاشعور میں گونجنے
لگتی اور وہ جب جگا کر اپنے سامنے جسم کو اس زور سے دبا لے گی کہ خود اسے کچھ آجاتی
اور یہ کچھ اسے اپنے خواہش اور دالے کہیں کی تمہید معلوم ہونے لگتی۔

مریم کا رشتہ کشتوم کو نظر انداز کر کے آخر کر ہی دیا گیا جس وقت مریم کی ہونے والی مندوں نے مریم کو سونے کی انگوٹھی پہنا کر اس کے سر پر تیشی بنا کر ذوق برق دو چاندالاتو کشتوم کو محسوس ہوا کہ جیسے اس کی فائیت کی وہ دھانستہ توجہ بن کر گئے تھے اس دم کی گھیس کی گئی ہے صرف ہلکے ہو سکے اس کے رخسار کشمیری سیبوں کو شہلے سے مفرد تھے اس کی آنکھوں میں مشروب کشید ہو رہا لیکن بھی اس اسبابہ رنگ ہزاروں دھاؤں کے استعمال کے باوجود چھپتی رگھمت سے مبدل نہیں ہو سکتا تھا اور اس لئے اس منظر سے اس کے دل پر گھونٹ لگ گئی کہ ایک ہندوستانی لڑکی کی طرح اس کا فرض تھا کہ وہ خاموش رہے خواہ اس کی جوانی کو دیکھ ہی کسوں نے مات چلے۔

اس خفیہ کے کچھ ہی دن بعد مریم اس کو جوانی کی آگ میں سلگتا چھڑ
 کر اس کے خوالہوں والے نوجوانوں میں سے ایک نوجوان کے ساتھ چلی گئی ان معاملے سے
 گذر گئے تھے جو کلام کو انکھول موڈ بن میں مریم کے ہاتھوں کی ہنسی سے
 زیادہ شرمناک دیکھ رہے تھے مریم کے چلنے کے بعد کلام بھر بھی بے تاب
 ہوئی وہ اپنی مصداق جوانی کو کھینچ دینا چاہتی تھی اس کے اعضاء روندے چلنے کے
 لئے بے چین تھے اس کا دل کسی چوڑے سینے سے ہم آغوش نہ ہو سکتا تھا اس کی
 جیسے جسم کو کوئی بھی تھوڑی ہی آغوش میں سینے کو آمادہ فکر نہیں تھا تھا بلاش
 ہستی ہی ہوتی ا — اور بعد وہ خدا اپنے سے ٹھیک فریاض

[illegible]

پڑھ رہے تھے اس کے باہل قریب آکھد ہائی سے احمد سے پوچھ جاتا اور معلوم نہیں کیا!۔۔۔۔۔ اس کی سمجھ میں ٹھیک سے نہیں آتا کیونکہ اس سے زیادہ اس نے کتابوں میں بھی نہیں پڑھا تھا البتہ بھائی کی منگی تصویر والی کتاب جو وہ اپنی اسکول کی انگریزی کی کتاب کے نیچے رکھ کر اکثر دیکھا کرتا تھا اس نے بھی دودھ سے بھیجی تھی اور ایک دفعہ چرا کر وہ اسے ضلع خانہ میں لے بھی گئی تھی مگر روکی وجہ سے وہ اسے پڑھ نہ سکا تھا وہ دیکھ سکتی اور اسی نے اسی تصویر والے کے نقوش کس ذہن میں ترسیم نہیں ہو سکے تھے تو وہ نوجوان کی اس پراسرار ہم نشینی کی لذت محسوس نہیں کر سکتی تھی مگر پھر بھی پارس جوانی اس کے لئے ایک کیف کی مثل تھا اور کیف کے اس نقطہ حریف پر یکا یک اس کی آنکھ کھلیا تو اس وقت اس کا دل پینے کی طرح چلتا ہوا جوتا اور مصائب میں ایک خاص قسم کی اطمینان ہے۔۔۔۔۔ اس کے پاس الفاظ ہی نہیں تھے کہ وہ مصائب کی اس پر کیف زمین کو بیا کر سکتی۔

جوانی کے اس مرحلہ پر دن و رات ایسی ہی خوشگوار آئینیں اپنے جلو میں لے رہے تھے۔
 پہلے چار بے تحاشے فکری تعلقے، اگلے پانچ پر تقاضے کے چار تھے مگر کم از کم یہاں
 اپنے ماں باپ کی اس لئے نہیں پہنچا سکتی تھی کہیں باپ کی سرگوشیوں کا یہ راز اس
 تک پہنچ گیا تھا کہ:-

انہوں نے لڑکی کو خستہ کیا تھا!
کیا اس کی وجہ سے ہم بھی رہ گئی؟ اور ماں کی بیکساز نایب کے
یہ جملے کہ۔
”کلوٹم کی قسمت میں نہیں ہے۔“

ہر مسکراتی مگر مسکراہٹ پر دل لگے اس الجھے ہوئے مصلیٰ نے خوش کنہ سے قہار
سُنی سوچے سوچے وہ تمک کہ لہڑتی زبور پڑے گنتی گمراہ سے بکسوں کی پرتی بڑ
ایس جوتی جیہہ راشد الخیر کی جیہہ جاکر تاجیہا ہمیشہ اس کے سر پہنے نکلتی ہیں

مشابہ کی ابتدا اور خوشبو سے نوجوان کا دماغ مائل ہو گیا۔
اور کچھ ہی دن کی ان گہرائی پر ہی پہلی قافلوں نے کلثوم کے رخساروں اور ہونٹوں سے
جہان آباد کی کاشی کی طرح پوری کاشی لگا کر رکھ دی۔
مالی لکھن ہوئی پر کچھ رنگین کی کالی طوٹ کلثوم سے بیان کر دی اس کی کفن شریک
اس نے نہیں کی جاسکی کہ زمین اس کے لئے موزوں نہیں تھا وہ صوفے کلثوم سے ہی
کھڑے ایک قدم پر گئے بڑھ چکے تھے اور وہ نہیں تھی۔ گو وہ اس شخص سے ہی ہرگز
لکھنا نہ دیکھتا تھا مگر اس کی ہنس سے گھبرا کر وہ رہا ہوا تھا کہ کارپس نہ
تھا اس نے اس کے سر پر لٹے اور لکھتے ہوئے لکھ میں اس نوجوان سے کہہ دیا
کہ صوفے کا اندازہ حاصل کر کے اس کی شریک بیان کہ کہہ دے نوجوان کہ اس
جو بہت چکا لکھی کہ

”اس کے بڑی بچے پہلے سے موجود ہیں۔“

چند دن تک نہ کچھ کار کیا، ان کی اور بھی
ہوئی ملاقاتوں سے محروم رہی لیکن ایک دن کلثوم نے اپنی زندگی کے سب سے
پڑے فیصلہ کن اور نام کا انتخاب اسی زین میں کر دیا۔ یہاں وہ اس نوجوان سے
گول گول کر رہی تھی اس کی خوشی میں اپنی لپٹ کر سمٹ رہی تھی اور
نوجوان کے ہر مرتبہ کہنے پر کہ ”تھکے ہو، ایلے کے آئے کا وقت چکا“ وہ اس کے گلے
میں اپنی بائیں سائل کے گیسے سے اپنی طرف کھینچ لیتی تھی اور چپ چاپ اس کے
چہ نیاز ہو کر وہ سب کچھ جان لیتا تھا اپنی تھی جس کے ہانے کی اس کے چمکنا
نہیں کی تھی گو نوجوان اس سے اس وقت یہ سب کچھ بتانے سے معذرت کرتا کہ یہ کلثوم
کا باب اس کے لئے بڑی حد تک غور کا تھا وہ اس کی اس سے بالکل نہیں ڈرتا
تھا لیکن باپ کے نام سے اسے جبر جبر آ جاتی تھی کیونکہ باپ مام طور پر غور کا
پھا کرتے ہیں۔

غور کا کہہ جوتے، لائیں، گھونے، بونڈے
گھولہ، بندھتی یہ سب گھرا اس کے ذہن میں تیزی سے گھونے لگے۔ کلثوم کا
لس جہان آباد کی اس غور کا کہہ کر سکا۔ اور کیا ایک بچہ نہیں ہیں
جو توں کی چڑچاہٹ سنا جی دی وہ گھبرا اور اس سدا سلی کی حالت
میں کہا۔

”اب“

کلثوم نے اور دانی سے غفلت نہ کی طرف اشارہ کر دیا۔ نوجوان تیزی سے
غفلت میں غائب ہو گیا۔ مگر جو توں کی چڑچاہٹ نے زمین میں کچھ سرسبز ہٹ
سہی تھی اور ذہن میں کئی برس پہلے کی سی بدگمانیوں نے رنگینا شروع کر دیا

تھا اس نے سلو سلو کہے موقوفات کے گیارہ بجے زمین میں موجود کیہ کر اسے
پر چھٹا ہی پا کر آخر وہ یہاں کیا کر رہی تھی!
”کچھ نہیں“ کیونکہ اس کے طور اور اس کے پاس جواب ہی کیا چھٹنا
تھلا اور رنج کی روشنی، اور ہر اوجھ بھینکے کچھ اور کچھ زبان سے۔
مگر ایک سائے غفلت نے اس کی کپڑے کے ارتعاش نے کلثوم کے
اس کام کے بارے میں اسے سب کچھ بتا دیا۔ وہ زمین میں گڑھی ہوئی اور غم سے
رہی تھی۔

محبت کے غم سے ہرق کو گدگدی! سب کچھ میں گیا پڑنے اور توں کی
عزت باپ دادا کی بڑی محنت سے کمالی ہوئی عورت! جس پر اسے ہر تھا۔
وہ بچہ پیہ تو اس کے باپ دادا کے پاس تھا ہی نہیں اور ہوتا بھی کہاں سے
کیونکہ جس قدر وہ پیر فانی ضوابط کے بعد بچتا تھا اس کی عورت میں کی
گئی تھی جو اسے داشتہ کر میں تھی جس پر غم کی کچھ تھا جس میں وہ ہر بار
لے ہار تھا اگر مرنے کے بعد وہ اپنی اولاد کے لئے اس کے کہیں زیادہ عورت چھو
جائے جو اسے اپنے باپ دادا سے وہ میں تھی کیوں نہ کہ وہ سب سے
اسے ایک مارکٹ سے منہ مانگے ماحول پر غم سے ہر تھلا۔ یہم خاں کا ہندہ ہو کہ
بنگال کا مادہ اور جی ترے شیش ڈالٹیس سیونگ سرٹیکٹل کمسٹریو فز
اس کی رائے میں یہ ایک مارکیٹ نہیں تو اور کیا کہتے۔

عورت! ایک تھلا اور وہ بڑی دولت تھی، اسے کوئی گورنمنٹ کی حد سے
اور کے نوٹوں کی طرح شروع نہیں کر سکتی تھی۔ مگر آج اس کی ہٹ لگائی کلیم
کوئی گورنمنٹ نہیں کر سکتی تھی وہ کلثوم نے کہہ دیا تھا۔ اور پھر اس نے اس
لیجے کے غفلت سے کمال لیا اس کا دل اسے مجبور کر رہا تھا کہ وہ کلثوم اور اس
نوجوان کو قتل کر سکا اور ان دونوں کے سروں کو ہم سے جدا کر کے گیند کی طرح ان
میں ٹھوکر ماری لگتے اور پہلے ہی گولی مارے!۔ بے وقوفی کی زندگی سے
عورت کی صفت ہم سب پر مگر پھر اسے خیال آیا کہ اس کے اس اقام سے اس کی کڑی
ہی عورت خباہتوں میں جذب ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی مگر وہ
اس پر ہی عورت کو پرورد رکھنا چاہتا تھا اور اس کی عورت تو اپنی پوری
رفائیلوں کے ساتھ اس کے گھر کے باہر چلے گئے تھی۔ مگر یہ قتل اس رفائی کی بڑی
سے بدلہ میں ہے اس کا خاندان اس کی لڑکی سے زیادہ بڑھ چکا اور عورت
میں تبدیل ہو جائے گا جس کے لئے مگر یہم کی خوبصورتی ہی کچھ ذکر کی گئی۔
اور پھر اسے وہ مگر نوجوان کی بددلتی پر غصہ نہ لگا۔ اس نے جھنجھکا کر اس
بول تو اس سے شادی کے لئے اٹھ ہے اور نوجوان نے جب ہٹنا

تجربہ جالی

مرکز!

’الغلاب زندہ باد‘
 سلیم بھائی فوجی اندازہ میں سلوٹ کر رہے تھے۔
 ’الغلاب زندہ باد‘ اعرس آپا سکرادیں، آف ان کی مسکراہٹ۔
 کس قدر زمین مٹی کیسی شیریں، کتنی چہرے۔ شاید زندگی میں پہلی بار میں نے
 ان کی آنکھوں میں ایسی چمک دیکھی تھی ایسی کہ پر یار جی شایمیں سلیم بھائی
 کو دیکھتے ہی جانے کی ساری تلمیذیں سے محو و خجیدگی آن و اعدیں
 نیت منہ خاں ہو جاتی۔ اور اس کے بجائے ہلکی ہلکی مشغلی تھمتا ہٹ ان
 کے زرد زرد رخساروں سے چھوٹ پڑی۔ ایک ایسی بے پایاں شگفتگی کہ
 مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ابھی وہ شفیق الرحمن کا کوئی دلچسپ افسانہ پڑھ رہا
 کر اٹھی ہوں۔ تو یہ بات تھی۔ میں نے سجا۔ ’الغلاب زندہ باد‘ مٹا مجھے خیال
 تمام نرزدہ ریلوں کا بوجھ صرف، انہی کے کمزور گاندھوں پر ہر
 جب دیکھو دھالوں میں مستغرق، ہمیشہ کتاب ہاتھ میں، دنگا ہیں ورق پر۔
 اور باتیں کر رہی ہیں۔ کھانا میز پر چھینا ہوا ہے۔ آپ ہیں کہ اس ابھی آئی۔
 یہ آئی۔ ذرا یہ صفحہ ختم کر لوں۔ یا اللہ یہ کتب بینی۔ آئی چڑ کر بدلتی
 گرا با حضور کہتے، ’تو کیا ہوا۔۔۔ آئی سے ابھی‘ اور خواہ مخواہ مجھے ان
 دونوں ابا حضور پر غصہ آنے لگتا۔۔۔ ہاں ہم کی کام میں ذرا دیر کر دیں تو
 فرحت تم بہت کام چور چوتے جارہے ہو۔ اور ردی تم بہت شست ہو
 گئی ہو، اور اعرس آپا خواہ کچھ بھی کریں، کھانا لھائیں یہ نہیں، کسی سے بات
 کریں یا نہیں کسی کام میں ان کے ہاتھ تیز چلیں، یاد دھیرے بہر حال ابا
 حضور کی نظریں ان کا ہر فعل مستحسن ان کا ہر کام بہت خوب بہترین وہ
 دیکھ کر کھیں کسی طرح طرح کی کتابیں دیکھتی ہیں۔ صفحوں قلم ملاتی
 رہیں طرح طرح کے بیگار مستحسن دیکھتی رہیں۔ وقت کو فضول بر باد کرتی

رہیں۔ لیکن خدا جانے کیوں اہا کو ان سے اتنی محبت تھی کہ ہمیشہ اعرس آپا کی تعریف
 و توصیف سے انہیں ایک صلح کی روحانی سرست ہوتی تھی۔ میری بیٹا اعرس
 اتنی سنجیدہ ہے ایسی بلند ذوق ہے۔ یہ ہے وہ ہے۔ اس کا مستقبل
 یوں شاندار ہوگا۔ یوں دنیا کے بڑے آدمیوں میں گنی جائیگی۔ ملک و قوم
 کے لئے وہ جو کچھ کر رہی ہے اس کا جواب نہیں۔ کوئی جواب دینا تو انا
 پڑتی۔ لیکن مجھے خواہ مخواہ ابا حضور کی زبان سے اعرس آپا کے لئے تعریفی
 الفاظ سن کر ایک طرح کی شدید روحانی تکلیف ہوتی۔ اور میری طبیعت
 چاہتی کہ کچھ نئی طرح روٹوں خوب گلا بھرا سجا کر، اور جرجہ جرجہ کر کہوں، اعرس
 آپا کی تعریف مت کرو۔ مت کرو۔ مجھے ان سے نفرت ہے۔ ان کے نام سے
 نفرت ہے۔ ان کے کام سے نفرت ہے۔ وہ انسان نہیں۔ کتابوں کا کیڑہ
 ہیں۔ بھاری ہیں۔ کہ نہیں ہیں۔ بار بار میں نے اعرس آپا کی حکم عدولی کی تناکوت
 چھٹا سمجھ کر کچھ پر خفا ہوں۔ مجھ سے تلخ لہجہ میں گفتگو کریں۔ اور میں روتے
 کر پورے گھر کو سر پر آٹھالوں تناکراتی جان آن پر خفا ہوں۔ اور مجھے
 مزہ آئے، لیکن یہ غیر معروف ساجدہ انتقام بھی بھی شرمندہ تکمیل نہیں ہوا
 میں ہمیشہ ناکام رہا۔ ہر قسم کی بد نظیری پر ہمیشہ اعرس آپا نے پیار سے شیریں
 لہجہ میں بزرگوں کی طرح نہیں بلکہ کچھ نئی طرح مجھے سمجھایا۔ جیسے۔ روحی میری
 ننھی مٹی بہن جاؤ تم ہی آٹھالا وہ کتاب، دیکھیں تو کوئی کیا کرتا ہے تمہارا۔
 اور میں ایسا محسوس کرتا جیسے وہ مجھے چڑا رہی ہوں۔ میں غصہ سے لال پلا
 ہو کر روحی کو بھی ڈانٹ دیتا۔ خبردار جو بھی ہے ٹانگ توڑ ڈالوں گا۔ غریب
 روحی دہیں ہم کر رہ جاتی۔ مگر میری اعرس آپا کی تیوریوں پر بل نہیں پڑتے
 ان کے بشرے سے غم غصہ دار ناگواری کے آثار کا ذرا بھی اظہار نہیں
 ہوتا۔ وہ خود ہی کتاب لیے چلی جاتیں۔ اور احساس شکست کی ایک تیز ذند

ہونٹوں کے کناروں پر کانپتی ہوئی مدھی مدھی لاندال مسکراہٹ ۔
 متین و مخروں لیکن اچانک یہ لاندال اور متین مسکراہٹ ہونٹوں
 کے سنگم سے ٹوٹ کر جانے کو نہ ہی بے نام و نشان غلغلتوں میں کھڑی گئی۔ اس کے
 بجائے ان کے بشرے سے ایک تیغ اور ناقابل برداشت بے نیازی بل
 پڑی۔ جیسے کہ ان کے شعور اور لاشعور کے درمیان کوئی شدید جنگ ہو
 رہی ہو اور انہیں کے ہر گوشے میں دیرانی۔ بدعالی انتشار اور شکستگی کے
 سوا کچھ ہی نہ ہو کچھ بھی نہیں۔ زہر ملا دھواں۔ ہلاکت آفریں دھند
 اب ہر وقت احرار آپا کھوٹی کھوٹی ڈوٹی ڈوٹی سی رہنے لگیں
 اکثر کتابچے پر تھے ان کے حلق سے ایک گہری سانس نکل پڑتی۔ وہ کتاب کھ
 کر سرخام بیتیں یا دور افتاد بیویوں کی عشق و محبت کے تجسس میں گم
 جاتیں۔ پھر آپا آپ خواب سے بیدار ہو کر سنہری کنبوں والا چشمہ
 شیک کرتیں اور اپنے اشار و گردید ہی سی پھیلتی ہوئی نگاہ ڈال کر ادھر ادھر
 میں جو ہو جاتیں۔ مجھے جلنے کیوں ان کے اس کھوٹے ہوئے پن سے
 دھشت سی ہونے لگی۔ دل ہی دل میں ایک سہم سا خدشہ بھڑکنے لگا۔ ان کو
 ہر وقت غمگین اور اداس دیکھ کر میری اپنی دلی خواہش کے برخلاف خوشی کے
 بجائے ایک طرح ناقابل فہم آنکھیں ہونے لگی۔ اور طبیعت چاہتی کہ کچھ کر
 ڈالوں۔ مگر کہا؟ یہ وہی خود ہیں جانتا تھا کہ کیا اللہ یہ احرار
 آپا کیوں اس بیدردی سے مرے احساس کامرگز بنی ہوئی ہیں؟ میں
 کبھی کبھی تنہائیوں میں یا اسکول کے کسی خالی گھنٹہ میں میز پر محال کھ کر
 سوچتا۔ اور میرے دل کی ٹھہرائیں میں پھیلا ہوا اجماعی بیدار ہو کر کبتا مری
 آپا پیاری آپا۔ اچھی آپا بناؤ نا آخر یہ تمہیں ہوا کیا ہے؟ تم پر ایسی کون
 سی افتاد آپڑی ہے جس نے تم کو سر سے پاؤں تک رد کے رکھ دیا۔
 اس قسم کے بہت سے سوال اس لئے اور بھی میرے ذہنیہ غول میں گونج
 اُٹھتے کہ ایک تو فہم ہے۔ سے غیر معمولی طور پر زندگی کے عام راستوں پر
 سے علاوہ اپنا ایک راستہ بنانے ہوئے تھیں اس پر مزید کہ یہ کہ زندگی
 کی مضرب سے رہا سہا سزا بھی چھن گیا تھا۔ لیکن کیوں؟ کس خط کی
 پاداش میں؟

اور تو کوئی نہیں تھا جو ان کے اندر مٹی سوز کا پتہ چلا سکتا
 ایک سوائے اما حضوں کے جو بارہا کوشش کے باوجود ناکام ہو چکے تھے
 البتہ اگر سلیم جی ہوتے تو شاید بلکہ یقیناً یہ مات واضح ہو جاتی ہے کہ
 ہر دم۔ ہر گھڑی۔ ہر آن اوسبوں میں ڈوبے رہنا کن بیادوں پر متل ہے

کیز کو سلیم جی ہی ایک تنہا ان کے سچے ہمدرد ہمد۔ پھیلا اور حقیقی غمگسار
 تھے۔ لیکن کون جانے وہ ان دنوں کہاں تھے۔ سنگاپور۔ براہ اور طلبا کے حلق
 سید ان میں بہادری کے جوہر دکھا کر وہ ڈیڑھ سال سے جلنے کہاں غائب
 تھے۔ کاغذ وہ یہاں ہوتے جن دنوں وہ یہاں تھے تو تقریباً ہر روز ان کا ہاتھ
 یہاں تاخیر کسی مقام ابا حضور کو ان سے دلی محبت تھی اور لدکی طرح حالانکہ
 وہ ہمارے چورچی زاد بھائی تھے۔ تاہم ہمارے دلوں میں ابا حضور کے بعد کسی کا
 احترام تھا اور صرف ان کا۔ وہ بذات خود بھی اس قدر دلچسپ اور قابل مہم تھے
 کہ خواہ مخواہ طبیعت چاہتی کہ ان سے باتیں کئے جاؤ۔ ان کی باتیں سننے جاؤ۔
 وہ مشکو اس قدر دلچسپ انداز میں کرتے تھے کہ دل میں گنگدی ہونے لگی
 ایسا سلیم جی سے ان کے حلق میں گمانیاں لگی ہیں۔ ان کی آواز میں گونج
 بیٹھے بیٹھے دل کش اور سہلے گیتوں کے سر گھلے ہوئے ہیں۔ جب دیکھو
 جنتے ہی رہتے تھے۔ جیسے ان کی روح کی گھرائیوں میں شگفتگی اور مسکراہٹوں
 کے ہزاروں شہستان آباد ہوں۔ جیسے ان کے سینے کی لاکھوں دوستوں میں
 رنگ و بو کے لاکھوں جہان بسے ہوئے ہوں۔ جن میں ہمیشہ کوئیں کوئی۔ بقی
 ہوں۔ کلیش چلتی ہوں شگونے کھلتے ہوں۔ بلبلیں گاتی ہوں۔ مور ناچتے
 ہوں۔ جھرنوں کی موسیقی گونجتی ہو۔ اور یہاں ان کو پروں کی بہت سی
 اچھی اچھی کہانیاں یاد تھیں۔ مگر وہ اس قسم کی کہانیوں کو جانے کیوں لغویت
 سے تعبیر کرتے تھے مگر ہمارے اصرار پر ایسی لہو کہانیوں کو سنا ضرور دیتے تھے
 اور ہم سننے یوں تھے کہ اس وہ بولے جاتیں اور ہم سنیں جاتیں۔ ایک روز دوسری
 نے ان سے پوچھا کہ بھائی جان جب آپ ان کہانیوں کو لکھتے ہیں تو جیسے
 ستارے کیوں ہیں۔ تو کہنے لگے کہ دراصل دنیا میں اگر کسی چیز سے مجھے ڈر لگتا
 ہے تو دل شکنی ہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ میرا لکارتھ سب کی دل شکنی کا باعث
 ہو گا۔ اس لئے سنا دیتا ہوں ورنہ اور حقیقت بھی تھی کہ انتہائی
 وصول اور مسکراہٹ المراج تھے۔ کسی کی ذرا سی تکلیف برداشت کرنا ان کے لئے
 ناممکن تھا۔ ان کو اپنی اس گزوری کا پوری طرح اعتراف تھا کہ اکثر سنے
 ہوئے نعتیوں کی مفروضہ داستان غم بھی سن کر متاثر ہو جاتا ہوں۔ حالانکہ
 جانتا ہوں کہ جو کچھ کہہ رہا ہے اسے لے کر ہی تک غلط ہے۔ مگر بھی ان کو ان
 کی توقع کے خلاف خالی ہاتھ واپس لوٹا دیتے کبھی نہیں ہوتا۔ وہ کہتے تھے کہ
 اس طرح وہ بہت بڑے حجم کا تنگاب کرتے ہیں۔ یعنی نعتیوں کو بغیرات
 دے کر وہ ان کو عملی حدود و جد اور جائزگائی کرنے کی قوتوں سے محذور کر
 دیتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے دل کی گزوری سے مجبور تھے۔ میں نے بار بار ایڈیٹ

پھر دوسرے شخص جو کسی المیہ کی ٹیکر کی اندر لوگین آواز سن کر ہی ان کی ٹیڑھی پر جھپٹتا ہوا انھوں میں آئندوں کی بائیک بائیک لکیر کا پینے لگتے ہیں۔ کشتہ ویشالی پر فکر کا مدد جزیرہ قرار دے لگتا۔ لاجی ناک کے پائے پر مندی مندی شرمیلی آبل کعبہ ہونے لگتی اور جتنے راز تھوڑی کھار کے چاک کی طرح پھیل کر گول ہو جاتی۔ کثرت سگریٹ نوشی سے بادامی اور شاید زلیست کی تلخیوں کے احساس سے بھیجے ہوئے ہونٹ ایک دم داہر کر کا پینے لگتے۔ مگر فوراً ہی ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کے سرمئی آئینوں کے پیچھے دو سننے نئے شرارے کانچے اور پتلیاں ایک دم شعلوں کی طرح جل اٹھتے، ات اس غلام ملک کا ہر فعل غلامی کا آئینہ دار ہے۔ یہاں کوئی ٹھیک سے رو بھی تو نہیں بکتا ہنسنا تو درکنار رونا بھی نہیں آتا۔ ات یہ غلامی۔ چروہ اپنے بادامی ہونٹوں کو اسی صفی کے ساتھ بھیجے لیتے۔ ان کے ہر تاثر پر ہر فکر کا حاصل ہی ہوتا ہے ہم غلام ہیں۔ ہم غلام ہیں۔ غلامی اور آزادی۔ اُٹھتے بیٹھتے وہ بیٹے سلسلی غلامی سماجی غلامی۔ سیاسی آزادی۔ سماجی آزادی۔ امرس آپا سے ان موضوعات پر وہ بحث کرتے کرتے صبح سے شام کر دیتے مگر میر بھی کوئی فیصلہ نہیں ہو پاتا۔ اور مزہ یہ کہ ایسی خشک باتیں کرنے میں نہ وہ گھبراتے نہ امرس آپا بچے امرس آپا پر غصہ آئے لگتا کہ دوسروں کو تو زیادہ باتیں کرنے سے منع کرتی ہیں اور وہ دے لے یہ کوئی بری بات نہیں۔ اور میر یہ کہ مٹی باتیں دلچسپ ہوں تو کوئی بات بھی ہے۔ امرس آپا سماجی آزادی کو مقدم سمجھتی تھیں، اور سلیم جانی سیاسی آزادی کو۔ بس اتنا سازن تھا کہ گھنٹوں لگ جاتے۔ کوئی ایک بھی اپنی طرف سے ایک اپنی بھی کھٹکے کا نام نہیں لیتا اور جب باتیں حد سے تجاوز کر جاتیں اور فیصلہ نہیں ہو پاتا تو اگلی نشست کے لئے چھوڑ دیا جاتا۔ ظاہر تھا کہ دونوں آزادی کے طلبکار تھے۔ دونوں انسانوں پر انسانیت کا راج چاہتے تھے۔ دونوں کا نظریہ عالمگیر تھا۔ دونوں ادنیٰ نیچے۔ چوٹے بڑے۔ امیر غریب۔ کالے۔ گوروں کا امتیاز دنیا سے حرف باطل کی طرح مشوہ کیا جاتا تھا۔ دونوں کی منزل ایک تھی۔ مگر راستے جدا جدا۔ لیکن ایک روز آپ ہی آپ یہ فیصلہ ہو گیا۔

شاید شام کا وقت ہو گا۔ امرس آپا اور سلیم جانی پارک کی طرف والے برآمدے میں آرام کر سیں پر بیٹھ باتیں کر رہے تھے۔ امرس آپا کہہ رہی تھیں..... ہمارے دل۔ دماغ اور ذہنوں پر غلامی کی مہر لگی ہوئی ہیں ہم اس قدر نسبت ہمت اور مردہ چمکے ہیں کہ محمول کر رہی ہمارے ذہن میں اپنے لہر چلے ماحول سے بناوٹ کا احساس بھی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم سماجی مشکوں

شاید شام کا وقت ہو گا۔ امرس آپا اور سلیم جانی پارک کی طرف والے برآمدے میں آرام کر سیں پر بیٹھ باتیں کر رہے تھے۔ امرس آپا کہہ رہی تھیں..... ہمارے دل۔ دماغ اور ذہنوں پر غلامی کی مہر لگی ہوئی ہیں ہم اس قدر نسبت ہمت اور مردہ چمکے ہیں کہ محمول کر رہی ہمارے ذہن میں اپنے لہر چلے ماحول سے بناوٹ کا احساس بھی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم سماجی مشکوں

خوب..... لیکن ایسا کیوں ہے.....؟ سلیم جانی نے اپنے مخصوص انداز میں سگریٹ کا دھواں ایک ٹیکر کی شکل میں منہ سے نکالتے ہوئے کہا..... ”کبھی تم نے اس کے بنیادی ماسباب پر بھی غور کیا ہے۔ کبھی سمجھ کر یہ بھی سمجھا ہے کہ آج ہم میں اتنی خامیاں کیوں ہیں۔ جن کو تو بچا ہے

ہڑتالیں ہوئیں۔ مظاہرے کئے گئے، بچوں اور بزرگوں پر گولیاں چلیں۔ لاشیں چارچ ہڑا۔ گرفتاریاں کی گئیں۔ اور اس کے بعد جانے کیا ہوا۔ مجھے ہندوکانہ گلی کوچوں میں سٹائی دیئے لگا۔ انقلاب زندہ باد؟ میں نے کئی بار سوچا، آخر اس سے مراد کیلئے۔ لیکن سمجھ میں خاک نہیں آیا۔ کب۔ وز میں۔ نے ہمت کر کے انہیں آپا سے بوجھ ہی لیا وہ پولیس انتظامیہ کے ہاتھ میں آئے۔ میں نے کہا اسی۔ اس کا کیا مطلب ہوا؟ سلیم بھائی آکر بتائیں گے۔ یہ کہتے ہوئے ان کے چہرے پر ایک اذکھی روشنی آگئی۔

میں نے کہا۔ کب؟

مشاہد کل پارسوں اس وقت اس کی آنکھوں میں ایسی عجیب سی کشش تھی کہ خواہ مخواہ میں ان کی صورت دیکھنے لگا ایک طویل عرصہ کے بعد میں نے ان کے لبوں میں مسکراہٹ کی باریک باریک لکیریں تھوڑی تھوڑی ہوئی دیکھیں۔

سپرک کا وقت تھا۔ اب حضور انیس سے واپس نہیں آئے۔ اسکول کی تعطیل تھی۔ میں لاٹری میں مٹیوں کی نئی کتاب دیکھ کر، کٹاٹھل دیکھ رہا تھا اور انہیں آیا تیری۔ سے کہہ سکتے ہیں بہت سے مصروف تھیں اور آواز پر کارکن کی آواز اور انہیں ہنگامہ آرائی کے باوجود ہم دونوں اپنی جگہ سے نہیں ہٹے جانتے تھیں۔ مجھے رہ رہ کر آرٹسٹ پرغصہ آ رہا تھا کہ آخر اس عریاں تصویر کے بنانے سے اسی کا مقصد کیا تھا؟ کہاں ہیں انہیں ایک ایک بوٹی کی آواز کو چیرتی ہوئی ایک مٹی سٹائی آواز سنائی دی۔

’لاٹری میں مٹی کی آواز ایک عجیب سی تھوڑی تھوڑی تھی۔‘

’انقلاب زندہ باد‘ میں نے لگا دھا کر دیکھا۔ سلیم بھائی دروازے میں کھڑے باقاعدہ فوجی انداز میں ملوث کر رہے تھے۔ ایک لمحے کے لئے مرے دل میں ایک اذکھی سی خواہش پیدا ہوئی۔ کاش میں بھی اسی طرح اسی انداز اسی سلیقہ اور اسی آزادی۔ سچائی و عقیدت کے ساتھ سلوٹ کر سکتا۔

انقلاب زندہ باد۔ انہیں آپا مسکراہٹیں تھیں۔ اُن ان کے ہاتھ کس قدر رنگین تھے، کیسی شیریں، کتنی پرخند۔۔۔۔۔ شاید زندگی میں پہلی بار۔۔۔۔۔

میں نے اس کا خلاقی اور انسانی فرض سمجھا کہ وہ شہر کے خلاف جنگ میں حصہ لے رہا ہے وہ اپنے سیاسی نظریوں کے اعتبار سے کتنا ہی مختلف کہیں نہ ہو انہیں آپ۔۔۔۔۔

شاید مجھے نیے کی ٹریننگ کے بعد ایک روز وہ میدانے چہرے پر مسکراہٹیں چمکائیں۔ بازوؤں پر سینڈ لینڈ ٹینٹ کاربنک چسپا رہے جانے کہاں، بہر حال جنگ کے فن و فن میدانوں میں آتش و آہن بارود اور خون کے ہولناک ساز پرنا چھتے تھے تاکہ کرشمہ حال انسانوں کی لاشوں کو روندنے کے لئے روانہ ہو گئے۔

پلیٹ فارم پر میں نے دیکھا۔ انہیں آپا کا چہرہ سٹا ہوا تھا۔ لیکن آنکھوں میں وہی عقابانی جھلک تھی۔ وہی رشتوں کے بر تو۔۔۔۔۔ دو سال تک مسلسل پابندی کے ساتھ سلیم بھائی خط بھیجتے رہے لیکن اچانک بذکسی اطلاع کے خط آنا بند ہو گئے۔ ایک روز اباحضور بولے سلیم کی باتیں جا پاؤں کی تہ میں ہے۔ اس کے بعد سے تو ایسا معلوم ہوا جیسے انہیں آپا کا چہرہ لاپلائی کیا۔ جب دیکھا، اداس، غمگین، کھوئی کھوئی ڈوبی ڈوبی۔ جیسے اندر ہی اندر کوئی روگ ان کی روح سے گھس کی طرح چوٹ گیا ہے۔ ان کی صورت دیکھ کر مجھے ہمیشہ سلیم بھائی یاد آ جاتے۔ کاش وہ وہاں ہوتے، میں نے انہیں آپا کو ستانا چھوڑ دیا۔ ان کے لئے بازار سے نئی نئی کتابیں لا کر دینے لگا۔ میرے دل میں ان سے ہمدردی کے ساتھ ایک قسم کا رجم بھی پیدا ہو گیا۔ میں ان سے محبت کرنے لگا۔ مگر پھر بھی ان کے دل پر چھایا ہوا غبار نہ بھٹا۔

اچانک ہیروشیما پر غیر مرئی وزن کا بم پھٹا۔ اور گویا تجربے کے دامن سے تیر کے سوتے چوٹ پڑے ہماری کائنات سے۔ اداسیاں غنائگیاں۔ پریشانیوں سادوں کے بالوں کی طرح جھٹکنے لگیں۔ دنیا کے حلق سے گہرا سانس نکل گیا۔ لیکن یہ گہرا سانس ذہنی الجھنوں اور ماقابل برداشت پریشانیوں کا منہ نہیں تھا بلکہ امن اور سکون کی تھوڑی سی ہوتی کوفوں کا وہ البانہ خوشخبر تھا۔

وہ میرے دھیرے دھیرے واپس آئے لگیں۔ قیدی پھر روئے تھے مگر سلیم بھائی نہیں آئے۔ لیکن ایک دن معلوم ہوا کہ لاٹری کی سنگلاخ چار دیواری کے درمیان ملک کے بہت سے جانباز ستیزوں کی بھیکار کے ساد پر ”چلو دی جلی“ کا ترانہ گاتے ہوئے لاٹری کو دے گئے۔ یہ ایک ہندوستانی سنجیدہ انقلابی فردوں سے گونج اٹھی۔

سلیمان اریب

تشیب

اے کہ وابستہ ہے تجھ سے مراد امان سخن
تو کہ موضوع سخن، روح سخن، جان سخن
تیرے باعث ہے مرے نیلو فر بلع جمال
رنگ فر دوس بریں میرا کلتان سخن

میری ہر نظم ترے پر نورخ سوشاداب
فیض رفتار سے ہر گیت مرا تارِ رباب
چشمِ مخور کی خیام نوازی کی قسم — !
میرا کمرہ چھلکتا ہوا اک جامِ شراب

جسم کے نور سے روشن نہ ہو کیوں مراد مارغ
جس کے آگے نہ جلا ماہِ دوہنہ کا چراغ
زلفِ شب تاب کی تشبیہ جو سو جی ہو جی
مہر کوئل نہ سکا میرے سخیل کا سراغ

تیرے ہونٹوں سے ملا نطق کو میرے اعجاز!
تیری بانہوں سے ہمیں امری نظروں میں گذر
کیا کہوں کیا ہو تصور تیری انگڑائی کا
غرض و کرسی سے ادھر ہوتی ہے مری پڑاؤ

کاش! میں یونہی ترادگر کروں، کرتا رہوں
پھول تو پھول ہیں افلاک سوتا رہے توڑوں
جب بھی فرصت ملے اک پل کی غم گیتی سے
تیری تصویر کے ہر خط میں یونہی رنگ بھروں

اشتیاق عارف

انتشار

ان میں بذات خود کوئی دلفریبی باقی نہیں رہی تھی اب کوئی جھیلانہ جہان بہ کیفیت راحتوں کے عوض انہیں پہنچا جو ان دس دینے کو آمادہ تھا اب ان کی خسرو حالی و چہرے کی بد رونق بھی لوگوں کو پس نہیں کرتی تھی جس کے قوم کے سنے ہاتھ چٹکا ہوئے اب وہ اپنی ہوس کا سہارا نہیں لیتی تھیں کیونکہ لوگ انہیں قابل ترہ نہیں سمجھتے تھے پھر بھی ان ابا بچوں مہے ۳۰ روں، اور کارفرما بنادوں اور کالوں کے لئے چاہیں کہ وہ مخلوق کے دروازے اٹھیں گا میں، ہونے، اسٹیشن اور پٹیا قائم موجود ہیں ان مقامات پر سبک لگاتی ہے، تو مہ کے گندے بچے قوم کی عزت کے سہانے پروان چڑھتے ہیں، آگے بڑھتے ہیں..... بھیک مانگتے ہوئے اور ای طرح کبیر کے استری کے ہونے چلون کی چمک دیکھ کر سیرامی کے قریب پاؤں اور نا امید کی کشمکش میں مبتلا..... ایک اور جیلر عمر کی عورت بھیک مانگنے کے لئے اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔

سیٹھ..... سیٹھ، وہ وقت سے بھر کچھ ہے..... عورت نے اپنی چھاتی سے چٹے ہوئے لافریبے کو اس کی نظروں کے زور دے کرتے ہوئے لیکن صورت بیکار کہا..... میں کچھ بچے اسے بھیک ملنے کی توقع تھی۔ کبیر کے تیز تیز قدم رکھنے لگے، اور قبل اس کے کہ وہ بالکل تمام جائیں اس کی رفتار میں پھوکی تیزی پیدا ہوئی لیکن عورت کو سلنے لڑے دیکھ کر اس کا چہرہ اور ہسیانک ہو گیا۔ ہٹ سلسلے سے..... اتھانے منسلک کے باوجود کی گالیاں ایک دم ٹھٹھکیں۔ وہ بچے کو بچہ، اسی کچھ منگنی پیرا حاس مجبور سے الگ ہٹ گئی۔..... ایسے اچلے پڑے پہننے والے سیٹھ کچھ نہیں دے سکے عورت کہنے لگی کہ سیرامی نہیں دیا نہیں آتی نہ سہی۔ لیکن اس نے نصیب کے کی ہوس کو اور کہ وہ میں تو اب بھی خیر نہیں ہوتا..... وہ اسے سیٹھ..... عورت کے ہونے احسا ماتنے اندر ہی اندر پکارا شہر دا کر دی۔

تھیک اسی وقت کوئی کی جیب میں پڑی ہوئی کئی پراس کی انگلیوں

میں کہ آخری سیرے پر بیٹے ہوئے باؤ بننے سے ایک دم کر سی سٹھتے دیکھ کر انہوں نے ناخن کھانے کھانے اپنا ہاتھ اس تیزی سے نیچے کو ہٹایا کہ سلنے لگی ہوئی پالنے کی خالی پیالی میں سیر پر ایک لمبی کھنک کے گناکھ اور بھگی بھگی غیرت یہ چوٹی کر لونی تھیں لیکن باؤ بننے میں عام انسانی نرود کی کھناؤنے راج کو رسا ایک دو سکر باؤ بھی کی لکڑوں سے بچا ناٹا ہاتھ وہ پوشیدہ نہ رہ سکا کہتے آٹھٹے ہاتھ باؤ بننے کے بائیں انگوٹھے پر ہمیں تراشیدہ ناخن کو دیکھ لیا تھا جوئے چاند کی طرح باریک..... لعدن کے قریب بقیہ ناخن سے جدا ہو کر ٹٹک راتھا کہ ابیت کے خدیہ اس سے اس کے چہرے پر۔ دگواریت، برست گئی۔

کم بخت جہنم بنے ہیں یہ..... اس کے نوپن پر دان کی صدائے باگشت ہو گئی اور وہ کاؤنٹر پر اپنی بھینک کر زیر لب خدا جانے کیے بڑا بڑا ہوا ہوش کی تینوں سیرامیوں کا سر چلائی اور بھائی کی نے دستہ طور پر اس کی فرقہ اور پیشانی کو ٹٹک سے سیاہ کر دیا ہے اور بے دوش کے لئے دھتکے پر۔ بھاگا جا رہا ہے۔

ہوش کے لئے لگا لگاؤں کی بیٹری لگی ہوئی تھی ان میں اپنا کچھ اور بچے اور اس کے کردہ صورت عورت زیادہ تھیں ان میں کچھ عورتیں، اب کوئی عورت نہیں تھیں۔ ایک والوں میں جانے چلتے ہوئے شبنا باؤ اتفاقاً حیرانہ تھت کہ ہایت کے اس بارے میں لیکن وہ تھی۔ بڑا بھیرت کر رہا تھا..... یہ منہ تیل کے ڈالے۔ قعر سے دانہ گر رہا تھا جسے وہ لٹک کے وہی کھاندا انہوں نے نہ کھا کر نہ کھیں اور جب ان کے بننے والوں کی جیسے سب سے پرانی تو وہ کسی کے دیوانوں دور کھنا دور میرے کرکتی ہوئی نکھیں، اپنی کو کھوں اور کو دوں نہ تھیں کے تھا کہ..... تھن پڑے کر گنا جوں بھی تھوں اور پھانسیوں میں رہنا تو کرنے ہونے تو ہونے۔ وہ اب وہی ان کے لگاؤں میں کالے پھلے ہوئے۔

پہلے گیس مرینجیک کنی آتی تھی کسی اس کے پاس اور اسے بھی ٹامک چائے
بھی پینا تھی سائے دھ پھیلائے ہوئے لیٹر بچے اور جوتے اس کے دل میں
سائے کی طرح مہین، غلط پیدا کر رہی تھیں اور وہ اس غلطی کی لذت اگلی کو
گھونٹ گھونٹ پیتا ہوا۔ . . . مجبور یوں کی مشورہ منائی سے گھر نہار
اگنی کو انگلیوں سے مسلتے ہوئے کراس روٹک آپڑتا۔
لابری کے موٹر پر کھڑے ہوئے ساتھ میں ایک سواری کی جگہ تھی جس
کے لئے جانگے والا بڑی دیر سے کسی باجی کا انتظار کر رہا تھا اسے دیکھتے ہی
اس لئے نادانگہ ناظرین کدی۔

ایک سواری، ایک سواری، . . . ٹیشن باجی ٹیشن . . .
کیریلے انتہاء کنی کو مضبوطی سے سنبھال لیا اور پہلے سے ادا
ہوئے کھیلانے ہوئے چہرے پر کوئی پیدا کر لی جسے دیکھ کر جانگے والے کی
بلند آواز یکایک دھیمی ہو گئی۔
”صاحب دو آنے دیجئے ٹائین کے۔ . . .“ وہ بگھٹتا تھا کر لگے
ہاتھوں جو کچھ چلے وہی غنیمت ہے۔
نہیں نہیں بھائی . . . مجھے کہیں نہیں مانا ہے . . .
کیریلے پچھا پچھرائے کے لئے صبح بھلا کر جواب دیا اور جلدی سے سڑک
پار کر گیا۔

اس وقت دسواں کیں اس کی حسیات بیدار ہو گئی تھیں مانگ
کلبے شمار چیزیں تھیں اس سے قبل دیکھ کر اس نے بے اعتنائی ہوتی تھی اس
وقت اس کے شور پر بوجھ بنی ہوئی تھیں بلا بری کے بالمقابل اس نے
بار بار جھاموں کو استرے تیز کرتے ہوئے ہالوں سے الٹی ہوئی جھاڑوں کو
پدرو میں جھسارے ہوئے دیکھا تھا لیکن ہر وقت کی طرح آج اس دکان
کی آرائشی اور کاکوں کی سچ و سچ کو وہ نظر انداز کر رہا۔
لابری کے اونچے زینے پر قدم رکھتے ہی کسی غیر محسوس قوت نے
اس کے پاؤں تھام لئے۔

ہاں . . . بالور سے . . . ایک پیہ
اس سے ایک ایسی بیکارن ہمیک مانگ رہی تھی جس کی آنکھوں
میں کھلا ہٹوں کی مسند تھیں اور اس سچ و سچ کی دستیں تھیں
انساندازیں نسوانی پوجاری کی خوف زدہ تصویر تھی۔

اسے اس وقت اپنے پاروں طرف نظر اڑا رہے تھے جن سے اسے
ذہن میں پتا نہ آ رہا تھا کہ وہ کون سا کون سا ہے . . . کسی نے کہا۔

ایک لڑکھنچہ مسلمان کی مدد کرو . . . بہت سے لوگ اس لئے درجہ کی
فک چھانٹتے پھر رہے ہیں کہ ان کے شہروں میں ہندو مسلم فساد کی لگ بھل پھیلی ہوئی
ہے وہاں ان کا ذریعہ معاش نہیں رہا۔ ہندوستان میں اور بھی ہزاروں
شہر ہیں جہاں کوڑوں انسان آباد ہیں ہر سال ان شہروں میں لاکھوں نئے
رہائے پیدا ہوتے ہیں اور ہندوستان انہیں اپنی قدیم روایتی فیاضی سے
حسب ضرورت جگہ دیتا چلا جا رہا ہے۔ پھر ان چند ہزار فساد زدوں کی رسائی
کیوں نہیں ہوتی انہیں کام کیوں نہیں ملتا۔ . . . بہن، مؤقیر،
بہاؤ پور اور احمد آباد نہ ہی کہیں لاد۔ . . . بسکین بھی مات قیہ ہے
کہ ہندوستان کو جنگلے تھکا چاہے سے لویں و سرہ سکا کوں چاہیے اب کو
اندرونی فتنہ ساز پر کوئی وجہ ان نہیں دینا چاہتا اس لئے کہ مسلمان پر اس رشتہ
کا قصہ کئے ہوئے ہیں اور ہندو انہیں چہرے ہوئے ہیں مسلمان لڑوا ان
بلند کرتے ہیں۔ . . . ہم انتہائی نازک دور سے گزر رہے ہیں اس وقت
سولی سی فروگذاشت ہمارے مستقبل کو تاریک بنا دے گی۔ صدیوں کا فساد،
ہمالیہ کی بلندیوں کے کڑھنچ کھبات تک پھیل گیا ہے جس کی پسینیں ہلاتی
قوت و مرد پر نفس اگیا ہے۔ سچے ہمدردوں کو اس ملک کے نقشے پر غور کے وجہ
اچھے ہونے لگا رہے ہیں لیکن جلد ہی یہ غوریں چھپے ہندوستان کو ابھرے
مشعل دہک رہی ہے۔ ہر جگہ نشوں کے ڈھیر ہوں گے اس عظیم سرزمین پر ہر
جگہ ادا نیت چلے رہی ہوگی ہندوستان آگ اور خون کا ملبہ بنا ہو گا۔
. . . . دوسرا فرقہ ہنسنا کا پرچار یوں کرتا ہے
آبر و مند اور سکھ رہنے کے لئے آپس میں بھائی بھائی کے ہندو کو مضبوط بنا رہا ہے۔
اپنے قہریم پھر، جذیب اور تلخ کو اپنے بغیر ہم آزادی کا سانس نہیں لے سکتے
چوٹی اقلیتوں کو ہر ریل پر مند کرنا چاہیے اس لئے کہ وہ بڑی اکثریت کو تیلو
و صد تک ظلم کرنے کے لئے میں شہر نشا بیت کی مدد نہیں کر سکتیں جہاں تک منفقہ
کا سوال ہے۔ ہر ایک تسلیم کی جائے گی لیکن منہ کا تجربہ بڑا خوفناک پھول۔ . . .
. . . . قہر قہر قہر اس کے دماغ سے ایک شرابی
قہر چوٹ پڑا قہر قہر خوفناک
ہوئی یہاں ہی کا معیبت دودھ تو سلم کہتا تھا جان بگاڑ گیا
جہاں آج یوں وہاں رہنے لاکھنا نہیں ہے۔ کل رات سے منہ میں ایک کھیل تک
نہیں گئی کھانا کھلا دوسرے اور وہ جیب میں پڑی ہوئی دو نوں اکیلا ہے
کیٹلے لگ گیا تھا۔ رے بھلا کسی نے مجھ کو پکارتا
و کو کھڑا کر دیا تھا راجپوت بھروسہ تھا۔ میں تھلا دیکھ کر ہنس کر کہتا

فلاں کے آگے کر سبک دینگے ۲۰۰ لاکھ روپے تم لوگوں نے دھرم
 بعد سب کا نام کچل چوب چل رہا ہے کسی جاہ کو کچل لو وہ جی جان سے تھارے
 ہمارا دی کے گھر لیکن ان چکر کیوں تعلق ہمارا اس چھوڑی سے
 تھا جو عام انسان ہمدردی رکھنے کے باوجود انسان کے دامن سے لٹا رہتا ہے۔
 ایسے موحش پر اگر چوب غلط ہو تو خواہ سیٹھ ڈک ہوں یا دارو جی بسکی لاغضالی
 لذت جوت ہے اور اس لذت کے باعث وہ چوٹ سے بکارت گئی اللہ کر پٹیا تھا۔
 اہنیری کے اوچے زینے پر کھڑے ہوئے اس نے بھکارن کو گھر کر دیا تھا۔
 وہ اپنے اپنے گھر آئے اٹھائے ہوئے انہیں ہاتھ سے اپنے بچے کو وہ اپنے میں
 سہا مارے رہی تھی بچے کے سیاہی مائل سرخ سرخ پاؤں مائل کی واغدار
 اڑھنی کے دامن سے باہر نکلتے ہوئے تھے ان سرخ سرخ پاؤں کو دیکھ کر
 اس کے دل میں پیدا راضی آیا اس کا جی پا کچلے اختیار کچے کو اپنے سینے سے
 لگالے لیکن ٹھیک اسی وقت بھکارن کے نکلے ہوئے ہونٹوں کے درمیان
 میں وہ اتوں چرمی ہوئی فلیٹ کٹافٹ اور مفت آمیز بھکارن کا خیال آتے ہی
 اس کا ہنر بہ دم چاک نکلا۔

بابو باور سے اس نے پہلے سے زیادہ شدت سے
 ہنگن شروع کر دیا۔ پھر اس نے کیر کے چھبے سے تروٹ کو فرار ہوتے دیکھ کر اپنی
 لگا میں کچل کر لیں بچنے کے مائل سوکھی جاتی سے اپنا منہ بٹایا لیکن جلی کے
 جاتی بچے کو لٹکائی گئی بے بھکارن نے اور دھن میں چھپانے کی قطعاً کوشش
 نہ کی۔ وہاں جہاں کے لفظ ابرار پر بلا سامہ دیکھ کر اس نے ایک پھر بری لی۔
 میں میں لذت سے زیادہ ہنسی میلان تھا توہ اس کے
 زہنی (مشاورہ) کی دلوں سے سونے ہوئے بندہ کی بڑی پالی کی طرف مڑ گیا۔
 گناہ و تو اہل کے تو ہم سے آؤ کو روینے والا جہاز ایک فٹش خراش
 جو عام طور پر ان لوگوں میں جا کر لے ہے۔ ایک خوف زدہ اور بے
 لیب صورت کو دیکھ کر تو اس خراش کے ہنر ٹوٹ جاتے ہیں پھر اس کے سامنے تو
 دھن کی ایک ایسی لڑ پتی جس کے لیس سے یہ انا زہ ہوتا تھا کہ جب یہ ڈوب بھری
 ہو کر تو اس کی تیلی میں آتش ریز فاسفورس کی کافی مقدار ہو گئی اور ان
 تیلوں نے مشیتاں کی کتنی تھیں فرواں کی ہوں گی اسی طرح کی صورتوں
 کے بنگلے کچے چے پھر بھگت سے نہ جانی ہو کر اپنی عظمت وہ اپنی پاکیزگی انفس اور
 حوت کو دولت کی گود میں جھونک دیا تھا بلکہ گونگ بوس عمارتیں
 میں ہزاروں کنواری سسکیاں اس خاندان محمد مریدی کی صدائے یار
 گشت میں ہوتی ہیں۔

ہو گئی ہے تجھے؟ کیرے چوب سے کنی نکالی

ہاں بابو

کتنے پیسے لگی؟ اس نے بایں آنکھ کے گوشے کو اشارت کی تھی۔

اور ہنگ ... بابو جی!

آگئی کیوں نہیں۔ بول کتنے پیسے چاہیں تجھے؟

وہ ایک دم کتے میں پڑ گئی پھیری گھٹ دے اور صاحب

نگوں میں پھر کیا فرق ہے؟ اس کے ہاتھ دامن میں یہ سوال،

سنبھلے لگا، گھبراہٹ اور غن کے عالم میں وہ نراش ہو کر اور دھن کو سینے پر
 سناڑتے ہوئے آگے کو چل پڑی۔

اور سے سے سے جی پیسے ...

اس نے آگئی سسٹک پر پھینک دی۔

ہر بھکارن ہر مائل بھگ نہیں ہو سکتی کہ وہ بنگال کے واقعات کو دہراتے

تھ جاتے ... وہ سوچنے لگا۔

چند لمحے پہلے جو عجیب فحش خواہش اس کے دل میں پیدا ہوئی تھی وہ

آپ ہی آپ اور گھٹنے لگی

اسی شام کو تاروں کی کچی سبیاں سرک پر وہ اور قرون بھر کی تسکین

دور کرنے کے لئے نکلے تھے یہ وہی سسٹک تھی جس پر چل قدمی کرتے ہوئے

اکثر اس نے یہ محسوس کیا تھا کہ اس جگہ بیسے شہری زندگی ایسی ابھی سو کر آگئی

ہے ایسی سسٹک شام کی دھن میں فضا میں اس نے کئی بار گروں سے بھرے

ہوئے ایسے فوجی ٹرک دوڑتے دیکھے تھے جن کی تیز رفتاری سے اتنا ڈر نہیں

لگتا تھا کہ مسے ٹاروں کی اس فرارنگ آواز سے جو تاروں کی ابھری ہوئی

سطح پر پھیلنے سے موت کے نغمے کی طرح گونجتی رہتی ہے بالکل اسی طرح جیسے مس

صادق کے وقت کی کراؤ دیہات میں اٹا پیسے کی چکیاں چل رہی ہوں لیکن

ان کی آواز میں زندگی کی لہر ہوتی ہے قہقہہ اور موسیقی ہوتی ہے اور لاروں کے

خونخاک ٹاروں میں موت کا بھگتا ہوا فہرہ، مردوں کی جھینس آپس دیکھ

کر کئی بار اگر مکے نامی یہ خواہش ادھاری ہو کر رہ گئی کہ کش کوئی کھلنے لگا بچہ

کے پیٹ میں جاتے! تو کچل ہو سلین ٹرائیڈ کے سیاہ

ہونٹوں پر اپنی ہوئی ادھ ملی مگر بری چور ہو کر رہ جاتے سسٹن پر

کے ... لیتے ہوئے ... ولکے ... بان اور بے گناہ بچے ... دم سے ذوق

میں ... ہوئیں ... ہزاروں کا خفاں، چور کی قسم جاتے اور چپے چپے

تھے کاروں جی بک رہی پھر پھراؤ گئے۔

مجھے سے تاگر آنا کچھ کر دو دونوں باتیں اچھے والی فٹ پاٹھکی
لٹنے کست لگئے۔

کبیر نے پر سکوت ماحول کے احساس کو ایک بڑے احساس کے نیچے
اس واسطے دیا تھا جسے ریختی ہوئی جھینٹی پر لکھا ڈھمکیاں لٹکے وہ
بڑا احساس کر رہا تھا؟ اس بے کارن کو تنہائی میں قابل
حرفیت پا کر جو غیبہ اس کے گہرے میں اُٹھ گیا تھا اور بلند میں جوش یہ غلبہ افی
رہ چلا ہوا تھا وہی بڑا احساس اس کے لا شعور پر اس وقت طاری تھا کہ اس
وہ یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ایسے نازک موافق پر اس کے دست کی دہنی
کا رانہ کیا کرتے ہیں اس کے دل میں یہ خیال بڑی مضبوطی سے جبر تھا کہ جوتہ
کے پاس ہیں اس کے تھوڑے دوست اس سے زیادہ واقفیت رکھتے ہیں
کو کتب کو قفسہ بہ کار موجود ہیں وہ مان لڑانے میں خاص جبارت ہے تاج
موتوں کو ان کی کدھشت اور کم آتی کے محاسن سے ترنغ دیتا ہے اور قمر
اس کا تو وہ جگہ ہی ڈالے اس کے برابر ابھرے ہوئے سینہ اور گداز
پنڈیوں کی تھیں نہیں جس نام کر کے عورت کا بی ہے اور
وہ اپنے اس زلفے نازک کی حمایت میں یہ عجیب و غریب باتیں کرتا ہے۔

مہی اور رشتہ جو اس میں کہیں ٹیم جیتی ہے اس کی یہ دلیری کیا کم
چہ کہ کوئی انسانییت کو اپنی شغف آمیز نگاہوں کے زیر سایہ پرواں چڑھا کر
سسٹو اور بیچ ہے بین کا وہ پہاڑ متیار کے کسی عورت محسوس
جانتوں کی نگہداشت کرنے میں اپنے نہیں لگتی کے الہی بن اور جوانی کے
کیونکہ انہماک کی شیریں سب سے نیا زہر جاتی ہے پھر حال کیا جو کبھی
اپنے ہاتھی پر ہر گز نہ عورت کے ہانکے بن کا عورت اس بے پناہ
شہینائی میں جو تلبہ چوکی مرو کے لئے مخصوص ہے رنگ و نقش
سے قطع نظر ان کی یہ محبوبیت کیا کہ ہے کہ جہاں اور ان کے نزدیک آیا سارے
تہ کرتا وہ ہوشی اس کے لئے عورت ہونا چاہئے خواہ کالی ہو یا گوری
پھر یہ روی دنیا کی خوش حور نرنا تو نہیں ہوں
یہ ایک اسے بات چیت کا بہانہ بن گیا۔
اس بے فکر اس نے قمر کا شانہ چھلکے ہوئے کہا۔
میں نے اپنی بے گار شہینائی کی کہیں روپیہ نہیں ملے۔
سب سے اس نے کوئی غیر متوقع جہتی ہو۔
کیا یہ
اس نے کوئی یہ نہیں دہلی چلے گئے۔

اس نے کوئی یہ نہیں دہلی چلے گئے۔

بتا دی ہیں میں کل ایک روپیہ نو آنے بھیج ہیں۔

رضیہ سے میں دھڑک چکا ہوں اگر وہ چوں ہوا تنہا ام ذہر کا کوہ
میرے متعلق جتنی غراب راستے قائم کرے گی۔
تم کسی قسم کا بہانہ نہ کرو۔

اسے بڑی شدید ضرورت ہے اس وقت اگر میں حیا جوتی سے کام لیا تو
وہ کچھ جائے گی میں اسے بارہ روپے نہیں دے سکتا
اس کی آواز میں کونہ خفا پن پیدا ہو گیا

پھر وہ سوچنے لگا اس کے اور رضیہ کے درمیان یہ بارہ روپے
دیوار کی طرح ٹاش ہو گئے ہیں وہ کہے گی ایک لاکھ
آراش سے تباہے پاؤں لگھرائے کیا جانو تم عورت کو ملین
مسرور بنانے کے کیا کچھ کیا جاتا ہے
اس نے دیکھا قمر کے چہرے پر غیر مبہم خیالات کی پڑھائیاں رنگ تہی
تھیں انکھوں میں اپنا چاٹھو لگی دھندلاہٹ لڑزائی تھی۔

دورانہ پر گہرے امر کے ٹکڑے دور رہنے لگے جن کے اندر ملا تھا وہ
نہا جس پہلی ہوئی تھیں اور کبھی بھی ان نے نہ ہلے ان کے فوٹوں میں کوئی نشانی نہ
ملتی آتی تھی۔ اسے سینا باؤس کے سٹی اصلے میں بند و مرتہ رنگ کے
بے شمار نقشے کسی دو خیزہ کے نو ذریعہ جس کے رنگ میں کی این جھٹکا ہے۔
جنوبی گوشے میں شہر کے سب سے قدیم قبرستان کی وہ بات کو جانے
والی ٹکڑے ملتی ہوئی حد و پردہ لسانی سے ایک اور سرے سے پٹیکے
چوہے روشنی کی طرف آ رہے تھے۔ دھندلے میں سے پھوٹتی ہوئی سرخی
ان کے چہروں پر پڑتی توان کے مڈیاں فزوش دانش ہو جاتے تھے مایا منوم
ہو رہا تھا کہ وہ چہرست مشہرانی ایک دوسرے کے سہارے لڑا کھڑا ہوتے
ہوئے چہرے رہے ہیں۔

کبیر نے چند لمحوں تک اس طرف مشکوکہ نگاہیں نہ دیکھا لیکن فوراً ہی
ایک عام انسانی جذبے نے اس کے شکوکہ کو ختم کر دیا
..... غریب اپنے کسی عزیز کو یا نہ میں سا کہو آپس ہو ہے میں اسے اپنی
میں کوئی نمونہ و مخوارات سنا دینے نہیں آیا۔ ٹھیک تو ہے عموں
کی جہاں کئی شہ کت نہیں کرتا شہر کی معروضہ دنیا میں کے
فرستہ سنی ہے کہ وہ غلے ہو کے الہی کے آئینہ پوچھا ہے
ہیت دن ہوئے اس کے اس کا تھک کے جنازے کا علم دیکھتی تھی
عقیدہ تہذیب دہنے والے بارہا اعلیٰ تھے۔ جنازے کے ساتھ سر پر بندہ

اور قمر کی نظریں آریا کے زیر میں لگی ہوئی "ہویم ان ایلینا"
کے قد آدم پوسٹ میں جینی کریم کی سندوں درمیں راولوں پر چمک رہی تھیں۔

ماہنامہ "نیاساز" حیدرآباد

سلیمان اریب اور نظر حیدر آبادی مرتب کریں گے
اور جو ہر بلج تک شائع ہو جائے گا۔ نیاساز ترقی پسند ادب کی بے
نامہ نگاری کرے گا۔ ان ترقی پسند ادب کا سچا ترجمان ہو گا جس کی ہر
شاعت میں آدھ کے چٹائی کے تختے دانوں کے شاہکار تنقید عالیہ اور
ادب کی بین الاقوامی تحریک کے بہترین نمونے شائع ہوا کریں گے۔
ادب کی نئی قدیں کیا ہیں اور ترقی پسند ادب کیا نہیں ہے۔ یہ سمجھنے کے
لئے نیاساز کا مطالعہ ضروری ہے

فی الحال خط و کتابت کا پتہ :-
سلیمان اریب - اے سی گارڈ - خیریت آباد -
حیدر آباد دکن

مشہور شاعر الطاف مشہدی کا تازہ مجموعہ کلام
"دگر"

کے شوق جناب نیاز فقیر سی ماہنامہ نگار میں رقطہ زہیں :-
دگر مجموعہ ہر الطاف مشہدی کی نظموں کا۔ الطاف کا نام عرصہ سے ہمارے
کافوں میں گونج رہا ہے۔ ان کی شاعری ہم کو سوجھ بوجھ کر رکھ رہی ہے اور
ایک نئے نظام کا پتہ دیتی ہے۔ زیادہ انھیں صوبہ انقلاب اور خلافت
کے موضوع پر ہیں۔ ان کے علاوہ بعض رمانی نظموں بھی ہیں اور بعض
واقعاتی ہیں اور ان سب میں الطاف کا شکوہ الفاظ حسن تشبیل
کیساں پایا جاتا ہے۔ ان کی انقلابی شاعری صحیح معنی میں ہم کو تازہ
کرتی ہے۔ قیمت :-

الطاف مشہدی کی چمک نمرہ اجنبی ضلع سرگودھا رنجاب :-

انسانوں پر ظلم ہوتا ہے جس سے ان کا دل بڑا بڑا ہو جاتا ہے اور ان کی ملکیت کے
محمول کے جن اشیاء پر ان کے دل بڑا بڑا ہو جاتا ہے وہ ان کے دل کے لیے
فانی دنیا کی آخری اور گامہ تک پہنچنے کی سعادت حاصل کرتے ہوئے کئی
مہینوں میں بیٹھ کر لکھتے ہیں۔ ان کی لکھنوں پر سے نواز آتا۔

جب اس نے غلامی کی گھر گھر گئے گھر سے قریب کے لیم پوسٹ کے
پہنچے دیکھا تو ایک عورت راہ گیروں کی نگاہوں سے گھبراتی ہوئی اس کی
پڑھی ہوئی کتاب اس کے قریب آئی ہی کہیں کوئی لڑکی لڑکا ایک بھٹکا سا
لگا۔ یہ وہی سلمیٰ بھکارن تھی۔ بھابھ
اس کی پیش سے چٹا ہوا تھا اور اس کے سیاہی مائل سرٹ سرٹ پاؤں
انکھ انداز اور مٹی سے بھر کر ٹھک رہے تھے۔ بھکارن کے دانتوں پر جی
ہوئی غلیظ کثافت کا خیال آتا ہی اس کے منہ میں تھوڑا سا
ہونٹوں پر کسی کی دھڑکی دیکھ کر اس نے بیکری کراہت کے تنوک کو سونگے
پہنچے اور ایسا ہی سے بھٹکا ہونٹوں پر چمکنے والی تھی۔ اس کے گندے
دانتوں کی ساری کثافت کا چوڑا ہے اس چمکنے والی کو دیکھتے رہنے سے کتنی
خیال آگیا مسرت ہوئی اسے۔

سینا ہاؤس کے آہنی پھانک کے اندر ایک تانہ داخل ہو رہا تھا۔
تاگو والا بلیں میں چاہا کہ وہ اپنے پیچھے ٹر کر ماتی ہوئی بھکارن کے سراپا کو
دیکھ کر ہنس پڑتے ہوئے اپنے ایک خندے دوست کی ہنس پھٹکا رہا تھا۔
شاہنشاہ بلیا آج تو خوب باتھارا تو نے۔
بڑی ہنسی بڑی یار۔ مٹھائی اور چوڑیوں کے ساتھ اٹھا
بھینٹ چڑھا تا پڑا ہے۔

ہے کیوں اور تاجے یاروں سے۔ انھیں میں لڑھکیا ہو گا۔
میں خود ان کی انوار دھڑکی بلک مار کر بیٹھ چکی ہے پر سولہ جو
دادا موہن بھٹا ہے پھرے مگر اس روپے کے کم پکونی کو تیار تیار نہیں ہوئی۔
جے دیکھو۔ خندے نے پوئیں انہیں کپڑے کو دیکھتے
ہی سانس روک لی۔

کب کے اندر ایک لکھو دھیر اور پیدا ہو گیا۔
کوکب کی تعلیماتہ قیصر۔ قمر کی شوق و تنگ رفتہ۔
تاج کی نازک اندام ناہید۔ ان پر بھکارن۔ سب ایک ہی جنس
سے تعلق رکھتی ہیں۔ بلک مار کر بیٹھ لی جس۔
بھکاری سردانہ ہے۔



دنیا میں سب سے کامیاب دوا
خونی ہو یا بادی
غرضیکہ کتنی ہی پرانی لو اسیر کیون ہو ضرور ہفتہ میں قطعی تاب
غلط ثابت کرنے پر تیار و سپاہ نعام

ہزار ہا لو اسیر کے بیمار ڈاکٹر اس حیرت انگیز دوا کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں۔ سو فی صدی کامیاب اور حیرت کن یہ جادو اثر گولیاں ہیں جن سے ہزاروں مریضوں نے فائدہ اٹھایا اور جن کے استعمال سے خدا کی قدرت کا کرم نظر آنے لگتا ہے اور مریض کو کلی صحت ہو جاتی ہے۔ تمام ہندوستان میں یہ گولیاں اپنا جواب نہیں دیتیں۔ حقیقتاً یہ گولیاں ایک بے نظیر ایجاد ہیں۔

قیمت

فی شیشی دو روپے بارہ آنے (دو روپے شیشی) کے علاوہ

دہلی کا نام وراو کرسن راج رواج

انڈو جینوٹن کمپیکل ورکس نزد ڈاک خانہ جامع مسجد دہلی فون نمبر ۶۹۲

دہلی (۱۱۰۰۰۰)

مواج (علیگ)

لکار !

آج بے رنگی گیتی سے ذرا اکٹا کر
 میرے تابندہ ستاروں پر اٹھائی تھی نظر
 چاہتا تھا کہ اتر جائے شکستوں کی تھکن
 ان سے کہتے ہوئے لمحات پہ گر جائے کفن
 اور یکبارگی پیمانے میں لہسراتی شراب
 کسی شعلے کی لپک دینے لگا سازِ شباب
 کوئی لکار کے بولا کہ ہمیں دیوانے
 ابھی احساس کی قندیل جلی رہتے دے
 ابھی کچھ اور سنو دے دے شکستوں کا گداز
 ابھی جیتے ہیں یہ آنسو تو انہیں بہنے دے
 تو بھی اک پیکرِ غمکس ہے اسی بستی کا
 جس کے سرٹے ہوئے ماحول سے اڑتا ہر دمخ
 تو بھی مرجھا ہوا پھول ہے ویرانے کا
 جس کی تدبیر نے پایا نہ بہاروں کا سرخ
 ہم بھی بے رنگی گیتی کا گلہ کر رہے ہیں،
 ہم بھی تیزی طرح زخموں کے جلاتے ہیں آغ
 تو نے ساغرِ نوا اٹھایا ہے مگر دیوانے
 تو اکیلا تو مسرت سے نہیں جی سکتا
 اپنے ہمسایوں کے آنسو تو نہیں پی سکتا
 ابھی احساس کی قندیل جلی رہتے دے
 ورنہ اک دوست کی غفلت سے شکایت ہوگی
 سوچ لے تیری محبت سے شکایت ہوگی
 میں نے یہ مسکے وہیں جام و سبوتوڑ دیتے

نثر و ناول

تاب و توان

یہ دور فتنہ ہے اے لالہ و گل و نسریں
چمن فردوس ہے دنیا چمن پرست نہیں
جھکی ہوئی ہے زمین پر ابھی گلوں کی جیس

بہار کیا ہے میں اتنا بنا تو سکتا ہوں

وہی نمونہ جو ایجا در رنگ و بو کر لے
فسردگی میں تبسم کی آرزو کر لے
مری طرح رنگ ہر تار کو لہو کر لے

کہ میں خسراں میں کوئی گل کھلا تو سکتا ہوں

مشیم آتے آتے غبار کیوں آتے
سومہ بن کر نہ یہ بہار کیوں آتے
ہمہ دروغ ہے جلوہ قرا کیوں آتے

قریب رنگ جہاں آؤ ما تو سکتا ہوں

ہزار طور ہیں ایجا در زندگی گانی کے
ہزار پہلوئے امکان ہیں دور فانی کے
ہزار ہاتھ ہیں احساس نا توانی کے

حجاز، سحر و منہا! تھا تو سکتا ہوں

فشار مرگ کے عالم میں زندگی کا سکون
غم حیات کی تلخی میں دلخوشی کا سکون
متاع و حباب کی محفل میں بے خودی کا سکون

سکون نہیں ہے مگر میں بنا تو سکتا ہوں

مرید و مرید سے عالم میں انقلاب بھی ہے
کہ رنگ زمین کچھ جبرست سحاب بھی ہے
مری حیات، عزائم میں کامیاب بھی ہے

کہ اشک پی کے سہی سکتا تو سکتا ہوں

محمد احمد سبزواری
ایم۔ اے (عثمانیہ)

۱۹۴۶ء کا معاشی پس منظر

عوام کو سونے لگے اگرچہ بنگال کے پولنگ کال نے مرکزی اور صوبہ وادی
مقامی کی آنکھیں اب بھی نہیں کھولی تھیں تاہم اس مرتبہ پس رفت
اور تساہل سے کام نہیں لیا گیا جس کا مظاہرہ بھوکے بنگال میں کیا گیا
تھا مقامی جہدہ داران، مرکزی حکومت کے افسران، گورنر جنرل اور
قومی رہنماؤں سے آغاز ہی میں تھڑکے علاقوں کا دورہ شروع کر دیا اور
تعمیر کی جانے لگیں کوشش کی گئی کہ آسٹریلیا، کینیڈا، ارجنٹائن
انڈونیشیا وغیرہ سے گہنوں، چاؤں، مکا، جو، جئی وغیرہ حاصل ہوتی
رہے، اور اس میں ایک حد تک کامیابی بھی ہوئی، جس نے صورت حال
کو بہت زیادہ خراب نہ ہونے دیا اور یہ سال ششم ششم گذری گیا۔

وہ صوبہ بھارتی، وزیر مرکزی انتخابات جو جنگ کے نئے میں سات
سال تک رُکے رہے ان کا آغاز اگرچہ سولہ اے کے آخر میں ہو گیا تھا مگر
وہ پورے طور پر سولہ اے کے ابتدائی آٹھ سے مکمل ہوئے، ان انتخابات
کی سب سے بڑی خصوصیت یہ رہی کہ تمام ملک میں ہندو نشینوں
پر کا گریس اور مسلم نشینوں پر لیگ کا قبضہ ہو گیا اور یہی دونوں
جماعتیں گزشتہ میں کامیاب ہوئیں۔ سوائے پنجاب کے ہر جگہ اکثریت
نے وزارت سنبھالی، اورہ میاں کے نشے نے مخالف پارٹی کو نقصان
کے دینے پر آمادہ کیا۔ اگرچہ پنجاب میں مخلوط وزارت بنی مگر وہاں بھی
مقتضیٰ سب سے بڑی جماعت وزارت سے باہر رہی۔ اس وجہ
سے جن ہندوستانوں نے یہ سبب باندھی تھی کہ عوامی ذرائع
حکومت کی باگ، ڈور، تھ میں بیٹھے ہی ملک کی حالت وچہود کے واسطے
کوئی شکر کہم کر تھی وہ پوری نہ ہو سکی اور پارٹیاں آئیں ہی میں
رستہ دگر میاں رہنے لگیں۔

اور گزشتہ میں اقوامی حالت کے تحت جب رہو رہے تھے کہ وہ
ہندوستان کو جلد از جلد آزادی دینے کا وعدہ کر لیں پناہ بھی کی

دریا بہتا رہتا ہے مگر اس کی روانی معلوم نہیں ہوتی اسی طرح
وقت گذرتا رہتا ہے مگر اس کا احساس نہیں ہوتا اور سال ختم ہونے پر ایک
دم معلوم ہوتا ہے کہ اس زندگی کا ایک ورق اٹک گیا جس کے اوراق کی تعداد
نہیں معلوم ہے ایک سال کا گذر جانا زبان سے کہہ دینا بہت آسان ہے مگر ایک
سال قوموں کو زندگی کی دوڑ میں کئی سال آگے بڑھا دیتا ہے اور کبھی کئی سال
پیچھے رکھ دیتا ہے۔ چنانچہ جب مجھ سے سولہ اے پر معاشی حیثیت سے
نظر ڈالنے کی خواہش کی گئی تو مجھے کافی الجھن ہوئی کیونکہ اتفاق سے ہندوستان
کے واسطے سولہ اے کا سال معاشی حیثیت سے کوئی زیادہ اہمیت نہیں
رکھتا، دراصل یہ سیاسی سال تھا، مگر آج کی سیاست اور معاشیات میں ایسا
چری وامن کا ساتھ ہو گیا ہے کہ ان دونوں چیزوں کو الگ کرنا ممکن نہیں رہا۔
اگر یہ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہو گا کہ اس زمانے میں سیاست معاشیات
کے جوڑ بگڑم رہی ہے۔ لہذا اس ذیل میں سیاسی باتوں کا ذکر کیا جائے گا
اس کا مقصد سیاسی الجھنوں اور پیچیدگیوں میں پڑنا نہیں ہے بلکہ وہ معاشی
اعتبار سے سی۔ یاں کی جائیگی۔

ہندوستان میں سولہ اے کا آغاز قطعاً بیاباؤں اور خوراک کی
 قلت سے ہوا۔ سولہ اے میں ہندوستان میں جو غذائی بحران تھا اس کے
 اثرات جزوی اور فوری میں بدستور قائم رہے، نصف مارچ سے نئی فصلیں
 آنا شروع ہوئیں اور حالت کچھ سنبھلنے لگی مگر اس سال بھی ہندوستان کے
 غذائی مسئلہ کا کوئی مناسب حل تلاش نہ ہوا۔ سولہ اے کی غیر معین اور
 غیر وقتی بارش سے سولہ اے کی غلوں کی فصلوں اور باغیچوں پر بڑا
 جراثیم پڑا۔ پنجاب جیسا گندم کی خطہ بھی کوئی بہت زیادہ معقول مقدار پیدا
 نہ کر سکا۔ دوسرے مقامات پر بھی فصلیں اچھی نہیں ہوئیں اس وجہ
 سے وسط سال سے ہی ہندوستان کے بعض حصوں مثلاً جڑی
 مدراس، میسور، ٹراونکور اور سی پل کے اکثر اضلاع میں قحط کے آثار

وزیر اعظم برطانیہ نے ہندوستان کے چار رہنماؤں کو لندن آنے کی دعوت دی، یہ دعوت بھی قبول کر لی گئی، مگر محکمہ فیصلہ یہاں بھی نہ ہو سکا۔

کشمکش اور پچیدگیوں کے اس زمانے پر ملک نے درلپٹا کھایا اور ہندوستان میں فرقہ دارانہ فسادات شروع ہو گئے۔ ان کا آغاز احمد آباد اور الہ آباد سے ہوا، پھر بمبئی، اور کلکتہ میں بنگالے شرف ہوئے کلکتہ کے بنگالے تو کچھ دنوں کے بعد دب گئے مگر بمبئی میں اب تک فرقہ دارانہ کشیدگی نہ صرف موجود ہے بلکہ بڑھتی ہی جا رہی ہے پچھلے دنوں میں سو ڈاڈا ٹرکی بوتلوں کی جنگ تو سنی تھی مگر اس مرتبہ تو بمبئی میں کھانے پینے کی چیزوں میں زہر ملنے، مسافروں، بھوں اور بڑیوں پر تیزاب پھینکنے اور ہر ہلی گیس تک کے استعمال کرنے کے واقعات اخباروں میں آ رہے ہیں۔ اکثریت میں بنگالے میں نو اکامالی، اور اس کے متعلقہ اضلاع میں باقاعدہ سول وار شروع ہو گئی۔ اخباروں اور ملک کے رہنماؤں نے ان واقعات کو کچھ اس طرح بڑھا کر بیان کیا کہ سارا ملک میں فرقہ دارانہ ذاتی پیدا ہو گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے متعدد منسلع میں اس قدر جوش اور استقلال پیدا ہو گیا کہ نو اکامالی کا انتقام لینے میں کوئی کسر اٹھائے نہ رکھی گئی وحشت اور بربریت کے ایسے مظاہرے کئے گئے جن پر انسانیت کو بھی شرم آئے، بہار کے بنگالوں کی آگ کچھ ٹھنڈی پڑی تھی کہ یوپی کے قصبہ گڑھ مکیشور اور اس کے اطراف واکن ف میں فرقہ دارانہ فسادات کی آگ اپسٹیل گئی اور انسانیت کی بولی کھینچ جانے لگی۔

ہندوستان کے ان ہنگاموں میں کتنے آدمی ہلاک ہوئے اس کا رازہ محکم ہے، وزیر ہند کے ایک بیان کے مطابق نو اکامالی، بہار اور گڑھ مکیشور کے بنگالوں کے علاوہ کلکتہ میں ہلاک ہونے والوں کے قریب بے نو اکامالی، بہار اور گڑھ مکیشور میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد کچھ اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ اس کے متعلقہ ہزارے قائم کرنا کہ کون سے اعداد صحیح ہیں، در کون سے غلط بڑا مشکل کام ہے بہر حال اگر کم از کم، وزیر ہند کے دائرہ دونوں، عازد کا واسطہ ہی رکھ دیا جائے تو ان تینوں مقامات پر ہلاک ہونے والوں کی تعداد بہت کافی ہو جاتی ہے۔ یہی طرح تینوں کی تعداد بھی نصف لاکھ کے قریب پہنچ جاتی ہے۔ سرنے والوں اور زخمیوں کو خون نقصان پہنچا دیا گیا ہے

غلام برطانوی وزارت نے ایک وزارت مشن ہندوستان بھیجا جس نے کافی جدوجہد کی کہ ہندوستان کی اولوں بڑی جماعتوں میں صلح ہو جائے مگر کامیابی نہیں ہوئی اور اس نے ایک درمیانی شکل پیدا کر دی جس میں تو اکھنڈ ہندوستان کو اپنا آرڈر پکستان کو تسلیم کیا گیا بلکہ صوبوں کو چند حصوں میں تقسیم کئے، ان کو خود اختیاری کا حق دیدیا گیا کہ اگر وہ چاہیں تو مرکز میں شامل رہیں، اور چاہیں تو مرکز سے علیحدہ ہو جائیں، اور ساتھ ہی دس سال کے درمیانی عرصے کے واسطے ہندوستان میں ایک قومی حکومت بن جائے، اور ملک میں ایک دستور ساز اسمبلی بن جائے جو ہندوستان کے آئندہ دستور کا خاکہ تیار کرے، یہاں تک کہ اس نے فی الوقت اس تجویز کو نہ مانا اور بنگالے قبول کر لیا۔ لیکن برطانوی حکومت نے ایک کوشش کر کے دھرمی دینے سے پہلے ہی اختیار کی۔ وزارت مشن ہندوستان سے احکام واپس چلا گیا مگر بعد میں گورنر جنرل کے بیانات اور وفد کے بعض امور کی تشریح و توضیح نے کانگریس کو اس بات پر آمادہ کر دیا کہ وہ عارضی حکومت میں شامل ہو جائے چنانچہ انجمن میں گورنر جنرل کی پرانی کامیابی نے استعفیٰ دیا اور دوسری سمت پر کانگریس نے ہندوستان کی وزارت سنبھال لی، بابا بیک نے نہ صرف عارضی حکومت میں شرکت سے انکار کیا بلکہ اس نے براہ راست اقدام کا تعہذ کیا۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں ابند ایک کو نظر انداز کر دیا اور ہمیں کسی طرح کانگریس کی وزارت میں شرکت کی دعوت دینا اور اس کا اس دعوت کو قبول کر لینے سے ایک سخت ذہنی رد عمل شروع ہوا۔ چنانچہ مسلمانوں نے اپنے اپنے خیالات، جائزیں، تحفے اور سند پیر، واپس کرنا شروع کیں اور وہ عموماً طور پر میدان میں آنے کے واسطے تیار ہونے لگے۔ ہر موقع پر گورنر جنرل نے پھر ایک بار سے گفت و شنید شروع کی، اور یوں ان سلسلے کا سارا عمل بدلتا رہا، تو اب صاحب بیویا نے پوری کوشش کی کہ ہر دو جماعتوں میں کوئی سمجھوتہ اور اتفاق ہو سکے۔ مگر ان کی سامان محنت اور کوشش پر یارکیم، گریچہ گورنر جنرل کے کہنے سے یہ اتفاق نہ ہو سکا۔ اس میں شرکت قبول کر لی مگر ہر دو پارٹیوں نے ایک دوسرے سے باز رہنا شروع کر دیا اور اتفاق سے گریچہ کیا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثریت میں کانگریس اور ایکٹو کا چارہ اور دھرمی میکس ملک کی قسمت کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ یہاں نے دستور ساز اسمبلی کو متنازعہ کر دیا۔ اور اس بنا پر

لیکن ان ہنگاموں میں کتنے بچے تھیم ہو گئے، کتنی عورتیں جیوہ ہوئیں گئے گھرا جوائے، ان کا اندازہ تو اب تک کیا ہی نہیں گیا۔ معاشرتی حیثیت سے کتنے خاندانوں کو نقصان پہنچا۔ کتنے لوگوں کے سر پرست، دو کھیل دی مارے گئے، کتنے گھروں میں آگ لگی، کتنے کمالی جلائے گیا۔ کتنے کاروبار پٹ ہو گئے، ان نقصانات کو مدد پیہ میں ناپنا ممکن ہی نہیں۔ زخمیوں اور پناہ گزینوں کو غذا، لباس اور دوا کی ضرورت ہے۔ ان میں امراض پھیل رہے ہیں ان کی خاندانی اور گھریلو زندگی ختم ہو گئی ہے اسی طرح کی اور مشکلات ہیں۔ جن پر صوبہ واری حکومتیں غور کر رہی ہیں اور عرصہ تک خود کرتی رہیں گی۔

یہ سب تو انفرادی نقصانات تھے لیکن ان ہنگاموں سے اجتماعی نقصانات بھی پہنچے، ہندوستان میں احمدیاد اور بیٹی سوتی پارچہ بانی کے بڑے مرکز ہیں، آپس کے خدشات کی وجہ سے اکثر کارخانے کافی عرصہ تک بند رہے یا بہت کم لوگوں کے ساتھ کام کرتے رہے۔ اس طرح کپڑے کی پیداوار میں کافی تخفیف ہو گئی۔ ملک میں زیادہ تر جوٹ کے کارخانے چلکتے اور اس کے گرد و فواح میں ہیں۔ وہاں کے ہنگاموں کی وجہ سے جوٹ اور اس کی مصنوعات میں کمی ہوئی۔ پھر عام تجارت اور کاروبار پر بھی اثر پڑا۔ بڑے بڑے کارخانوں اور فرموں میں نقل و حمل کی دشواریوں کی وجہ سے تیار شدہ مال پڑا ہے، اس کی وجہ سے انندون ملک اور ذات زندگی کی قلت محسوس ہونے لگی۔ اور ان کی قیمتوں میں اضافہ ہونے لگا۔ نوکھالی اور جبار کے ان حصوں میں جہاں خدشات ہوتے وہاں لوگ اپنا گویا چھوڑ کر اپنی اور اپنے مال بچوں کی جان اور آمدنی بچانے کی خاطر گھر سے بے گھر ہو گئے ہیں اور ان میں حوزہ امت پیشہ لوگ بھی، ان کا ذخیرہ اور اپنا بھلا کر رہے ہیں۔ تو کچھ اس قدر درہشت زدہ ہیں کہ ابھی تک ان میں اپنے دیہات نہ واپس آنے کی بات نہیں۔ اگرچہ صوبہ ان ہندوستانوں نے ان زمین کے ذرائع ان کی فصلوں کے تحفظ اور کاٹنے کا انتظام کر دیا ہے کہ اس سے صرف منافع ہو جائے وہاں غلہ کارٹر حق تو محفوظ ہو دیتے مگر ان لوگوں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ کیونکہ اڈل تو اتنے عرصہ تک عام نہ تھا، کی وجہ سے فصلوں کو جو نقصان پہنچ چکا ہے اسکی تلافی ممکن نہیں دوسرے انتظامات ان میں سے لائے جا رہے ہیں۔ ان کے معارف مالکوں پر یہ وحید کر لے جایں گے۔

ان حالات میں جو حکومت بھی برسرِ اقتدار آئے گی اس کو فسادوں و کٹوری مسائل اور آپس کی نوک جھونک سے اتنی فضا کہاں مل سکتی ہے کہ وہ تعمیری کاموں کے واسطے وقت نکال سکے سرکاری اسپتال کے خزاں کے سیشن میں ٹیگ اور کانگریس کے مشترکہ طور پر وزارت میں آجانے سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ کاروباری جلد طلبہ ہونے لگی اور حکومت کے بہت سے قانون یا تجویز میں معوی ہی بحث و مباحثہ کے بعد منظور ہو گئیں گزشتہ سال ہندوستان کے صنعتی کارخانوں میں ہڑتالیں عام رہیں، ان کو روکنے اور مزدوروں کی بہتری کے واسطے چند قوانین زیرِ بحث لائے گئے، اس کے ساتھ صوبوں کے وزیر مزدوروں، رابستوں کے وزیروں کی کانفرنس بھی ہوئیں مزدور اور مالکان کا رخاؤ کے نژادوں کی ایک کانفرنس بھی ہوئی تاکہ سب کے مشورہ سے نہ صرف برطانوی ہندوستان اس فنڈ کا استعمال بھی ہے بلکہ ریاستوں میں جو مزدوروں کی فلاح و بہبود کے واسطے کوئی کام چلائے قدم اٹھایا جاسکے۔

گزشتہ سال کے وسط میں ہندوستان کی ریلوں میں کام کرنے والوں نے اپنی تنخواہ، اجرت اور گرانٹی بھتہ میں اضافہ کی درخواست دی۔ ریلوے بورڈ نے ان کے مطالبات ملنے سے انکار کیا اور اس بنا پر ہڑتال کا نوٹس دے دیا گیا۔ بعض ریلوں میں جزوی ہڑتال شروع بھی ہو گئی غذا اور کوٹھے کے علاوہ دوسری چیزوں کی آمد و رفت عارضی طور پر متروک کرنا پڑی مگر بعد میں آپس میں مصالحت ہو گئی اور سارے ملک میں وسیع پیمانے پر ہڑتال نہ ہو سکی تقریباً اسی قسم کے مطالبے ڈاک و تار کے ٹکٹوں کے زمین کی جانب سے پیش کئے گئے۔ ملک کے مختلف حصوں میں جزوی ہڑتالیں ختم ہو گئیں ان دونوں ہڑتالوں نے صرف عارضی طور پر ملک کی معاشی زندگی کو متاثر کیا اور ان کے نتائج کچھ دور رس اور دیر پا نہیں ہوئے۔

گزشتہ چند دنوں سے جنوبی افریقہ میں ہندوستان انوں کے خلاف جو ترائین بن رہے تھے ان کا ملک پر زبردستی روکنا ہوا اور ترمہ اقام کی سبلی میں سیاسی حیثیت سے ہندوستان کا مقدمہ کرنے کی جو کوشش کی جا رہی ہے جس میں کچھ سیانی بھی ہو چکے ہیں اس کے علاوہ جنوبی افریقہ سے تجارتی تعلقات منقطع کر گئے آسٹریلیا کی ایک بڑی آندھری ہندوستان ایک بڑی اور آسٹریلیا کے درمیان تجارتی تعلقات میں وسعت ہو سکے۔ ہندوستان کے بہت سے صنعتی رجحانات، تجارت اور سرمایہ گئے تاکہ وہاں سے کارخانوں کے جو ترائین مشین بنائے گئے۔ اگر ملک اور ہندوستان کے

اس میں ان کو کامیابی بھی ہوئی۔

ہندوستان کی موجودہ حکومت کوئی خیال نہ وقت قبل سے کہ وہ ملک کی اہم ترین یا کبھی صحتوں کے شعبہ کوئی پالیسی وضع کرے جو ان کی جہاز کی صحت و قوت کی حکایت بنائے کہ سارا یہ غور ہے۔ ریلوں میں پہلوئیں اور اسانیاں، اہم پہنچانے کے ذرائع میں جو یا جارہے ہیں، کسی کے ساتھ مسافروں اور نقل و حمل کے کراؤں کی شرح میں اضافہ کا رجحان بھی پایا جاتا ہے۔ ہندوستان، ان میں نئے نئے کارخانے کھولنے کا سلسلہ بھی زیر غور ہے اور امید کی جاتی ہے کہ اس سال پانچ بانی کے کارخانوں میں نہ صرف وسعت دی جائے گی بلکہ متعدد نئے کارخانے بھی کھل جائیں گے۔

مصلوبوں میں گذشتہ سال کا سب سے بڑا واقعہ۔ بی جی میں زمینداروں
نظام کے خاتمہ کی تجویز ہے۔ زمینداری نظام دراصل قدیم جاگیر داری نظام کا ایک
جزوہ تھا، جب کہ وہاں یہ بتایا کہ زمینداروں کے لئے ایک زرعی ادارہ ہے اور جو کچھ زمیندار
پر کاشت کرتا ہے اس کی حیثیت ایک کارکن کی سی ہے جس سے مالک جو
چاہے رقم وصول کر سکتا ہے مگر حکومت کو وہ ایک معینہ رقم دینی اور کرنا ہے۔ گو
زمیندار حکومت اور کاشتکار کے درمیان ایک واسطہ کار کام کرتا تھا۔ زمیندار
صرف یہی نہیں کرتے تھے کہ وہ کاشتکاروں سے بہت زیادہ ٹھکان وصول
کرتے تھے بلکہ وہی بطرح طرح کے ٹیکس وغیرہ بھی مالک کو دے دیتے اور ان
سے نذرانہ اور سیسٹم کے دوسرے ماحول سے کافی رقم وصول کرتے
تھے، جب یہ بی جی کی مجلس مقننہ میں یہ مسودہ قانون پیش ہوا تو اس کی بڑی
مخالفت ہوئی، مخالفت میں مسلم لیگ سب سے زیادہ پیش پیش تھی اور اس
کی دلیل یہ تھی کہ زمینداری کے خاتمے کے ساتھ ہی دوسرے سرمایہ دارانہ
نظاموں کے بھی ختم کی جائے مثلاً قانون کار، نیکوں اور دوسرے اداروں کو
بھی قومی ملکیت بنادینا چاہیئے۔ لیگ کی دلیل مقبوطہ طور پر تھی مگر حکومت
زمینداروں کے ساتھ ہی ساتھ دوسرے مالکوں کو کیا مخالفت بنانا نہ چاہتی
تھی اس وجہ سے اس نے اپنی تجویز میں ترمیم منظور نہ کی۔ یہ مسودہ منظور
ہو گیا مگر جو مسودہ منظور ہوا گیا مگر یہی حکومت نے زمینداری کو ختم کرنے کے
واسطے کوئی عملی اقدام نہیں اٹھایا۔ دھڑ زمینداروں کو اس کو کشش میں مصروف
ہیں کہ وہ اس قانون کو منظور یا منظور نہ کر دیں۔ دوسری اہم چیز چند صوبوں
کے بعض اضلاع میں ترک مسکاتے تھے۔ غارت۔ اس میں پیش پیش
ہے۔ اویہ میں موجود تھا جہاں مسکاتے ہیں اور یہ کیا فائدہ کے اندر اس
اسکیر کا تجربہ کیا جا رہا ہے۔ اس کی کوشش کی کہ اس کے ساتھ

میسو کبھی اپنی کل ریاست میں سینڈھی، تازی اور شراب وغیرہ کے استعمال کی ممانعت نہ کر دے۔

ان حالات میں مسلمانوں کو ختم ہو گیا اور مسلمانوں نے اعلان کیا کہ ان کے لئے کوئی ایسا وقت نہیں ہے جس میں وہ خود کشیاں کر سکیں۔ یہی وہی وقت ہے جس میں ان کے لئے کوئی ایسا وقت نہیں ہے جس میں وہ خود کشیاں کر سکیں۔ یہی وہی وقت ہے جس میں ان کے لئے کوئی ایسا وقت نہیں ہے جس میں وہ خود کشیاں کر سکیں۔

ماہنامہ داستان حیدر آباد

جسے مقلدین نے ہر ایک نے پسند فرمایا
جس کے بارے میں سب کی ایک ہی رائے ہے اب اپنا دھڑا اشارہ
یعنی کرتا ہے

دوسرے شمارہ کے فنس کا۔

نصیر الدین ہاشمی - حسینی شاہد - جگر حیدر آبادی - عمران انصاری
 محمد یوسف زئی - ابراہیم علیس - دیوٹی سرن - ہاجرہ سرور -
 رینت ساجدہ - انجم صہبائی - جاوید عزیز - علی اختر - سلیمان اربب
 صاحبزادہ میکش - احمد مدیم قاسمی - اختر الامان - میراجی - نظیر
 حیدر آبادی - متین سرور - سلام بھلی شہری ، سرتی خاکی
 علی اشرف - دیوانہ دمیر - سالک الباقی - غلام ربانی تابان
 سالانہ چندہ - چہرانی - جیسہ - ہر نمونہ کے لئے ہر کے کٹ
 آنالازی ہیں۔

ہر شہر اور ضلع میں اسٹیشنوں کی ضرورت ہے۔

لیجر داستان مکہ ساچھ توپ حیدر آباد (دکن)

میکش حیدر آبادی

کرنیں اور سائے

کچھ آنسو پلکوں سے ڈھلکے کچھ تہمتاؤں سے گئے
 چہنچہنیں مشینیں ملتی ہیں آہو نہیں فصیلیں کٹی ہیں
 طوفانوں سے اڑنے والا ساحل کی طرف بڑھتا ہی رہا
 منزل کی طرف بڑھنے والا کیسا سوچا گا کیوں جانے گا
 کیوں دیکھے ٹوٹی زنجیروں پر تیشہ زنی کرنیوالا
 بیداری کا ہوشی میں ندوں سے پھر کر وٹ بدلی
 نورس کھلائیں جاگ اٹھیں نوخیز بہاریں تو آئیں

یوں صبح نے ہلکے چپچپے لپٹا غلطی کے ساتھ ہی چھوٹ گئے
 ایک کبھی نہ پانے ڈاکو ہی مفلس کی پونجی لوٹ گئے
 ناہر کے چھوٹے دو چاکر وندے ٹوٹ گئے
 آبلے ننگے لوگوں پر کب آؤ کب چھوٹ گئے
 ریشم کی پھند میں لکھ کر کتنے ساتھ ہی چھوٹ گئے
 کچھ بجا چھلک کر منہ سے لگے کچھ خالی سا غر ٹوٹ گئے
 اچھا یہی ہوا مر جھا ہو کچھ پھول خزاں میں ٹوٹ گئے

بڑھتے قدموں نے دیکھا ہوا اس بے حسدی دھندلی سرحد پر

کچھ زندہ کرنیں ساتھ ہوتیں کچھ مردہ سائے چھوٹ گئے



تن درستی اور چہرے کا فشدتی شمن عُمدہ و صاف خُون کا آئینہ دار ہے

دوسری کی تہی کے وقت جلتا دھواں سہ ہزار
اور ہزارت میں نیکو دھواں صاف ہو جاتا ہے اور
انسان پھر نئے پھنسپون، خارش، ڈاڈا، گڑھا
اور دوسری خون کی بیماریوں اور کمزوری کا شکار
ہو جاتا ہے،

صافی نصف خون کو صاف کرتی ہے
بلکے طاقت و رہنمائی ہے انسان کو چست اور
صحت مند کرتی ہے صافی کو استعمال میں لکھنے
والے امراض سے محفوظ رہتے ہیں اور مرض جلد
مرضات نجات پاتے ہیں
صافی بچے، بڑے اور عورت مرد سب استعمال
کر سکتے ہیں
صافی قبض نہیں رہنے دیتی



صافی

خون صاف کرنے کی قدرتی دوا
خون کو ترقی کرتی ہے
چست بناتی ہے

ہمدرد دواخانہ دہلی

HANDARD DAWAKHANA LABORATORIES, DELHI

Price per bottle Rs. 1/-

11-10-1

اسد بھوپالی

انتباہ

عسرتِ ظلم و جبر کے خونخوار ساتھیو !
 انسانیت کی لاش سے کچھ اور کھیل لو !
 ہاں آوازے حکومت و زر کے پجاریو !
 اجسامِ فاقہ کش سے بہر طور کھیل لو

کچھ اودھ ڈوب جاؤ نشاط و سرور میں
 کچھ اور بھی بڑھاؤ تمنائے تختِ تاج
 تاریک شبِ نمودِ سحر کے قریب ہے
 مظلومِ زندگی کا لہوِ قص میں ہر آج

یہ آج بڑھ ہی جائیگا شدادیت کا زور
 یادور امن آئیگا لے کر حیاتِ نو
 یا آج چھا ہی جائیگی ہر شے پہ جیسی،
 یا انقلاب ہو گا۔ پئے کائناتِ نو

اپیش ای مشین کو لاکے نہ ہونے ممکن و نہ فرسٹ شریا بل بعد ہرگز کہ وہ اپنا پی ٹی ہو ہی ہوا و فریبوں کے ساتھ ہر شخص سے خراج تحسین حاصل کرتے ہیں۔ جس کو اور ان غلام بن کر وہ یہ کہ وہ اس سے بامشور ہوا تاکہ اس کا نام نہ پڑے نہ رات و دن۔ اور وہیں پہلی سوئے کے زیور اپنا کو مار کر بیٹے ہیں۔ ہر دو سال تک وہ بڑے ظلم و جبر سے اس کی وضع قطع کے لئے فریب اپنا اور یہ خرچے کرتے ہیں کہ جو شادوم و سہا جی کو دیکھ کر ہرگز انداز نہیں لگا سکتا۔ سادہ شادی کے خاص و مفرد پر کچھ ان سے دے کے اور وادہ اس حال کے سے کم حاجت الہیہ وہ ہے۔ اس دو میں ہر کار مالکی و اس سے یہ نادر ہے کہ اپنی جھٹی قیادت و قدرت کے پیش پورا کر بیٹے میں تجارت بہت ضرورت سے ہے۔ یہی سبب و دفع غرض و زور ہے۔ ہر سال اس کے لئے اتنی مال کا اٹھارہ و دو دیکھ کر کہ ۲۵۰۰ سے کی پیش کیا جائے کہ آج ہی روز کر کہ عیب غریب کے محل کر لیجے ہو سکتا ہے مال ختم ہوئے پر ہم نہ آپ کے کوئی امیل نہ کر سکیں۔ اور اس روز اس سے ہر روز غریب و فریبوں کو ملے ان کو رو پکے و جہ۔ لیکن صبر و استقامت سے علاوہ ہے۔



کہ وہ ہے، اسی رات کی سانسے والے میں کچھ میں بیٹھا تھا، ہاتھ اس کی سلی
میں لپیٹ کر اس سے اتار کر رکھا یا ہوا پہل ایک دم کس گیا تھا اور اسی بار اس نے
چوڑا کر کہا تھا پیر کے بچے سے بیٹا جاؤ، ہوا بہت قریب رہی کہ ہے! —
مگر یہ آواز پرشادی تک نہ پہنچ سکی تھی وہ وہیں بیٹھا براہِ کار ہوا تھا —
مجموعہ مہینا ہے!

رات کو جب کی وقت مذی اور مٹی تھی تو دھیرے دھیرے کچھ کو نڈا ہوا
منڈے کی طرف بڑھنے لگا تھا ہوا بہت زور سے چل رہی تھی آسمان یا لوں سے
ڈھکا ہوا تھا، بڑی سخت اندھیری تھی ہاتھ کو لہو لہو تھا جانی دو تباہا چپ چپ
کی لہو میں سن کر وہ چمکے گی تھی اور سب کچھ لاس نے پیسہ بچا دیا تھا پرشادی نہیں
شعبہ ذکر سنا تھا اور منڈے کی موٹی لکڑی پر کمرہ ایک ہی جھلاٹک ہی اور لگا
تھا اس کے منڈے سے جھلکی کی جھینجھین بوسوٹ کر جلدی سے اس نے پرشادی کی
جیب میں ہاتھ ڈال کر ٹھیک سے پتلی نکال لی انھیں پھر دیکھ وہ وہ وہ...
ساتھ منگ چلیاں کھاتے رہے اس نے چلنے کے کر پرشادی سے کہا تھا...
..... رات کو گیلے کپڑے نہیں پہنا کتے انہیں اتار دو۔

پھر پرشادی نے لیٹے ہوئے پوچھا تھا تو تو نہیں تھا مجھے کیا کریں
بھلے بھلے تھک گیا پھر کی ندی میں پانی ہی کیا تیس کی نول ہاتھ میں دھوئی
تو کبھی کا لگیا ہوتا میں تھرک، اسی رات ایک گینڈا منڈے کے نیچے بیٹھے لگا تھا اور
وہ وہ پرشادی سے چپ چاپ لگتی پرشادی نے ہاتھ پر ہاتھ کر پیسہ بچا دیا تھا اس نے
سوتے رہے شادی رات کو کھانے بہت سے پڑ گئے لوں نے کھانا کھا لیا اور اس
کے سسر نے گھر سے آکر گھر دیا اور وہیں کہا تھا پرشادی رات بھر روتا ہے۔ جب ہی
تو یہ پڑ تو ڈالے گئے روئے میرا کیا ہے بھگتا تجھے ہی پڑے گا۔

اور بالکل ہی ہوا جب کہیں کھانا اور پھلوں سے دانے نکلے تو پچھلے سال کے
مطلب میں آدمی پیداوار بھی نہیں تھی پھر لڑائی کی وجہ سے دھمکانی بڑھتی گئی۔
دو سال رہے، ایک کھانے پیار کر دو دھ سے بھاگ گئی۔ اس کی بچھیا سو کر کھانا
بگئی اسی سے چوکیدار نے گاؤں کے آدمیوں کو فوج میں بھرتی ہونے کے لئے
اُکسایا۔ اس نے کہا، شہر میں بھرتی کا دفتر کھل گیا ہے اور سرکار کی بڑی خواہش
پر رگڑت بھرتی کر رہا ہے بہت سارے بچے بھی ملتا ہے، خواہ الگ ملے گی رکھنا
کچرا سب سسر کا کہ ذمہ بچا پرشادی بھوک، دھمکانی اور جہان کی روز
روزی کا دن پھر پھر سے تنگ آکر لوگ میں بھرتی ہونے کو تیار ہو گیا۔ اور ایک دن
وہ اپنی سلی، موٹی اور جھینجھین کو یوں ہی اندر ملبوں کے اندر میں دھو کر جلدی
سکھ کر آکر شہر چلا گیا۔ شام تک وہ لوٹ کر نہ آیا تو اس کی چھاتی میں ہو گئیں

نٹنے لگے، باب لگے، گھبے بہت دنوں کے بعد اسے ہولناکی کا دورہ پڑ گیا
اور سوچنے لگا، میں چوکیدار کے لئے دھوکے سے پکڑا تو نہیں دیا یا سسر کے لئے
زبردستی اسے دل میں بٹھا کر لڑائی پر تو نہیں بھیجا وہ جس قدر سوچتا تھا
اسی اس کو دھمکانا اور دھمکانے سے بچنے کی بڑی جھلکی لگتی تھی مگر دن چھینے
کے دو گھنٹے بعد جب گھروں کے ہرے بھتیوں میں سارے محبت کے گیت گارے
تھے، اوٹھ اٹھا، ی کے پریم بھرے لئے فضا میں گونج رہے تھے پرشادی ہنستا
ہوا گھر میں گیا تھا اس کے ہاتھ میں دو تھکاؤ تھے اس نے خوشی کے ساتھ
اپنے باپ سے کہا تھا میں بھرتی ہو گیا، سب کچھ آکر یہ کاغذ دے دو لگا دے
کے دستکار کو کہ اس میں بھرتی کے دلائل ہیں دے آئے گا، کھانے میں کے دینے کی
مجموعہ روشنی میں، کھانے کی آواز سے جھانک کر پرشادی کے خوشی سے چلنے پونے
چہرے کو دیکھ رہی تھی اس کو دل اور زور سے دھڑکنے لگا تھا ایک وہ بھی کچھ
رہی تھی پرشادی ایسے بڑے چلے آدی کو فوج میں کون بھرتی کرے گا وہاں
ہی لوٹا آئے گا۔ رات کی اندھیری راتوں میں بھی وہ دونوں منڈے
پر پیسہ بچا لیا۔ نادان کے منڈے یہ باتیں سن کر اس کے سانسے بدن
کی جان لگ گئی۔ ہاتھ پاؤں میں ہو گئے جیسے کسی نے اسے بہت سی ایون کھانے
ہوا کی۔ کاغذ میں پٹی ہوئی دو جین جلیاں پرشادی نے اس کی طرف بڑھا
دی تھیں۔ انہیں لے کر کتنی خوش ہوئی تھی اس دھڑکے کی بوجھ کی میں بھی کر
پرشادی۔ پھر دن کے بعد چلا جائے گا اس کی کچھ کھانے کی تھیں۔

پھر پریم ہے، انہیں مجھ سے — یہ سوچ کر وہ کچھ اترا کی گئی تھی اور اس
نے کھانا پر غور کیا، کتنی ہی جھینجھین کو بچنے کی تھیں جو کھانا دوز ہی تھی مار
کہا کہ اس کے منڈے سے نکل جائے گی تھیں وہ بڑی بھگوان ہے، یہ سوچتے
سوچتے اس نے ایک ٹھنڈی اور ٹھیک جلدی کو دیا اور اسے کھانا کھانا شہر لے گیا
تھا کتنی سٹھاس تھی ان جینوں میں جینوں کی یہ سٹھاس زبان سے روح نکلا
جھینجھین لگی تھی اور اس دن ہولناکی کا دورہ بالکل ہی ٹل گیا تھا۔

اس لئے دن چوکیدار نے بھرتی کے کاغذوں پر کھانے کی تصدیق کر کر
انہیں دفتر میں بھیج دیا اور دو سے رہی ہنسنے میں پرشادی کو شہر لے آیا۔
جہاں سے اسے کچھ رہے شیشی مل گیا، تین چار گھنٹے کے بعد جب وہ بہت سے
سفید سفید لوٹ لے کر لوٹ آیا، آتے ہی اس نے کہا۔ حکم مل گیا بھرتی کا
بھرتی کے دفتر سے رسول میں یہاں سے چلا جاؤں گا اپنی نوکری پر اتنے
سفید اور اتنے بہت سے لوٹ نہاری عمر میں پانی بار ہی اس نے دیکھے تھے جب
باپ کے کہنے پر پرشادی نے اسے یہ نوٹ لکھے کوئے تھے تو زبانی کہا،

جو کئی تھی سہی، انکھوں سے موٹے موٹے آنسو ٹپک رہے تھے۔۔۔۔۔
 ہاتھ پاؤں گئے۔۔۔۔۔ کیا اگلی برسات میں وہ اگلی ہی منگوا
 پریشانی کی دھڑکن سے بھرے گی، مگر وہ اپنی روئے کو وہاں کیو مکر رہے گی؟۔۔۔
 نہ پھر کھینچا کاٹا اونڈا رام سر نہ کیو مکر سے چین لینے دینگا۔
 وہ تو اب بھی دانی لانے وقت بھی نہیں اسے دلچیز کر رہے ہیں اس کے دل کو کرتا ہے
 ہر صبح بھالانے آتے ہیں اُسے عجیب قسم کا الجھن کی ہونے لگی طبیعت کھٹنے لگی۔
 جیسے کوئی ڈیرہ پر چڑھ کر اس نے نگاہ کی ہو اس نے بڑی بے دلی سے ان سفید ٹوٹا
 کو انکھوں کو بھی نہیں ٹالنا تھا ویسے ہی ایک ہی اعتبار کے جیسے ان کی کوئی قیمت
 ہی نہیں، اور اس کی داغ کی کو ان سفید ٹوٹوں سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

دوسرے دن پرشادی کے گاؤں کے بنے گاؤں پر چکا دیا جہاں کے
 رہنے بھی سمجھ دینے اور نگاہ کی اپنے بوڑھے باپ کو دیکر دیکر کھیل کے ساہی
 کو دے دیا جائے قریب سا بدھ سے اس کے بھائی کے بوڑھے باپ کی،
 سہی پہلی، وہی میں ہدی کے سے طوفان نے لگا اس کا چہرہ چل کی طرح کھل گیا
 اور ان کی کہ بہ ترتیب جھٹکوں میں اس نے جیسے جیسے پرشادی کی کر ٹوٹ کر کہا تھا
 جیسے وہ دنیا! پھر ایک دن سویرے ہی پرشادی پرانے کپڑوں کی چھٹی سی،
 ٹھوڑی سے کر شہر چلا گیا اور وہ ہدی کے اوچے کٹے پر کھڑی چوڑے بن ابرو ابر
 اسے کھیتی رہا تھی وہ بھی پھر کھڑے تھکا تھا۔ جیسے کوئی چیز اس کے پاس
 بل نہایت جب وہ انکھوں سے اوجھل ہو گیا اس سے ایسا محسوس ہوا کہ سورج ڈوب
 گیا اور جگہاں میں بہرے اندھیرا چھا گیا۔ جو تھے پانچویں دن پرشادی کے خط آتے رہتے
 وہ نہ بڑھتا، نہ کوئی کی آڑ میں چہلے کے پاس بیٹھ کر چپے چپے روتی رہتی تھی
 سرور کا شکر کھائیں کر ملیم گھٹا رہا اور وہ آنسو بہاتی رہتی ٹھنڈے اور موٹے
 سٹے آنسو۔ ایک سو دن پرشادی کا خط آیا اس نے لکھا تھا وہ کسی جیسے سمنند پارہا پارہا
 ہے یہ یہ معلوم کہاں جا رہے مگر خط اسٹے رہے ہیں گئے

ذرا سہر کر اس نے سوچا خط سننے ہی اس کی رگوں میں خون گرم کیا۔
 احساس میں، ایک سنسنی کی دھڑکن، یوں محسوس ہوا جیسے پرشادی کو اس سے نہیں
 کر کے لے جا رہا ہے سال بھر کے بعد خط لے، ایک دم ٹھیکے تھے اور رام سر نہ
 نے اسے نئی کرنا شروع کر دیا تو پرشادی کے ہاتھ میں وہ وہ دم بچانے لگا تھا
 تو اب تو کوئی دن سے بڑی طر اس نے آگ جوتی شروع کر دی۔ اسے چہ چہ گیا
 کہ پرشادی کے خط آتے ہر دو گتے ہیں اور وہ بالکل بے بہا ہو گئی ہے اس کا بوڑھا
 سرور رام سر نہ کے اٹھنے لگی قیمت ہی نہیں کہ کھانا اور کھانے کا وہاں میں
 ایسا ہے نہیں ہلام سر نہ کے بڑے کر تو توں بڑا نگل اٹھ سکے وہ کھانا کا بیٹا تھا۔

سب اس سے ڈرتے تھے۔ پاؤں سے یہ کر میں ان میں گر میں گئیں برسات کی منگوا
 پرشادی کا خط زنا تھا زنا آیا۔ اساتہ کا جینے لگتے، اس کے سر سے کھیت میں
 ہی چلا کر سکا ہو دی اور چوتھے پانچویں دن کی زمین سے بے شمار بنیاں ہونے لگیں
 جو بڑھتے بڑھتے ہرے ہرے پڑوں میں تبدیل ہو گئیں جب کھیت کی بجائے میں ٹھکا
 ڈالا گیا اس پر ہوا کا کی چند گلی اور میں کی مگر باں ڈال کر ڈال گیا اس میں پچھا دی گئی ایک
 ڈال ہار جگہ کو دیکھ کر میں سے اس کے سر سے جھٹ کی ایک کڑی میں اٹھ گیا۔
 رام سر نہ کے ٹوٹے اس نے ہر ہر پارہ
 اپنے سر سے کھڑے کو وہ کوئی رات کو منگوا سے نہیں رہ سکتی مگر ایک بے ہوش
 کچھ شرم کی آئی پڑھا سرور یہ ہی وہ کسا نہیں تھا وہ وہ نہ نہ کے ان
 دلوں میں کیو کہ منگوا سے پریشانی کے برسات کی جی لگی ہوئی ہوا میں ایک ہی دن میں
 اسے موت کے گھاٹا تار دھنگی دو کھانے کھانے سے رچے اس کا ہوا کوئی کمر میں نہیں
 ساس بھی ہوتی تو وہ صاف صاف اس سے کہتی۔ سرور کے سامنے تو اس کی زبان
 کھٹنے سے دھڑک رہی ایک دن سورج ڈوبتے وقت وہ منگوا سے پریشانی رام سر نہ تو
 پینے ہی سے کال کھانے تھا وہی دھڑک کھانے تھا وہ اس کے کھیت کی منگوا سے گدرا
 اور ہر مرتبہ اس کا دل دھک سے ہو گیا۔ وہ پیر پیر کر گیا دھک سے رہی۔ پیر پیر
 بجاتے آپ ہی آپ گدرا رہی ہوتی برسات کی سہانی یاد اس کے لا شور سے بھرنا تھا
 میں دھکے لگی اور وہ ان میٹھی اور سنہری راتوں میں کہتی جب پرشادی اور وہ وہ
 منگوا سے کی ان کڑیوں پر لپٹے رہتے تھے اس وقت تو کھانے میں نہیں اس کے چہرے
 نہیں اب کے تو دھکے کیا ہاتھ ہے رات بھر میں ہی چہرے میں ہدی طرح صبی
 ہوتی تھی۔ بادل گھور رہا تھا اور دھڑک رہی کے اس پار اس کے لوگ بیٹے کھٹے تھے

”رام مجھ میں نہا رہے“
 مانی کی یاد اس کی رگوں میں کھڑے رہی تھی وہ پیر پیر ہوا ہی تھی۔
 مگر اس کی چھوڑی آوازوں میں اب وہ رات اور ترنم نہ تھا وہ گیت کے سے لوتھ سے
 اکھ غالی ہوئی تھی سپری ہوا میں اب وہ گدرا کی سی ٹھاس پانی درہی
 تھی باؤں کی گدرا اہٹ دیکھنے کی کوئی نے باز بھانا چھوڑ دیا تھا جہہ کی بھلا
 میں دھکے درہی تھی اور پیر پیر کی بدوں سے ڈھکی ہوئی چوٹیاں تو بڑی طرح اسے
 گھونٹنے لگی تھیں وہ رام سر نہ کی گدرا ہوں سے کھنڈ زیادہ ہسیا نکھوتی بار ہی نہیں چلا
 تک وہ توں کا سوال ہے اس کی زندگی اتنی ٹھیک نہ رہی تھی اور وہ وقت بیٹ
 سرور کی تھا تھی تھی گدرا وہ اپنے جہنم کو اجالا بالکل اجالا اور سنسنائی نیاں کرنے
 لگی عجیب تک پرشادی کے خط آتے تھے جیسے جیسے وہ لوں کی یاد میں اجالائی
 خطوں کے بند ہوتے ہی ان میں بھی اندھیرا چھا گیا تھا وہ فری کے ان دنوں کو بہت

اس کے احساس میں گم رہی تھی جو نے لگی جو تھرا میٹیک کے پائے کی طرح اور پوچھی
گئی درجائے کب سے اس کی ٹھنڈی رگوں میں خون جا ہوا تھا اس میں روانی درپہ
تھی اس وقت زما کی میر میں اس کے ٹھٹھے ہوتے جذبات بھرک اٹھے پھر کسی اس نے
بہنچنی آنکھوں سے آنکھوں کو کھڑک رہا۔

کون ہے تو میں پیہ بجاتی ہوں؟

ایک دم بہت سی مونگ پھلیاں اس کی گود میں آگئیں اور رام سر ہل کھل کھلا
کرتے پڑا۔ پہاڑوں کی بادلوں سے دھکی ہوئی چوٹیوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی اور
اس کا ماتھے پیسے کی طرف اٹھنے اٹھنے رہ گیا اس میں آنکھیں کے پوروں سے شاذ و کم
ایک سنٹی کی پھل گئی اور پھر ۰۰۰۰۰۰۰۰ بہت دیر کے
بعد اس نے مسکرا کر کہا۔

ذرا نکھی میسے منڈو سے پر

اور جو آگیا میں کی دن اور؟

میں پیہ بجا دوں گی۔

اور وہ منڈو سے میں منہ کی ایک کچی ہوئی آواز چھوڑ کر چھپ چھپ کے
دھر دھراگ کھیرا چلا گیا اس کے بعد سے اس کی آواز ایک نامعلوم ہوجو سے دھکی چلی
گئی۔ اس کے کھیت کھیت کے اور برسات کے بعد کلابی جالہ سے بھی خدوٹ ہو گئے مگر اس
کو بوجھم نہ ہوا پھر تباہی گئی اس وقت وہ کئی بار پیہ پیہ یا ایک حرکت سے بھی
کڑکی تھی یہ کہہ کر کوئی کہہ نہ پوچھتا تھا کہ وہ پوسے انتظار پالے۔ اس پھر
پڑا اور جو اس سال پیدا ہوا بہت لپٹا ہوا تھا اس کے سر کو بڑی خوشی تھی
اس خوشی میں اسے ٹھہر جانا چاہا تھا۔ پتا نہیں وہ کون سا اتفاق اور اچھا پیدا ہوا
تھی سال پہلے تک اس کا پیٹ بھرتا رہے گی۔ مگر وہ نہ جانے کیوں ہر وقت اس
اواسات تھی اس کی آنکھوں سے خرم اور اداسی کا ملا جلا احساس ہر وقت جھکتا
دھکتا تھا وہ سوچ رہی تھی کہ میں یہ بات چھپ نہ سکے کی پر ڈن کو گئے پوسے
دو اس کو چکے تھے اتنے دنوں کے بعد اس چوٹے سے بھڑوں میں لئی تھے سب کچے
کی اس بنجانا کی طرح بھی مناسب نہ تھا کئی بار اس نے رام سر نہت کی اپنی اس
انجھن کا ذرا یاد اور ہر وقت اس کے چوٹوں پہ لپٹ چکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی ان
پھلکی مسکراہٹوں میں اس کی مصیبت کا کوئی علاج نہ تھا۔ ۰۰۰۰۰ آخر ایک
اندھیری اور ٹھنڈی ہونی رات میں جب پہاڑوں کی چوٹیوں سے لیکر ندی کے پیر
تک کہرے کی ٹھنڈی چادر تھی جو تھی وہ مگر سے نکل کر شہر کی طرف چلی وہ
گھٹنہ ندی پر دوڑ رہی تھی اس کا مستقبل اتنی بڑا بنے والے سورج کی طرح دھندلا
ہوا تھا اور وہ بھی سوچ رہی تھی کہ وہ رات کی آواز آئی جو کچھ بولے

یاد کرتی تھی جب رشادتی نہت کے پاس تھوڑے پچ کی جھوڑیوں کے درمیان وہ نہت کے
بکھرے پے جایا کرتی تھیں۔ یہ منہ ہونے کے بعد گئی تھی۔ وہ رہ رہ کر اس کے
کی انگلیوں میں اور زیادہ جان ڈال دینے کرتی تھیں۔ ربا لور کی کرکڑا ہٹ اور کچی کی
چمک میں مسکراہٹیں بھری ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ اس کی آواز دینا ویاں ہوتی
تھی۔ زندگی بڑا وہی چھوٹا تھی اور جو اتنی بڑی تھی اس کی باروں میں نڈیاں
انگی سے متعلق ہو رہی نہ جانے والی ذراں نہت میں دیرانیوں اور اداسیوں پر
ایک بہ نوقی کی شام کو جب سورج آخر کی پڑتو ہوئی۔ منہ نہت میں منہ چھپانے ہی
ملا تھا رام سر نہت کے پاس سے ٹھٹھا تباہا تھا اور مڑ کر اس کی طرف
دیکھتا گیا۔ اس کے بعد بھی اس نے نہت کی پکڑنے اور ایک مرتبہ کھینچنا۔ منہ نہت پر کہہ رہے
کہ ایک سچی کی ہنر نکاتی۔

میں کی بات سناؤں کس کو کون سے کام کی بات

گھٹنہ ندی کی بول بھلیاں اور میرا ٹک والی رات

ہاں نہت کے کچی چمکے اور بھری برسات

اس وقت تو اس ناان میں اس کے لیے کوئی کھٹکشی نہ تھی مگر وہ لڑی دیر
بھر ہی پیہ بجاتے رہے رام سر نہت کا پیہ اس کی کھٹکشی اس کے اس پر مسکراس
برسات کے لگا دو کہیں بیٹھا سا رہا تھا۔

ہاں نہت کے کچی چمکے اور بھری برسات

آپ ہی آپ پیہ کی جھوڑی آوازوں سے ایک غمناک سا منہ لگا ہوا
میں جان پر لگتی۔ وہ کچی کی چمک سے اس کی جوت بھوتی ہوئی معلوم ہونے لگی
دیکھ کر وہ ایک گھبراہٹ اور نہت کے دوسرے میں ڈوبی رہی۔ فروغ سے پر پوسے
اسے یہ نہت آئی۔ سوچے ہی اس نے خواب میں دیکھا تھا کہ اس کے بھتی میں اسے
میں اور بھر جھپٹتے جاتے۔ ۱۰۰ ایک کس میں پھٹے ہیں۔ یہ وقت اس کا کہہ گا کہ اور پچھنی
کے ساتھ وہ رات کی اندھیری میں زندگی کی بہانیاں ڈھونڈھنے لگی اس کا دل زور زور
سے چمک رہا تھا اور گوں میں طرفان سے جھرتے جارہے تھے۔ یہی بے غور کی جگہ پڑا رہی
پھنڈوں کو چھوٹی اور جھگ لگتی تھی اس کی رگوں میں دھڑکنے اور پھر رام سر نہت کا
ایک دنوں میں گھٹنہ نہت

میں کی بات سناؤں کس کو کون سے کام کی بات

اسی طرح چھپ چھپ کے وہ انداز آواز میں جو چلی برسات میں رشادتی
کے کہہ رہی تھیں۔ پوچھ کے پھنڈے پیدا ہوئی تھیں۔ اسے اچھی طرح سنائی دینے لگیں
اور جلد ہی کوئی منڈو سے پڑ چلا۔ یہ منہ نہت کے بے لگا ہونے اندھیری چھائی
ندی کا خون اور نہت کے کچی اور ٹھنڈی فضا گرم سانسوں سے بھری

اپنا اور بچوں کا خون صاف کر کے جسم کندن بنائیے

روکی سار سپرک

فنا خون کے تمام امراض کی بہترین مجرب و خون کی خرابی سے پیدا ہونے والے

جملہ امراض کی مسئلہ سر تاج ایجاد

یہ سو فیصدی حیرت انگیز اور کامیاب دوا ہے جو از حد مصفی خون ہر جامع امراض سوداوی و بلغمی و فساد خون و بقیہ
مادہ التشنج و رد مقابل خارش خشک و تر کیلے بی مفید ہے، کھجلی خارش، داد، پھوڑے، پچنیاں، عرق النساء، جھڑم
گھٹیا، گچ، مہاسہ، گرمی، دلے، چھپ اور تمام زہریلے مادہ جلدی امراض کا خاتمہ ہو کر جسم کندن بنانا ہے۔ ہزار ہا کٹر
اپنے مریضوں کو استعمال کر کر نیک نامی اٹھائے ہیں۔ ہمیں آہلی کے ممبران نے بھی اسکے زود اثر اور اکیس صفت ہونے کے
شناخت و شریکیت و محنت فرماتے ہیں۔ قیمت انی بیشی زور دے (مدا) محصول ایک روپیہ علاوہ
لیکن بیشی کے خریدار کو محصول بھی معاف ہے



حصصی (۱) یہ دوا بچوں اور بڑوں کیلے یکساں مفید، مارکیٹ میں فائدہ کے ساتھ سے سبب اسیاں و سبب مفید



ہندوستان اور برٹش ایٹ افریقہ کیلے واحد تقسیم کنندگان
روکی فریکٹ اینڈ کمپنی
کیمسٹ اینڈ ڈرگسٹ پشت جامع مسجد پوسٹ بکس کراچی

Rockie Treck & Co. P. O. BOX 54. DELHI. JAMA MASJID

سازشکستہ

نازش پرنا بگدھی

پریشرا حوال دل پر سکریا پڑا
جب کبھی بھی ڈلگاتے راہ میں میری قدم
ہائے وہ ساعت کہ جب ہر نفسی تیری ما
اک تغافل ایک شان بے نیازی ہو تو کیا
تھک چلی حسرت مگر آتے دم پر وادہ
اُف اے یہ رسم مروت یہ راج فتنہ کار
کمر ڈیں لہتی ہر اب بھی چند تاروں میں رات
آج اُنھیں وہ نگاہیں اور کچھ اس انداز
ایک ایسا بھی مقام آیا ہر راہ شوق میں

آج ٹوٹے ساز پر ایک گیت گا دینا پڑا
اکثر ان کو بازوؤں کا آسرا دینا پڑا
آہ یہ عالم کہ تجھ کو بھی بھلا دینا پڑا
مل گئیں نظریں تو تم کو مسکرا دینا پڑا
اب چراغ عشق مجبوراً بجھا دینا پڑا
شدت غم میں بھی مجھ کو مسکرا دینا پڑا
جب مری خاطر تری زلفوں کو گا دینا پڑا
دل میں ارمانوں کا اک طع فاس جگا دینا پڑا
جس جگہ قدموں کو خود ہی ڈلگا دینا پڑا

مرحبا صد مرحبا نازش یہ رنگ دست شوق

میری جانب ان کو خود دامن بڑھا دینا پڑا

طوقان کے بعد

کنول پر شاد کنول

سکے لگتیر ہانسو پھر جولا نیاں ساقی رگوں میں منجر ہوئے لگیں طغیانیاں ساقی
 لہو پی کر پٹر لگتھے تھوڑے تھوڑے کنول لکین یکایک چھا گئیں کسی یہ پھر ویرانیاں ساقی
 بدلنے الانتخاب ہم نے خوانہ ہی عنوان ہستی کو وہی پھر کیوں نظر آتی ہیں عنوانیاں ساقی
 اندھیرے میں معنی پہچان شکل دوست و دشمن کٹنگی بھی شبِ غم کی کبھی طولانیاں ساقی
 یہاں آتے تھوڑے خوں بھی نہیں تسکینِ خاطر کو یہ گھر میں نت نہ تو مہاں نئی مہانیاں ساقی
 لگاتے آ رہے ہیں آگ گھر میں جو وہی مدیوت ٹھہرا دیں کس نے عقل و ہوش پر نگہانیاں ساقی

بدلتا ہے بدل کر ہی رہیگا نظمِ عالم یہ

سہے گا اب نہ اپنی وقتِ فرمانیاں ساقی

انجم سلمان

جلوس

اس وقت کسی سخت سردی ہوتی ہے کہ دانت کٹکٹنے لگتے ہیں اگر ایسے میں
 صوفی دیر کے لئے قطری آنکھیں ہاتھ پاؤں سینک لئے جائیں تو اس میں ہرج ہا
 بہت اور وہ چائے اور پائوں سے آنکھیں ہوتی زبان منہ کے ادواب میں تر
 کرتے چوڑے معلوم کیوں آپ ہی آپ مسکرا دیا۔ چہرہ سرخ ہو گیا۔ آنکھیں چپکنے لگیں۔
 ہونٹ مسکرائے اور اس کا تمام بدن آپ ہی آپ ایک گھٹری بن کر رہ گیا۔
 آخر کیا حقائق ہے؟ اس نے برابر اتارے ہوئے پھر ہمارے ہاتھ کا بستر لگ پر پولیس کے
 سرپا ہی کھڑے ہوئے براہ گیر کو خود سے دیکھ رہے تھے اور سامنے چوراہے پر وہ
 انسیکڑ کر سب پتلیوں کے لئے بے چینی سے ہیں ہے تھے یہی وہ کسی اہم واقعہ
 کے منتظر ہیں اور سسر کی یہ تارکول کی بنی ہوئی سفید
 جھری سسر کی اور دونوں کے مقابلہ میں آج زیادہ جاڑ اور سنسان معلوم ہو
 رہی تھی معلوم کیوں؟ حالانکہ اس پر لوگ چل رہے تھے بسپا ہی ہاتھوں میں ٹپکیاں
 لئے ہوئے ہیں رہتے تھے اور انسیکڑوں کی تعداد پر صحتی جاری تھی اور وہ جھنجھٹا
 رہ شہد کی کھیسوں کی کی سبلی بھینچنا ہٹ اب بڑھ کر نعروں میں تبدیل
 ہو گئی تھی اور یہ نعروں کی آوازیں دم بدم قریب آتی جا رہی تھیں جس سے معلوم ہوتا
 تھا کہ کوئی جلوس قریب آتا جا رہا ہے۔ ہندوستانی بھی کیا اور نہ چانگ
 سوچتے ہیں اس نے ہنگ پر تکیہ کھڑکی کے قریب بسر کرتے ہوئے خیال کیا وہ دنیا
 میں مل ہو رہا ہے وہاں پر سیاہ شہرے لگائے جا رہے ہیں دنیا کی قوم اپنے کو سب
 زیادہ پیادہ اور جتنجو ثابت کرنے کی پٹی ہوئی ہے اس کو فریجے جابے ہیں فوجی کیمپ
 قائم کئے جا رہے ہیں اور یہ ایم ایم خدا کی عذاب ہے شاید جب قیامت آئے گی
 تو ہمیں کسے پاس ایک ایک ایم ایم ہو گا مگر واہ رہے ہندوستان
 یہاں کے قسمت لوگ جیسے جو لوگوں پر وہ پیر کیا کر رہے ہیں اور اگر بہت ہی قریبی
 ہوئی تو ایک آدھ دھواں و حار تقریر کر دی جاتی ہے بار بار قریبی قریبی کی

وہ اچانک پڑ پڑ کر بستر سے اٹھ بیٹھا اور کچھ دیر بہوت رہنے کے بعد
 دائیں بائیں اپنی کمر کو بل ویا اور پھر بستر پر جم دراز ہو کر اس نے کمرے کی کھڑکی
 کھولی اور باہر دیکھنے لگا دن کی روشنی آہستہ آہستہ پر صحتی جاری تھی اور
 سسر کی ہر آواز کو وہی ہیں رہتے تھے البتہ سامنے والے چورسے پر کچھ بسپا ہی
 اور انسیکڑ کھڑے ہوئے تھے اچانک ہول کے ایک تیز جھونکے کے ساتھ کسی آواز
 کا شہر اس کے دماغ سے گھلایا اور بے اختیار اس کا ستر تکیہ پر جا پڑا جیسے کسی
 نے اس کو دھکیں دیا ہو۔ کیا پڑ لوگ ہے کس اور کھینچتے ہوئے وہ پڑ پڑا یا اور
 پھر اس نے سوچا۔ کم صحت و صوں کے آرام کا خیال بھی نہیں کرتے۔ ایک آدمی
 ہوا کیا ہے۔ اور اس نے انکھیں بند کر لیں اور شور سبے نیاز ہو کر دوبارہ سو
 فی کو شہد کی کھیسوں کے بھینچنے کا سا شور آہستہ آہستہ پڑ چٹا
 ہی جا رہا تھا صبح کی چوڑکی سے میں داخل ہو کر ننگی پھیلا رہی تھی۔ اس نے بڑا سا
 منہ بنا کر انکھیں کھولیں اور ہاتھ پھینک کر دروازے کی کھڑکی کا ایک پٹ بند کیا اور
 پیدہ بیکر کھڑکی کی طرف چلے گئی۔ فروری کا ہینہ ختم ہو رہا ہے اور سو فی ختم ہونے
 کا نام نہیں لیتی۔ صاف دن چڑھتا آ رہا ہے اور ذہیند اس نے انکھیں
 کھل دیں اور سیسما ہر کمرے کی صحت کی طرف تارکے لگا۔ لوندنگ کی صحت
 بھی تو سہریلوں ہی میں ملتی ہے ایسی سردی میں جب کہ شدت برودت
 سے رگوں میں دوتا ہوا خون بجمد ہو جاو اور ہینہ کی پٹی تاریخ ہو جب کہ
 سردی کا مقابلہ کرنے کے لئے جیسا میں روپے بہرتے ہیں ایک بڑا سا سجا ہوا
 اور پڑا ہوا کمرہ ہو اور کمرہ گرم رکھنے کے لئے سامنے آنکھیں میں کوئلے سلگ رہے
 ہوں ہاس ہی میز پر ایک توڑا اور وہ پیکر رکے ہوں اور اپنی پوتیں
 آخر ہر دن ہی کیلئے؟ اس میں ایک ذرا بدن کو گرمی پہنچانے
 کے لئے سبیکہ دن بھر کی محنت لگے لگ ایک ایک مصلوبہ ہر لمحہ میں جکڑا ہوا ہوتا ہے

اور خدا کی بنائی ہوئی اس اطویل و طریض زمین کے تمام کھسے ہوئے ٹکڑوں کو
سمیٹ کر یک کر دیا۔۔۔۔۔ اس نے اپنے قوتِ باری سے اس دنیا کو سجایا اور سجاوا
اور اس کی پیدا کی ہوئی تمام نعمتوں کا حقدار بنا۔۔۔۔۔ مگر لوگ؟۔۔۔۔۔
یہ لوگ کون ہیں اور بزدل ہیں۔ نوح انسان کی پیشانی پر نیک بے نادانچہر اور اپنے
بے رونق کریمہ المنظر چہرہ پر اٹھٹے اور اکڑے ہوئے ہر بن اور سرخری چال سے
انسانیت کی توہین کر رہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو۔۔۔۔۔

مزدور۔۔۔۔۔ مجھ کے نہیں مر رہے

مزدور۔۔۔۔۔ ایک ہیں۔۔۔۔۔

نعمتوں نے اسے اپنے فیالات سے چونکا دیا۔ اس نے لغت سے جلوس کی
وطن دیکھا آہستہ آہستہ اٹھلے ہوئے اب وہ کوئی گیت گانے لگے
تھے۔۔۔۔۔ اس نے سوچا۔ کیا عورتوں میں حرکتیں ہیں؟ پہلے تو جیننا چاہا
اور پھر عورتوں کی طرح گانا۔۔۔۔۔ عجیب لوگ تیب اس سے یہ توقع ہر ہوتا
کہ وہ لوگ ایک جہاں کی ایک آباد ہو کر ٹہری اچھی دمن ہیں گاہے جس گھاس سے
یہ کہاں معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ بسکوں نہیں مر رہے۔۔۔۔۔ جب یہ لوگ بڑا پس
کر رہیں گے۔ ہزاروں لوگ ایک جگہ جمیں ہوں گے۔ بدلتی پھیلتی ٹھیں گے تو پھر کہیں گے کہ کہاں
سے آئے؟ دنیا میں پیدا ہوئے ہو تو انسانوں کی طرح رہو دن بھر محنت کرو اور
شام اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق مزدوری کا معاوضہ لادو مگر ماؤ اور اپنے بچے
بچوں کا پیٹ پالو اور دین کی بنی بجاؤ۔۔۔۔۔ یہی زندگی ہے۔۔۔۔۔
اور یہی ان لوگوں کی طرح زندگی بسر کرنے کا سیدھا راستہ ہے۔۔۔۔۔ آخر ہم بھی
تو انسان ہیں۔ ہماری طرح رہو۔۔۔۔۔ انسانوں کی طرح۔۔۔۔۔ اس نے
اپنا ایک ہاتھ کھڑکی کے جھنگے پر رکھ لیا اور سرسبز باؤ پر رکھ کر وہ سوچنے لگا۔۔۔
ہمارے وہ اسلاف جنہوں نے اس دنیا کو سنوارا اور ہمارے رہنے سہنے اور زندگی
گزارنے کے قوانین بنائے انہوں نے ہمارے لئے ایک سماج بنائی اور ہمارے
آرام و آسائشوں کی خاطر خون پسینہ بہا کر ہمارے لئے ایک مکمل تمدن کا ڈھانچہ
تیار کیا اور آج ہم نے ہر پرانی باتوں پر لعنت بھیجنے ایک فیشن سمجھ لیا ہے اور اس
سماج کو اپنے لئے غلام کا خلق سمجھتے ہیں لیکن ہم نہیں جانتے کہ اسے کون کون سے قوتوں
سے توجیب دیا گیا ہے کیسی کیسی معصیت، طعانی لگتی ہے جب کہیں آج ہم اس
قابض ہوئے ہیں کہ ہم نے ہزاروں کی زندگی بسر کر لی مگر وہ لوگ اپنے بزرگوں
کی تمام محنتوں اور روایتوں کو مٹا دینا چاہتے ہیں ان کو وہی سید کرنا چاہتے ہیں
اور انہیں بے وقوفی اور حماقتوں سے ان کی تمام باؤ کا راصلہ، وقایع کا ٹکڑا گونٹنے
پر ملے ہوئے ہیں۔ آخر کیوں؟۔۔۔۔۔ ایسا کیوں ہے؟۔۔۔۔۔

رٹ لگائی جاتی ہے۔ قومی غیرت کا واسطہ دیا جاتا ہے۔۔۔۔۔ اور یہی کی جاتی ہے گوکارا لیا
جاتا ہے۔ دھمکیاں دی جاتی ہیں جیسے اگر ان زمانہ مانگنا تو جو بچا لے آجائے گا۔
مگر جب قربانی کا مٹھا آتے ہیں جب حقیقت کے پھلے پونے کے قطرے صبح کر کے گوش
کرتے ہیں کہ اپنے دشمنوں سے انتقام میں تو غریب و مظلوموں میں رٹا دیا جاتا ہے جی
نوا آتالی کے سہارے لٹاؤ دے جاتے ہیں کبھی کبھی یہ دشمن گیس جیوا دی جاتی ہیں
اور یہ غریب بیمار۔۔۔۔۔ کیسے زمین اور فاضل ہر تے ہیں وہاں
کے لوگ؟ یہ ان کی ذہانت اور قابلیت سے کام لیا گیا ہے کہ انہیں میں ہی ایک
دوسرے کو ذبح کر دیا۔ پھر ان فسادوں کو برا بھلا کہہ کر عام الزام لڑنے والوں کے
سے مقرب دیا جاتا ہے اور خود نیچے جھاڑ کر آگ۔ جلتے ہیں جیسے کچھ ہو رہی رہا
۔۔۔۔۔ اس سے تو بڑھ کر لوگ خاموش ہیں رہے اور۔۔۔۔۔

ہندو مسلم۔۔۔۔۔ بھائی بھائی

انگریزوں کی۔۔۔۔۔ ائی تیا ہی!!

۔۔۔۔۔ ہندو مسلم۔۔۔۔۔

لڑتے رہیں گے!۔۔۔۔۔ وہ زور سے چیخا مگر فوراً اسے اپنے
پاگل پن کا احساس ہوا اور اس کو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے اس کے صمیر کی آواز میں
جلوس کے فلک شکنانے غصے دیئے ہیں۔

لاحول ولا۔۔۔۔۔ کیا یہ پورہ فروہ ہے؟۔۔۔۔۔ اس نے تھیلی کا سہارا
لے کر کھڑکی سے اپنا سر باہر نکال دیا بڑے بڑے لال جھنڈے لے ہوئے ہزاروں
رنگ آہستہ آہستہ اس کے مکان کی طرف آ رہے تھے اُبلے دودھ جیسے سفید
کپڑے پہنے ہوئے سیلے کھد کو اپنے سخت اور کھدورے بدن سے لپٹے یا پھر رنگ
دھڑنگ بکریں ایک میٹالی رنگ کے کپڑے کا ٹکڑا لٹا ہوا۔ پیلیاں اُبھری ہوئی
آنکھوں میں بڑے بڑے سیاہ حلقے بڑے عجیب پرہیز کی شکل۔۔۔۔۔
مگر جوش میں کھپکھپاتی ہوئی۔ ہاتھوں کی مٹھیاں پھینچی ہوئی سب سے نکلا ہوا ہے
سہاڑی جنگ پر جا رہے ہیں۔۔۔۔۔ اور اس کو ان کی یہ سرخری صورتیں
دیکھ کر بے اختیار رہنسی آگئی۔۔۔۔۔ بھلا یہ لوگ انسان ہیں جن کی شکلیں دیکھ کر
ہنس آتی ہے اور بچہ خوف سے ڈر جاتے ہیں انسان تو اس شرانہ مخلوقات ہے
وہ خدا کا نام ہے وہ خدا کی بنائی ہوئی مخلوق میں سب سے زیادہ حسین ہے سب
زیادہ عقل و فہم کا مالک اور زمین و آسمان ہے اس نے زمین سے خزانے نکالے۔۔
عظیم انسان محلِ قیصر کے۔ شہر لے لے باغوں کی آبیاری کی کیتھوں سے غلہ پیدا
کیا اور خدا کی تمام جائداد مخلوق کا پیٹ پھلا۔۔۔۔۔ اور وہ
ہو تو انسان ہی تھے جنہوں نے سمندر میں سے موی نکالے اور ان میں جہاز بنایا

اس سے کہتی۔

نام میاں!۔ دیکھو یہ تہلے چپا ہیں۔ ان سے بات کرو یہ تمہیں پیسے دیں گے اور جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو... تمہارے باپ کی طرح ایک ٹپاؤں پر آؤں بنے ہیں یہ تمہاری مدد کریں گے۔ اور وہ ان سب باتوں پر سسر لگا کر اپنی ہمسائی سے پنپ جاتا۔ جسے اب وہ اس کے کہنے پر غلام بننے لگا تھا۔
در دست شہر میں تو اس نے اسے بھی اپنی مال کی طرح اسی ہی کہنا چاہا تھا مگر اس نے اسے ٹانٹ دیا اور جب اس کے چپا لیے گئے تو اس نے اسے سمجھایا۔
دیکھو میاں! تم بھی کسی کے سامنے ہی نہ کہا کرو۔

اس نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ کیوں؟

اس کی ہمسائی نے بے اختیار اس کا منہ چوم کر کہا نہیں میاں ہم تہلوی امی نہیں۔ ہم تو تمہاری خالہ ہیں۔

یہ سارا اس کی سمجھ میں نہ آیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اس سے خالہ کہنے لگا تھا اور ہر نیا آنے والا خواہ وہ جوان ہو یا بوڑھا اس سے اس طرح باتیں کرتا جیسے وہ اس کا بیلہ ہے اسے پیسے دے جاتے کہ نہ بیلے جاتے۔ تفریق کرائی جاتی اور جب تک چچا اس کے یہاں رہتے خوب اس کی ناز برداریاں ہوتیں اور پھر ان سب کے بعد ایک دن وہ بھیگتا تا جبکہ کسی بھی معمولی بات پر چچا اور خالہ میں لڑائی ہوتی اور چچا صاحب مجبہ کے لئے رخصت ہو جاتے۔ ان کی جگہ کوئی دوسرا سنبھال لیتا۔

۔ اور ان چچاؤں کی مدد و رفت دیکھتے دیکھتے اس کی عمر اٹھارہ سال سے زیادہ ہو چکی تھی اور اس طویل عرصہ میں اس کی خالہ کے جسم کی تمام رختاں اور آرائشیں گھس کر اس کے دلہند چچاؤں کے بدن پر چری بن کر چڑھ گئی تھیں۔ جنہوں نے مدت سے اس کے یہاں آتا بھی چھوڑ دیا تھا اور بھوکہ دن ایک دن آیا آیا جبکہ اس کی خالہ کسی تہلوی بیماری میں مبتلا ہو کر مر گئی اور بڑیاں اس کی خالہ کا یہ مکان۔

۔ آج حالانکہ وہ ابھی طرح جانتا ہے کہ اس کی خالہ کون تھی اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اس کے چچا کیسے لوگ تھے۔ مگر یہ سب شائد یاد رکھنا اور دہن زار بھی تو اس کی خالہ نے ان چچاؤں کے دلچے سے ہی پیدا کیا تھا۔
اور یہ اپنی رویہ کی مرزومت دینے والے ہاٹھوڑاؤں کے میلوں میں تو اس کے ایک چچا ہی تھے جنہوں نے اس پر سر کھ کر اپنے یہاں ملازم رکھا تھا۔
پوچھا ہوا؟ اس کے خون میں کونسی زحالت ہو گئی؟ اور اس کی شکل و صورت میں ہاں کی خوش آگئی؟ اس سے اس کی شرافت بجا بت میں کونسا فرق آگیا؟
۔ وہ تو خاندانی اور نجیب الطریقین میں زاد و بوم اس کے باپ

اس کا کوئی جواب نہ سنی سنا۔ البتہ اسے خیال آیا کہ وہ بھی کونسی کمی اپنے کو ایک بے پس اور ہماروڑو کی طرح محسوس کر سکتا ہے جب ہمیں آخر ہر ملنے اور کس سے دیر لینے کی امید نہیں ہوتی اتنے پاؤں کی سرخی دن بدن بڑھتی جاتی ہے اور ہر خون کو کھانے کے لئے ایک توں اور ایک ماڈل حاکم سے گئی کوئی صورت قطعی نظر نہیں آتی تو کتنی درجہ اس کا بھی چاہا کہ وہ اپنی اس بے بسی پر خوب روئے کتنی ہی بار جب وہ کسی منگے سوکے کوٹے کہنے میں روپیوں کی کمی کی وجہ سے کام ہو تو اپنی اس لاجاری پاس کی آنکھوں میں آنسو بھرائے اور بے اختیار اس کا بھی چاہا کہ اس کے بے شکم اور ہاٹھوڑو کی سکتو بہت ہے کہ وہ خود کٹی رہے اور یہ خیال آتے ہی فرشتہ خوری طور پر اس نے ایک منگندی اور الٹی سانس لی اور اس نے سوچا کہ آخر کیوں مرے چند لوگوں نے دنیا کے جنت کدہ میں آگ لگا کر اسے بھڑنا رہا ہے۔ صبح اٹھ بچے سے رات کو دیکھتے تک وہ ہاٹھوڑو ڈاؤس میں رجسٹر کے فالو اور جوتوں کے نمبروں میں الجھا رہا تھا ہے ہزاروں روپیوں کے بل اس نے اپنے ہاتھ سے وصول کئے اور ہزاروں ہی روپے اس نے اپنے ہاتھ سے منبر کی بخوری میں بند کیا مگر جب بھی ہمیں تم ہوا پھر جاتے انیس سانس دن ہی کیوں نہ ہو جائیں مگر اس کی جیب میں اتنی روپے سے ایک پانی زیادہ نہیں آتی تھی اور وہ اتنی روپے بچا ہوا تھا جس کا اس نے دیتا تھا جیسے وہ کسی سات بچوں پر بڑا احسان کر رہا ہے اور وہ جو ہمیں ہر جگہ کے خالوں میں اپنے یہ۔ چوتھے ہاتھ کوئی بات ہی نہ ہوتی۔ اور پھر ہنگامی نے بھی تو روپیوں کو کوڑیاں بنادیا ہے اور پھر وہ ایک نواب زادہ لڑا تھا جس نے انھوں کو چپوں اور شاپاؤں سے سارے کو دھست تمام خاندانی جائیداد خیرا پر چڑھ گئی تھی اور مدت و وقت غریب کے پاس ایک کوڑی تک دفعتی نہ آتا تھا اس کی کڑا لیا یا اس کے منہ کے بعد اس کا بیٹا اطمینان سے کچھ دن کھا پانی سکتا۔
گمراہ تو بھلائی ہو اس کی ہمسائی کا جو کسی زمانہ میں اس کے باپ کے یہاں ملازم تھی۔ اس نے اس کو کسی بے مروت اور لوطا چھوڑ کر کادست گمراہ بننے دیا اور اس کے رشتہ دار بھی یہ سوچ کر کہ کون کی مصیبت مولے خاموش ہو گئے۔
البتہ ہمسائی نے اس کے بال باپ کے بچے سے بے انتہا ہمدردی کا اظہار کیا اسے اپنے یہاں رکھا، پڑھایا لکھایا اور ایک ماں ہاں!
۔ شاید جیسے تمام عورتیں صرف ماں بننے کے لئے ہی پیدا کی گئی ہیں مگر اس کی ہمسائی تو ابھی تک ماں نہیں بنی تھی اور اپنی عمر کی چپڑیاں پہاڑیں دیکھنے۔ یہ ہمیں کون لڑی دوشیزہ کی طرح زندگی بسر کرنی تھی اور اس کا تو بالکل ایک نئے خیال کی طرح خیال گھٹی تھی اور جب بھی اس کے یہاں نیا آدمی آتا تو وہ

مجموع میں ایک مشعل لیں اور جامعیت غفلت جو شکار ہے اور یہ اس کی بھری ہوئی
 چھائی اور حسین صورت | خوبصورت
 اس نے ایک دم لحان سمیٹ لیا اور وہ بھی اپنی صورت سے نہیں دیکھنے کے لئے اٹھا
 ہی تیار کیا۔ چنانچہ اس کو شور و غل سنائی دیا۔ ان کی کرنے کی کوشش
 کی مگر شور بڑھتا ہی گیا۔ یہاں تک کہ وہ گھبرا کر پلٹا اور پھر کمر کی پر
 سے اس نے باہر نظر ڈالی۔ اور وہ دمک وہ نظر دور آتا گیا۔ مگر کپڑے
 جلوس جارا ہوا تھا۔ بڑے بڑے لال چھٹکے اٹھنے ہوئے۔ مگر اب
 ایک انتشار پھیل چکا تھا۔ ایک سرسراہٹ اور جھلک مچتی ہوئی تھی۔
 جلوس کے آگے پیچھے پولیس کے سستے کھڑے ہوئے تھے اور بیچ میں سینکڑوں
 سپاہی بے نشانہ جلوس پر لائیاں برسا رہے تھے، بکے میٹھے رہے تھے تو
 کبھی نہیں اور غور زدہ کھڑے نہیں رہے۔ اور مرد
 یہ تنگ و سرنگ اور بڑے بڑے چلے انسان، چہرہ سرخ نہ تھیں
 اٹلی ہوئی منہ سے جھاگ اڑتا ہوا۔ سینکڑوں لاطھیوں کے چکر میں غلے لگا رہے
 تھے۔ کھدروں کے لہرے بند ہوئے کی کوشش کرتے تھے مگر لاطھیوں کی سنسنی
 اور حشاشہ حملوں سے پیدا ہونے والی جھنجھیں انہیں، بادی تھیں۔ اس نے جھپکڑ
 کھڑکی بند کر لی اور دونوں ہاتھوں سے دبا کر اپنا پورا وزن اس پر ڈال دیا جیسے اچھی
 کوئی دروازہ توڑ کر اندر آجائے گا۔ رچیوں کی جھنجھیں اس کا دل دھڑا رہی
 تھیں اور چش لہرے اس کا سمجھ اڑائے دیتے تھے لاطھیوں کا شور کانوں کے پرے
 پھاڑے لٹاؤں تھا۔ اس پر بے ہوشی طاری ہونے لگی۔
 اور انہیں بند کرتے کرتے وہ ایک ساتھ کسی بند قفس میں کی آواز سن کر
 چونک پڑا اور سنہل کر اس نے چٹنگ کا سہارا لیا۔ شور ایک دم ختم ہو گیا۔ لہرے بند
 ہو گئے اور لاطھیوں کی سنسنی ہٹ کر گئی البتہ جب اس نے کمر کی کھوکھو دبا دیا
 دکھا تو دو دمک سوائے پولیس کے سپاہیوں کے اور کچھ اسے دکھائی نہیں دیا۔
 جو جمیوں کے درمیان میں جھپکڑ کرتے ہوئے ان کی گراہوں کی جھنجھ مندی
 کی کہانیوں کے شور سے کچل رہے تھے۔ مگر کچھ ہر طرف لاشیں لاطھیاں بھری
 ہوئی تھیں اور کہیں کہیں پھٹے ہوئے جھنڈے بھی اپنے ستونوں میں الجھے ہوئے
 پڑے تھے۔ شغاف مگر پر باج خون کے دھبے پڑ گئے تھے۔ زیادہ دیر
 اس دردناک خطر کو دیکھنے کی تاب نہ لاسکا اور ایک شکست خوردہ انسان کی طرح اپنے
 بستر پر پڑا جیسے وہ بھی اسی منتشر ہوئے جلوس میں کا ایک ذرہ جس کے متعلق
 ابھی اس کے ذہن میں نفرت کے گندے خیالات آ رہے تھے مگر اب وہ اپنے کو جھپکڑ
 سب سے بڑا ہمدرد سمجھ رہا تھا اور اسے محسوس ہوا تھا کہ جیسے ابھی ابھی وہ لڑائی

دبا کر داسا لپٹ رہے سوچے ہوئے اس نے بے چینی سے کروٹ بدھ کر اپنی نفس سنا
 دیا اور پرگے ہوئے کلینڈر پر گلا دیں پھر اس کے ذہن میں ایک خیال نے انگریزائی کی۔
 ان غریبوں کی قسمت میں کب تک کھوکھریں کھیں گی اتنا حد میں
 میں گولی چلی گئی۔ بس لڑاؤ کھڑا ہے۔ ہر سول جید ریلو کی بادی ہے
 اور کب تک ان کو اس طرح کھلا جاتا رہے گا۔ کب تک لوگ خیرانوں کی طرح ان پر اپنا
 بوجھ لاد کر ان کا خون چوستے رہیں گے یہی تو انسان ہی ہیں۔ یہاں ساتھ رہتے
 ہیں۔ زندگی گزارتے ہیں۔ ان کا بھی جی چاہتا ہے کہ صاف تھڑ
 مکان میں رہیں۔ مگر کھانے کھائیں، پچھے کپڑے پہنیں اور اپنے دوستوں کے ساتھ
 اڑتے ایلٹے اور سگریٹوں کے دھوئیں اڑاتے ہوئے چلیں۔ وہ بھی
 جانتے ہیں کہ ان کی بیوی ایک سلیقہ مند خاتون ہوتا کہ دن بھر کی محنت کے بعد وہ
 جب گھر پہنچیں تو خندہ پیشانی سے ان کا استقبال ہو۔ وہ بھی سوچتے
 ہیں کہ ان کے بچے اسکول اور کالجوں میں پڑھیں اور انہیں اس کی پوری آزادی ہو
 کہ وہ چاہیں تو ترقی کر کے وزیر اعظم بنیں یا کرکٹ کھیل کھیل کے مودی یا مرنیٹل
 بن جائیں۔ آخر یہ مزدور ہیں نا اور مزدوری کرتے وقت جب یہ اپنے
 مالک یا مینجر کی جھڑکیاں سنتے ہیں تو ایسا ہی سوچتے ہیں اور انہیں ایسا ہی سوچنا
 بھی پہلے سینکڑوں تجویروں کے مالکوں کو انہوں نے ہیروں میں ڈھلایا۔
 کیوں ہیں اپنے مالک کے لئے کوٹھیاں سجا دیں۔ انگریزی تمدن کے
 شہید ایوں کو بھی انہوں نے سروں پر بٹھایا۔ سیلوں لیے ان کے جلوس نکالے
 بعض کو جانے کی کینیاں کھلا دیں۔ اخبارات غریبے دوائے اور سینکڑوں دولت مند
 جو ایک لفظ کھنا بھی نہیں جانتے انہیں اڈیٹر بنا دیا اور پھر ان سب کا قہر؟
 انجام؟ فاقہ طغی اور ٹھوکریں! ایسے غیظ و غضب انسان
 کا ذمے ذاتی بہت سی آرزوئیں اور ان سب کا ایسا مختصر انجام!
 رنجائی ہوئی صورتیں۔ دھلکی ہوئی گردنیں پچیس پچیس جسم اور جھلکی ہوئی۔
 لہریں۔ ان سب کے مساوئے ہیں انہیں دنیا میں اتنا بھی
 حق نہیں کہ ایک جو جمع بھی ہو سکیں اپنے اوپر ہونے والے غلطی کی شکایت بھی کر سکیں
 اپنی ارجحیت برحقانہ کو مطالبہ کر سکیں اور اگر ان کی بات ذاتی جائے تو ہڑتال کریں۔
 جلوس چلیں۔ یہ سب صرف اس لئے کہ وہ کہیں ہیں، تو ہیں
 ہیں کیونکہ ان کے پاس پیسہ نہیں ہے کہ وہ موجودہ تمدن کے مطابق آسائش خیر
 سکیں۔ انہیں دولت میں نہیں ہے مگر وہ انسان ہیں اور انسان ہونے کی حیثیت سے
 انہوں نے بھی اس دنیا کے بنائے اور اس کو ترقی کے عملی طریقے تک پہنچانے میں یا
 سے زیادہ مدد دیا ہے انہوں نے اپنے بھائیوں کے دوش بوش چل کر دنیا کی تمام

شفیق کوئی

احساسات

فتمت سے ہومو ہوئے اور انہیں تمام لوگوں میں تقسیم کرنے کے قوانین بنائے ہیں۔۔۔۔۔۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایک نئے اور انکے تمدن کی جاتاؤں کو جو انہوں نے انسانی زندگی کے رائج میں ڈالی ہے اور انکے کوشش کے بغیر اس نئے ماحول اور نئی معاشرت میں انہیں کھل کر اپنی تمام جھوٹی بڑی صلاحیتوں کو آزادی سے کام میں لانے تک اس سماج میں نہ کہ انسان جو ان سے اکمل الگ ایک قوم بن جائے انہوں نے اس دنیا کی تعمیر اس لئے نہیں کی کہ وہ ان کے ہم جنس انسان کو پیچھے ڈھکیلے کی کوشش کریں انہوں نے اس لئے دنیا کو ترقی کی کڑ نہیں بڑھایا کہ ان سے دنیا میں زندہ رہنے کا حق بھی چھین لیا جائے انہوں نے اس لئے اس تمدن کی بنیاد نہیں ڈالی کہ دنیا سمٹ کر انگوٹھیں ڈالے اور نہ ہی انہوں نے کسی پر خیال کیا تھا کہ یہ سماج جسے آج عہدہ بنا ہے یہ کیا بھی ان کے لئے نعمت بن جائے گی اور ان کے اس انسانیت کے چلے اس پر بھی اور جھٹیلانہ طریقے سے سماج کو جٹ دے گی ہے انہوں نے ہزاروں سال کے ان پیر کے بعد صحیح طریقے سے پہنچا ہے۔۔۔۔۔۔ اب یہ برداشت نہیں کیا جائے گا کہ غریب انسان صرف چند ان لوگوں کی وجہ سے اس دنیا کو اپنے لئے ایک قید خانہ تصور کریں وہ ہم اب اس کے لئے تیار ہیں کہ اپنے انسان کی تمام محنتوں کو برادر کر کے پھر سے حیران بن جائیں۔۔۔۔۔۔ ہم انسان ہیں۔۔۔۔۔۔ اور ان میں ہمیں گے ہم اپنی تمام شعور کا ادنیٰ مفہم طاقتوں کو کام میں لائیں گے اگر یہ سماج برادری اور موزون زندگی میں رکاوٹ ڈالتا ہے اگر یہ ہیں ترقی کرنے سے روکتا ہے اور پچھلے آگے بڑھنے کے ہمیں پیچھے کی طرف دھکیلتی ہے تو سماج ہم نے بنائی ہے ہم سماج کے لئے نہیں بنے ہیں۔۔۔۔۔۔ ہمیں یہ حق ہے کہ اگر سماج کسی انسان کو جیسے کا حق دے تو اس کی دھچکیاں اڑا دیں اور اس نعمت کا دھجکاں ڈالیں اور اپنی ہی سماج۔۔۔۔۔۔ ایک نئے تمدن کی بنیاد کریں جو پہلے نفرت، بے رحمی، ریاکاری اور ایک دوسرے کے کھانا بننے کے محبت، ہمدردی اور شرافت سکھائے گی۔۔۔۔۔۔ اور ہم ایسا ہرگز کریں گے ضرور۔۔۔۔۔۔ ضرور۔۔۔۔۔۔

اس نے اپنا ہاتھ زور سے پٹنگ کی پٹی پر مارا پھر فوراً ہی تکلیف کی وجہ سے ایک سسٹری ہو کر اس کے ساتھ بھاڑا تھا اب کیلئے انہی مٹی کرن کر کے کسی دوازے اوپر کھانڈا لگائی کچھ دیر ملنے کی دیوار پٹھری پٹھری آہستہ آہستہ بڑھتے بڑھتے ایک دم کر کے فاب ہو گئی جیسے اس کے ذہن شعور میں تیرتے ہوئے خیالات کے سیکڑوں جوں بنے، بڑے اور دراز آہستہ کے بڑے جھنڈے لئے ہموئے لا شعور کی تارکیوں میں ڈوب گئے۔

سینے میں سوز ہے مرے لب پر فغاں نہیں
جلتا ہوں ایسی آگ میں جس میں دھواں نہیں
تو نے عطا کیا ہے غم عشق شکر یہ
اب یہ مرا نصیب کہ یہ جاوڑاں نہیں
تہید صد ہزار قیامت لئے ہوئے
اک خاشی ہے جس کو میسر زبان نہیں
صیاد مانگتا ہوں میں تیرے قفس کی خیر
میری نگاہ و ذہن میں اب آشیان نہیں
نام آگیا کسی کا تو آنسو نکل پڑے
اس کے سوا اب اور مری داستان نہیں
پھوٹوں کا کیوں چین میں گرمیاں جو تار تار
میرے جنوں کا پاؤں اگر درمیاں نہیں
آنکھوں میں بس ری ہیں تری مست انگھڑیا
خیم خانہ بہار لئے تو کہاں نہیں
موج بہار نگہت کل غنغوان رنگ
یہ اور کیا ہیں گرتی سیری انگڑیاں نہیں
گر یہ تو زندگی تو شفیق اس سے الخدر
شہکارانہ دون کہ زلیست کا اس پر گماں نہیں

چہرے کی سیاہی سفیدی میں تبدیل ہو گئی

حسنِ چاند

حسین بصرہ بوی کے خسر ہے
گلاب کی پنکھڑیوں کو شامتیں



خود شیدا لکھنؤ

چھوٹے داغ، برص، جھلیاں، کافکے دھبے، جھپٹ پھنسیاں، غیل، چہرہ کا پھیکا پن اور جلدی کھڑا ہٹ، کیل، ٹہلے گرمی دلنے چہرہ پر پھیل جاویں تو حسن کی آبنمیت فنا ہو جاتی ہے۔ کیا ایسی بری رُو مرد و عورت ہو دیکھنے میں اچھا نہیں معلوم ہوتا، ہمارا یہ اُٹن ہر تمکے داغ دھبے دور کرنے میں کسیر صفت رنگ کو اس قدر رنگار دینے کہ آدمی محو حیرت ہو جائے اور چہرہ پر شگفتگی ملائت دل ذہنی اور جاذبیت پیدا ہو جاتی ہے۔ کیا سیاہی فام رنگ کیوں نہو اس پر بھی اثر کئے بغیر نہیں رہتا اس کے استعمال کے بعد کئی نازہ پاؤڈر کریم، سینو کے استعمال کی ہرگز ضرورت نہیں۔ نوجوان جو شیوہ بننے کے عادی ہیں ان کیلئے بھی اس کا استعمال ہے انتہا مفید ہے۔ جلد کو خفید بنانا، نرم رکھنا اور سیاہ ہونے سے بچا لیتا ہے اس کی تیاری میں فرحت بخش جستی بوٹیاں نکالی گئی ہیں جن کی مست خوشبو دل و دماغ کو معطر کرتی ہیں۔

قیمت فی شیشی تین روپے آٹھ آنے، محصول ڈاک ایک روپیہ علاوہ۔ دو شیشیوں کے کیبٹا خریدار کو بھول معافی

INDO GENUINE CHEMICAL WORK
JAMA MASJID, DELHI

انڈین جینیو کیمیکل ورکس
جامع مسجد دہلی

منظوم احمد
بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی

تم کیوں چھوڑ سدا رہا

تم نے کارن توڑ کے لائے لگن لگن کے تارے
دوہینوں میں دیپ جلا کر مات کتے اندھیارے
تم نے کارن رساؤں بھاؤں پر سے نیر ہمارے

پھر بھی چھوڑ سدا رہا
تم کیوں چھوڑ سدا رہا

من کے مرگھٹ میں جلتا ہے ارمافوں کا آستانہ
آج تماشا کرنے والے خود ہی بنے تماشا
ساجن ہم سے تم کیا روئے روٹھ گئی ہے آستانہ

جیون تھا اک سپن سہانا ساجن سا تھا تمہارا
تم کیوں چھوڑ سدا رہا

پھول سا کوئل بہ دے توڑا قدر نہ تم نے سبانی
بے گل آنسو تپتی آپس دے گئے خوب نشانی
تم کو کھو کر سب چمکھو یا کس بل روپ جوانی

تم کو کھو کر ہم جیون کی جیستی بازی ہمارے
تم کیوں چھوڑ سدا رہا

رگ رگ میں سوخون کے سوتے نس نس میں سو گھاؤ
قدم قدم پر ٹیرھی راہیں پگ پگ پر الجھیاؤ
لیکن تم کو چنتا کیوں ہے تم حباؤ، تم جاؤ

جیسے ہو گا کاٹ ہی لیں گے جیون داس تمہارا
تم کیوں چھوڑ سدا رہا

ساحر قدوائی

مشاہدہ

خالق کون و مکاں، قادر بر ہر پست و بلند

تیری دنیا کو بہت غور سے دیکھا میں نے

خنس و خاشاک کی بھڑوں کو ٹٹولا میں نے

برق و طوفان کی جبینوں کے پسینے دیکھے

قطرہ آب میں سحلوں کی فداانی دیکھی

سنگ ریزوں کے دھڑکتے ہوئے سینے دیکھے

تیری دنیا کو بہت غور سے دیکھا میں نے

ریشہ نعل سے ٹپکتا ہوا خوں دیکھا ہے

سانس لیتے ہوئے ذروں کی سنی ہے آواز

لالہ و گل کو بوشاخوں میں کچھکتے دیکھا

دشت و کہسار کی باہوں میں بھی پایا وہ گداز

تیری دنیا کو بہت غور سے دیکھا میں نے

جو عفارت کی پستی میں بھی ڈھونڈے نہ ملے

اے خدا تیری خدا فی میں کی دیکھا میں نے

بھجڑوں مندڑوں، گر جاؤں، کلیساؤں میں

نورایماں کے اہالوں میں اندھیرے دیکھے

مولوی، پادری، پنڈت کے حبس روپوں میں

ظالم و جاہل و سفاک لٹیرے دیکھے

تیری دنیا کو بہت غور سے دیکھا میں نے

جنگلاتے ہوئے شہروں کے گلی کوچوں میں

کتنی تہذیب کی سطر ترقی ہوئی لاشیں پائیں

کتنے تابندہ و مہتاب نما ماتھوں پر

نغمہ داندوہ کی پرسوز خراشیں پائیں

تیری دنیا کو بہت غور سے دیکھا میں نے

عشق سرگشتہ حیران و پریشاں دیکھا

حسن کے چہرے پر مغموم خوشی آتی نظر

برف پاروں کی رگ و پے میں جرات دیکھی

آتش تند کی پلکوں پر نمی آتی نظر

تیری دنیا کو بہت غور سے دیکھا میں نے

میں نے گردلے میں اور اراق کتاب عالم

جھکو معلوم ہے دنیا کی حقیقت کیا ہے

مرے ہر ایشک کھاتے ہیں تبسم کے فریب

میں سمجھتا ہوں کہ انجام مُسرت کیا ہے

تیری دنیا کو بہت غور سے دیکھا لیکن

جھکو ہر شے میں کسی شے کی کمی آتی نظر

~ ~ ~

عمران الارشد

کہتے ہیں جس کو عشق

یہی جلی معلوم ہو رہی تھیں — دولہی کالی چوٹیاں جن میں نارنجی بیٹے
چوڑوں کی شکل میں بندھے ہوئے تھے جو سینے کے ابعاد پر آکر لگی ہوئے
پرچہ آدھی معلوم ہوتی تھیں۔

بار بار جھپکنی ہوئی سیاہ آنکھوں سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ
وہ غصہ کے بعد ازراعت محسوس کر رہی ہے اور اپنی اس غلطی کا
اعتراف کرنا چاہتی ہے۔

اور پھر ریش نے محسوس کیا کہ سیڑھیوں سے اترنے اور چڑھنے
ہوئے طالب علم اپنی جگہ رک جتے ہیں پیچھے چلتے چلتے لڑکے ان دونوں کو
متحسین لگا ہوں سے گھور رہے ہیں اس کو انکی نظریں چبوتی ہوئی محسوس
ہوئیں جیسے وہ کوٹ کو جھپکتی ہوئی اس کے بدن تک پہنچ رہی ہوں۔

کالج میں اس کی اس طرح توہین جس کے لئے وہ کسی قیمت پر
بھی تیار نہ تھا۔ اور اگر وہ لڑکی نہ ہوتی تو ریش مزداس کو مار چکا ہوتا۔
مروکی کمزوری عورت پر ہاتھ نہ اٹھانا بھی تو ہے — اور یہ عورتوں
کے عیس میں انسانیئت کی توہین کرتی پھرے — جانور — وحشی!!
اور اس نے اپنا پیڑ غصہ سے دوسری سیڑھی پر نہ دے رکھا — کھٹ
اور تمام بکری کا زینہ کاٹا اچھا — پھونک کھٹ جس میں ازراعت زیادہ
غصہ نہایت تھا وہ اذپر چلا — نہ جانے کیا سوچتا ہوا —

اس کو محسوس ہو رہا تھا جیسے کالج کی عمارت اس کو کھلے جا رہی ہو —
ننگی نہ جلتے — اندھرانے جانے والی نظرس اس کو اس طرح گھور رہی
تھیں گویا وہ کالج میں ننگا سی ہو کر کھڑا ہے یا کوئی چور کی کہتے ہو — نہ بچو
نچا ہو — اور ہراس نہ ہو اس کی کہ وہ ایک سنگھڑا اس کو روٹی
فٹا ہوا — اس نے — سچا — وہ دو روٹی سرگڑھی سے جھڑی بھری

چٹا — بٹیلو ایڈیٹ — "دعا کی پیشانی پر بل پڑ
گئے جیسے کھلنے والے کے مقابل کوئے پکڑے گئے جاتے ہوں۔

اور وہ جھپکتی ہوئی — اس کا جی چاہا کہ وہ بھی اس زور سے لڑکی
کے ساتھ جھپکے کہ واقعی اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھیلے —

ہوئے کہ وہ بھی زور سے تاکہ ان میں نامہ نے نظر جاتیں اور وہ مذاق میں بھی
کہن بول جاتے کہ — دن میں نامہ کے کس طرح لڑتے ہیں —

یہی اس کی توہین تھی — مرچا توہین — اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی
تھی۔ سرور میں پسینہ تھا اس کے غصہ کی انتہا کو صاف نمایاں کر رہا تھا —

اور اس کا چہرہ سرور ہو گیا بدن میں تندہ کے دھڑکے جیسے ہلکے سے کاہنتا
ہوئے۔ کانوں اور آنکھوں سے شعلے نکلے ہوئے محسوس ہونے لگے — ہاتھوں

کی رگیں تن گئیں — منہ بیاں خود بخود کس کے کھلنے اور بند ہونے لگیں۔
تنفس اس قدر تیز ہو گیا تھا کہ اس کی بھاپ ہمارے نکلنے ہوئے بھی دکھائی

دے رہی تھی — دانت ایک دوسرے سے ٹکرا کر جڑوں میں دو دو پیچا
کر چکے تھے۔ اس نے اچھا پھر اس تیزی کو دیکھا — ہلکی ٹکائی ساری

میں ہلکا ٹکائی جسم لمبوس جیسے کسی گلاب کے پھول کے گرد دھنک سے
ٹکائی۔ لگ کر لپٹ گیا ہو — یہ وہاں بازو — جن کو دیکھ کر

اس کا جی چاہا کہ زور سے کاٹ کھٹے۔ جہاں دانتوں کے نشان اس طرح بن
جائیں گمان میں سے سرور سرور چھوٹے چھوٹے سوتے پوٹ پڑیں —

وہ ابھرا ہوئے سینہ کچھ اس طرح معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی سپر کا گنہ ہو۔
جھیل جھیل شفت آنکھوں میں چلیاں اس طرح رقصاں تھیں گئی جھیل

جس کو دل چاہتا تھا کہ لڑاں — آنکھوں پر غلافی چکر لگا کر اس کا ساتھ لے کر
چھا بار بار جھپک رہا تھا۔ اس پر سے نکل جاتی تھی تو انداز پلاں اور

بچے آ کر آیا اداہی لہری طرف اس تیری سے بڑھا گیا کوئی اس کو چھاپی تو کر
رہا بہت ادا کہیں بیٹھے ہی اس طرح کوچ کی حدود سے نکل گیا گویا وہ کسی
دشمن کے چنگل سے نکل جاگا ہو۔

آمانہ جملے کا ایک کونے میں کھڑی کھنی دیر تک کیسا سوچتی رہی۔ بے دھرم۔ یونہی۔ اور کار کے اشارے ہوتے یہ اس کی نظریں اس پر جا پڑیں۔ اس کی نظریں دھند تک کار کا چہرہ کرتی رہیں۔ اور پھر اس نے کچھ سوچنا شروع کر دیا۔ ایک دو قریب کی آواز سے یونگ پڑی۔

یہ آدمی کی بدعاشی تھی۔ میں کو سب کے سامنے ذلیل کرنا چاہا۔
 وہ خود بخود کیا سوچا ہوا ہو جا رہا تھا۔ — نظریں نیچی گئے۔
 عددہ اپنی جوانی کے نشہ میں کھٹ پٹ کھٹ کرتی ہوئی آخر ہر جہتی میں
 لائن بیکر سمجھ رکھا ہو۔ — میں ریش کے بالکل پیچھے ہی تو چل رہا تھا۔
 دوسرے نے تائید کی

”نہیں یہی ہم تو ادا کی ہی طرف راہی کریں گے۔ راج اس کو
 دھانے ٹھیک ہی کر دیا۔ ہم سب کی تحیر کٹ خانہ میں زادہ کہیں کا۔
 ”بھیا کو پتر تو پلے کر دولت ہی سب کچھ نہیں ہوتی“
 خیر انہیوں کے چمکے کو نکلے ہوئے بولا۔

یہ کیا بات ہوئی — تم کس قدر جاہل ہو — پہلے نے اس کو حادثہ سے دیکھتے ہوئے کہا۔

تم کو کچھ خبر بھی ہے کبھی اس کے قریب بھی ہو۔ وہ خود کہتا ہے کہ بھائی میری کتنا بے نقیب ہوں۔ میرا پکا اکوٹا ٹیٹا۔ جو مرث روپے اور نوٹ چرل کے۔ سوئے۔ کھائے۔ پہنے۔ کئے۔ نوٹوں کی سرسراہٹ اور روپے کھٹکھٹا ہٹ سے ہی اس کے کان آشنا ہوں۔ کتنی مصنوعی زندگی ہے میری۔ انسان کو ذیل کرنا میرا فرض بنایا جا رہا ہے۔ مرث اس لئے کہیں ایک دو تندرہ لٹا ہوں۔ تم نے سمجھا بھی ہے ریش کو۔ یا بس سراپا دار دیباہ وہ بن گئے اس کے دشمن۔ کیونکہ ان کو اچھی طرح سمجھتے بھی ہو یا بطور فیشن کو نہ ٹہرتے پھرتے ہو۔ وہ اپنے مخاطب کو گھوڑ رہا تھا خیر۔۔۔ جیسے وہ ایک جاہل گنوار ہو۔

• کیا مطلب ہے تمہارا۔؟ اس نے سر ہول کہا۔
• مطلب۔۔ ایسا کہ جس جگہ ہے، جگہ تکیدہ کا ایسا ہے کہ نہ
ما مقصد یہ نہیں کہ کسی کو کھانا پینا دے کہ اس کو کھانا پینا ملے

ملک اس کا قصد یہ ہے کہ ہارلڈز ہاؤس سے دور فاصلہ ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں قیصرین سب پہنچے بغیر لکھا سکیں۔ سب ہی کو تمام قسم کی آسائیاں قیصرین سب براہِ جہوں۔ نرگزی چھوٹا کوئی بُرا۔ اور پاب میں کہ ذرا سڑا ہوا دارو دیکھا۔ ہمارے کپڑے پٹے تھے۔ یہ کیوں سڑا ہوا ہے۔ یہ کون ہم سے اچھی طرح دیکھتا ہے۔ اس کو سکون کیوں دیتا ہے۔ یہ جو کہ کیوں نہیں۔ ہم تین دن وقت یہاں موجود ہیں۔ زندانیائے کون ہندوستان کی اصلی غیرت کی تصویر ہے۔ کوئی بھی نہیں۔ ہندوستان کے اصلی باشندے وہ ہیں جن کو دن میں پیٹ بھر کر دوٹی نہیں ملتی، اور وہی سب سے زیادہ کام کرنے ہیں۔ ہندوستان چالیس کروڑ باشندوں کا ملک ہے جہاں صرف پچاس لاکھ انسان ایسے بستے ہیں جو اطمینان اور سکون کی زندگی گزار رہے ہیں باقی ساٹھ اثنائیش کمزور۔ بھوکے پیٹے اور بے گھر ہیں۔ ہندوستان کی اصلی آبادی شہروں میں نہیں بلکہ ان گاؤں میں ہے جہاں وہ کسان بستے ہیں جو دن رات کھیت کر کے اناج پیدا کرتے ہیں اور ان پچاس لاکھ انسانوں کو دے دیتے ہیں جو اس کے بدلے لینے جاتے اور ٹھوکریں مارنے لگتے ہیں۔ ان میں صرف ریش اور اس کا باپ ہی نہیں بلکہ ہم قوم۔ اناؤغری سب ہی تو ہیں۔ اور پھر اس نے مخاطب کو اس عقارت سے دیکھا تو یا اس کی کم ملی اس کو ایک ذہنی ادبیت پہنچی جو

۱۰ اچھا بابا — تم تو مجھے پڑھنے کے مطلب صرف اس قدر بتاؤ کہ غلطی
کس نے کی؟ اس نے کھینچ کر کیا۔

”جی — مرش کی نہیں بلکہ آدے دیوی کی غلطی پر اس نے جان کر طمانچہ
 مارا کہ لڑکوں کی نفرد میں اپنی غلطی کا اظہار کرے۔ شاید شائستہ اپنے کی
 طرح اپنے پاک باز ہونے کا فخر دور اٹھینا چاہتی ہوگی — جھپھروری —“

ادھر وہ پرتن کر رہی تھی۔ پاکیاڑ — چھوڑی ایٹاس کے
 کانوں میں الفاظ گونجنے لگے اور پھر وہ غصہ میں نکلا۔ اس میں دھن ہو گئی ایٹاس
 نے محسوس کیا جیسے تھم ٹوکے لڑکیاں اس کو قہقہہ سے دیکھ رہے ہوں۔
 لوہہ واقعی آج کی اس حرکت سے وہ ذلیل ہی ہو رہی تھی اور پھر وہ گھبرا کر
 دو مہینے باہر نکل گئی۔

ریش منسل تین دن تک ایک عجیب سی آنجن محسوس کرتا رہا۔ پس
 روئی اس کو محسوس ہو رہا تھا کہ اب وہ کسی کو سونہ کھانے کے قابل ہی نہیں
 رہا، جیسے کسی طوائف نے تیریں اس کی ناک کاٹ لی ہو یا اس کے چہرہ
 کوئی بدنامی آگئی ہو جس کو وہ اپنے رنگ میں گوارہ کر سکے۔ اس کی لاج

چاہا کہ وہ آگ آتش ہی ذیل ہوتا دیکھے۔ بس کسی طرح۔ ہاں یہ سچے
چلتے اس کے کپڑے دھیلے ہو کر گر پڑیں۔ یاد اٹھاں میں قیل ہو جائے
ہو رہی ہے، پھر کای سے نکال دی جائے جگہ سے بھی زیادہ کچھ۔
اس کو میرا زار کوئی ناگدہ الاغوب کا لیاں دے بلکہ اس کے فوٹو سے بھی۔ خوب
چاک ہی چاک۔ اس کے کپڑے پھٹ جائیں۔ بن سے خون بہنے لگے۔ تمام
کای کے لٹے کھڑے ہو کر تھپے لگائیں۔ نہیں بلکہ۔ وہ اپنی ایک
نئی جویر پر مسکرا پڑا۔ میں پسہ والا ہوں۔ نا اچھی سے کہہ کر اس کے گھر
والوں سے اپنا بیاد ملے کر اول۔ بات بچی ہو جائے۔ ہد برات کے من دنت
پر کوئی گندہ ازام لگا کر واپس کر دوں۔ ٹھیک۔ اور وہ یہ سوچ کر
مسکرا ہوا تھا جسے اس نے آدم سے بدلہ لینے لیا ہے۔ احمد لکوں
میں آدم کا مندری لگا ہوا تھا۔ منہ میٹھے ہاتھ۔ سینہ دس
سرخ ہانگ افشاں پھوکی ہوئی پشانی۔ اسٹون ہوئے انہو ساری
کے تلو میں ڈھانپتا ہوا چرو۔ دیکھ کر اس کا جی چاہا کہ وہ سے قبہ ہلے
تو تین دن بعد اس کے چہرہ پر مسکراہٹ آئی تھی۔ اس نے گھڑی کی طرف
دیکھا۔ دس بجے میں ۲۰ منٹ باقی تھے۔ ادنیٰ ہی نیم شعور ہی طور پر
اٹھا، کپڑے بدلے اور پھر کار کا چ کی طرف دوڑا لے گیا۔ ایک
بیک بار پھر اس کو خیال آیا کہ۔ وہ اپنی لڑکوں میں جا رہا ہے جہاں
تین دن قبل ذلیل ہوا تھا۔ اور فقیر سے اس کی رنگیں تن گئیں۔
خون کی گراش تیز ہو گئی۔ ہینڈل کو مٹھیوں میں منہ سے دبا لیا۔ سانس
کار کے شیش میں سے جھپے جاتے ہوئے دخت۔ جو سڑکوں کے کنارے
مستقل کھڑے ہوئے تھے۔ ڈکے۔ بچے۔ سانگیں۔
غرض سب ہی اس کو نہر چھوٹے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ اور پھر اس
نے۔ دھڑلے سے ایک کتہہ ناگدہ کی شکل کا دیکھا جو کار کی تیزی کے ساتھ
ساتھ نزدیک آتا ہوا تھا۔

آہا۔ اور اس کے دانت بچنے لگے۔ انہیں شعبدہ دار
ہو گئیں۔ نیتھے بول لگے۔ پینڈیوں میں انہیں ہی سموس پہنے لگی۔ اور
اس کو ہی پاپا ناگدہ کو اس اندر سے نکال دے کہ آہا ہوا میں اچھلتی ہوئی دور
جاگے۔ بالکل گویا کی طرح، جیسے کسی بچے نے اچھا دی ہو۔
دانت نکلے۔ ناگدہ اور دھاتھ مڑے ہوئے۔ خون سے لٹ پت۔ کھیاں
چہرے پر ہنسناتی ہوئی۔ جا بجا کپڑے پھٹے ہوئے اور ایک بچہ چاروں
طرف۔ ناگدہ جس کا ایک پیہر کہیں نہ رہا اگر اچھا دوسرے میں ناگدہ

خود اچھا ہو نہیں سکتا وہ حالت میں سسکیاں بھروا رہا ہو۔ خون کے قطرے
زمین پر پٹ پٹ گرتے ہوئے۔
اور وہ گھر گیا اس منظر سے۔ اس کو بھی پاؤں آگے نہیں بند
کر لے گیا وہ منظر واقعی صاف تھوڑا تھا۔ لیکن وہ اس تصور کے پورے
توجہ کو دیکھ بیخود رہ گیا۔ بیٹھنے سے ایک بڑھیا نکلتی تھی
دال سے لپٹ کر مرنے لگی۔ تین معلوم بچے کھڑے ہوئے آہیں
بھربھے تھے۔ ظالم۔ اجلاؤ۔! تجھے شرم نہیں آتی۔ ہم
غریب۔ بے بس۔ تیرا کیا کچھ کر گیا۔ پانچ دس ہزار دینے اندھیرا کر
آہم کہا۔ لیکن ہم۔ ہماری کمٹی۔ ہمارا سہارا۔ کتے۔
فول۔! خدا کی قسم موت آج آئے۔ تیرا گھر تیرا سب کچھ۔
مال۔ پاپ۔ جانی۔ ہیں۔ سب دالے دالے کو ترسیں۔
اور وہ دھاتھ لٹا کر مرنے لگی۔ اور مجمع کا ہر شخص اس کی سوٹ
میں دیکھ کر بھی لعلت کرنے لگا۔ انہی سے۔ ریس زادے
کہیں کے۔ آؤ کتے پٹھے کار رکھتے ہیں جیسے سارے کے اپ کی سڑک
ہے نا۔! جیسا کہ چاشنی ہونا چاہیے۔ اور یہ سوچنے سوچتے اس
نے دیکھا ناگدہ واقعی اس کی زو میں آ گیا ہے۔ اور اگر وہ ایک مسکند
پچھلے ہوشیار ہو کر نہ لاشا تو واقعی یہ ہی ہوتا جو وہ سوچ رہا تھا دوسرے
لحظہ اس کے منہ سے دھڑلے سے ایک کتہہ بن گیا تھا۔
”سارے اندھے بن کر ملاتے ہیں۔ دیکھا اس صاحب۔ اسی
ناگدہ لاشا ہوتا“ اور ناگدہ والا فقیر میں اس کو دھوکے دھوکے لگایاں
دینے لگا۔ لیکن دالنے ناگدہ دالنے کی بات سن کر سختی کر دی۔ وہ کچھ اور
ہی سوچ رہی تھی۔

اس کے غلوں کا لچ میں مذمت کا ریزو لیون پاس ہونے کی اس کے
تیار ہو چکی ہے۔ اور اگر واقعی ایسا ہوا تو بقیہ منہ دکھانے کے۔ بھی لائق
نہ نہ سکوں گی۔ اور پھر اس کی آنکھوں سے نفرت کی ایک جھلک نمودار
ہوئی اور پھر وہ ناگدہ کے پیچھے سے دوڑتی ہوئی سڑک کو دیکھنے لگی۔ جزی
سے دوڑتی ہوئی جس پر دنیا بھر کی گندگی۔ جیسے کہ فلم کھل کر بچتا
چلا جا رہا ہو۔ پس پیچھے سے سفید موٹے موٹے حوت میں بچا
ہوا "Kao" تیزی سے نکل گیا۔ اور وہ جو تک
گئی لکھنے قریب آ گیا تھا۔ دل دھک دھک کرنے لگا۔ وہ کیا
ہو گا۔ یہ مذمت تو مجھے نہیں کا نہ کہے گی۔ ریش صاف نہ کہے گا

ادب سے سوچتی ہوئی وہ انگڑے سے تر گئی۔ سانسے کافی کے گھٹنے نے دس بجائے۔
 قریب ہوسٹلوں میں سے سب ٹھیک کیڑوں کی طرح نکل گئے۔ بچہ پھر دس کو
 اٹکی نہیں جھپتی ہوئی معلوم نہیں کسی نے اس کو چوسکا دیا۔ "اومکا
 مبارک جو۔۔۔" ششٹی اس کے کھدے پر ہاتھ کر بولی۔ اس نے پلٹ
 کر دیکھا۔ اس کے چہرے پر غیر معمولی مسرت جھلک رہی تھی۔ جیسے کوئی
 پرچہ آؤٹنگ کے لئے "کر لیا ہو۔"

"کیسی مبارکباد دے رہی ہو۔" اٹھشٹی کے چہرے اتنی لطیف
 دیش کی کار پر چاہیں جس کے پیچھے کیشٹی ڈیڑھ انٹ کھڑی ہو رہی ہو۔
 میں تین چار ٹھیکے کے گوشے ان دونوں کی طرف لچھ انسا رہ کر رہے تھے۔
 "بھئی دیش نے تم کو معاف کر دیا۔ سب اس کو پتر چلا کر
 خدمت کا روٹ پاس ہونے والا ہے تو ابھی ہم سب کو اکٹھا کر کے اسٹرڈ عا کی کر دے
 ایسا نہ کریں۔ اٹھا کو خود اپنی غلطی کا احساس ہوگا اور وہ جویر
 "اے۔۔۔" "اے۔۔۔" تو کیا اب کوئی ٹینگ میرے خلاف ہوگی؟
 اس نے تعجب سے مد گھرا ہشت کہا۔

"چوں۔۔۔ لیکن تم کو اس سے معافی مانگ لینا چاہئے۔ دیکھو
 کتنا مشہور ہے۔۔۔" ششٹی نے تجویز پیش کی۔
 "ہاں۔۔۔" اٹھ نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔ میں
 بھی کچھ ہی سوچ رہی ہوں۔ اس کی نظریں اب بھی کار پر گڑی تھیں۔
 "میں ایک ترکب تباؤں۔۔۔ سنو تم اوار کو وکٹوریہ پارک چلی
 جانا۔۔۔ بس وہاں وہ اسی وقت ۸-۱۱ بجے کے درمیان تفریح کرنے جاتا
 ہے۔۔۔ میرے خیال میں وہیں معافی مانگ لینا۔ اس کا اچھا ہی اثر پڑیگا
 وہاں ایک بات بھلائے دیتی ہو۔ وہ بڑی اسٹریٹنگ کیرکٹر کا
 ہے۔۔۔ کہیں حسن رشتہ نہ کر جینا۔" وہ مسکراتے لگی۔

"وکٹوریہ پارک۔۔۔ اچھا۔۔۔ بہتر ہے۔" اور وہ حال
 ہوتی ہوئی چلی گئی۔ اداس اس کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ خود اپنی
 نکلے دل میں ذلیل ہو رہی ہو۔ اس کو بیک تلبی اطمینان تو
 چھٹی تھیں لیکن اب میرے منت طاعت شروع کر دی تھی۔ جیسے وہ کہہ
 رہا ہو۔ "دیکھی اس کی دیا دلی! اعلیٰ ظرفی۔!! اور تو تنگ دل۔
 تنگ دل۔۔۔" پھر ہی۔۔۔ "اداس کا جی ہا ہا اپنے خوب طمانچہ
 لگائے۔ تمام رخسار سرخ ہو جائیں اور پھر وہ سوچنے لگی۔ کتنا سخت بدلہ
 لیا۔ خود اپنی نظریں ذلیل ہو رہی ہوں۔ تو میں معافی مانگ۔۔۔؟"

بس یونہی۔۔۔ اس کا جی ہا ہا تمام کھینچا دیا۔ ایچم تارخ بدل جائے
 جمعرات جمعہ سینچر سب پلٹ جائیں۔ بس اٹھا رہا ہو۔ بلکہ لندن سے
 ایک گھنٹہ کی کسی کی طرح پھر اعلان کر دیا جائے۔ کل بجائے جمعہ کے اقامہ
 اقامہ کل ہی ہو جائے۔ وہ دیش سے معافی مانگ کر ایک سکون حاصل
 کرے۔ یا پھر وہیں اتنی تیزی سے گردش کرنے لگے کہ تین دن۔۔۔
 سو سو تین دن۔۔۔ جمعرات جمعہ اور سینچر کالج اور مکان کا رات سے کہنے میں
 گند جائیں اور وہ جب گھر پہنچے تو سینچر اوارع کہہ رہا ہو۔ وہ ان تین
 دن میں ہی سوچتی رہی۔ مسلسل سوچنا ہر دم۔ ہر لمحہ۔ منٹ گشت
 غرض اسی میں گزر رہا تھا کہ۔۔۔ میں کس طرف اے۔۔۔ مخاطب کروں گی۔
 "مسٹر دیش مجھے افسوس ہے کہ۔۔۔ نہیں بلکہ بھیجے جا کر کہوں
 "ادہ آپ ہیں، اکتے یہاں کیسے۔۔۔ اچھا ہاں آپ تو غالباً خفا ہوں مجھے
 اور ہونا بھی چاہئے۔ لیجئے معاف کر دیجئے۔ واقعی میں نے بڑی غلطی کی
 تھی۔ نہیں ایں ہی نہیں۔ پھر اچھا اس طرح اٹھیکو ز می مسٹر
 دیش Excuse me Mr Ramesh کیا میں کچھ عرض
 کر سکتی ہوں۔۔۔ اور وہ کہے گا۔۔۔ جی فرمائیے۔۔۔ انہیں وہ
 اٹھ کر تھک چلا کر اٹھا جائے گا تب۔!! اچھا تو یہی ٹھیک رہے گا۔ مجھے
 افسوس ہے کہ میں نے اس دن آپ کی دل آزاری کی۔ اور میں واقعی اس
 دن سے پشیمان ہوں مجھے کوئی موقع نہ ملا آپ سے معافی مانگنے کا۔ اور
 آج اس نے ٹانٹ دیا۔۔۔ نہیں ڈانٹے گا تو نہیں۔ لیکن وہ اگر
 خفا ہی رہا تو۔۔۔؟ اور پھر جی ہا ہا کہ اس کے سرخ چھلای رخساروں
 پر اپنے ہونٹ رکھ دوں۔۔۔ یونہی شرعاً۔۔۔ چھی۔۔۔؟
 اور وہ ذہنی طور پر ایک بار پھر دیش کے سامنے اپنے کو ذلیل دکھائی
 دینے لگی۔ اس کے باوجود اس کو محسوس ہوا کہ وہ دیش کے احباب
 دہن کی پیاسی ہے۔ اس کے ہونٹوں کی ہلکی ہلکی نمی جیسے کسی حسین دوشینو
 کے سرخ نافوں کا کشا ہوا کنارہ۔

اور اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ ایک آہ۔۔۔ آتش میں پیسے گرم
 گرم بھاپ۔۔۔ اس کو معلوم ہوا جیسے تمام جسم کی گرمی سانس کے ساتھ نکل
 گئی ہو اور وہ نڈال ہو کر تمام گرمی پر جا پٹی۔
 اور جب اوار کو صبح اٹھی تو کائنات کا ہر ذرہ شامال نظر آ رہا تھا۔
 جیسے تھوڑے دن میں زندگی کی ایک ہر دھڑکی ہو۔ ہر طرف مسرت اور میٹھا
 میٹھا انداز۔۔۔ قدرے سردی میں بھی کی اگنی تھی۔۔۔ آدھ گھنٹہ

ذیل رکھی ہے اور پھر ریش کو حیرت بری نظروں سے اس سنبلی بار دیکھتا ہے
کوئی خوب پتھر کسی بڑی دکان پر بھونکا رہا دیکھ کر ایک حیرت بری تھا جس کا
دے۔ گہوا سانس۔ اور تنفس کی ہلکی سی گرمی نے اس کو چونکا دیا۔
ریش نے اپنی چوڑی پیشانی پر ہر سی ڈاکٹر محمول کو نیم مایا کی تھیں سیکھ لیتے
ادھ ایک دم گرل مڑ دی۔

”ایس۔ آپ ایسی کرتے ہیں۔“ اور وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ سمجھنے
لگا۔ ”راج یہ سچ دیکھ کر کہاں ممکن۔ پھر تو ہیں مرمت کوئے کا اناہ نہیں
وہ پختہ ہو گیا۔“ انھیں اس اپنی بنا ہی ہوئی تصویر دیکھ کر۔
اور اس کو کھڑا ہونا دیکھ کر وہ بھی شکر لگتی اور بالکل عمودی شکل میں۔
جس میں اس نے حاضر ہوئی تھی اس دن جو مجھ سے۔“ ادھ اسکی نظرس
ریش کے ہاتھوں پر جا پڑیں جہاں ایک میں ہنسل اور دوسرے میں کاغذ
دبا ہوا تھا۔ جس میں اسکی ممکن تصویر تھی۔ کتن اور عرواں۔
اور وہ جلد پوچھا۔ ”اسکی غفر سے کانپ گئی۔“ تم نے۔ یہ
تصویر بنائی۔“ اس کے حلق میں جلے اس طرح ابھر رہے تھے جیسے
حلق میں مچھلی کا کاناٹا چھن ہوا ہو۔

ریش اپنی بندھی تصویر کو اپنی نظروں کے سامنے لاکر بولا۔
”آپ کی تصویر۔ کوئی گناہ کیا۔؟“

”گناہ ذلیل۔ آوارہ۔“ تم پوچھتے ہو۔ تم کو شرم نہیں لائی
وہ قسم کی تصویر بناتے ہوئے۔ اور پھر میری ہی تصویر بن کر
کتنی دیدہ دلیری سے پوچھتے ہو۔ بے شرم۔! کہنے۔! کتنے۔!!
اور وہ غفر سے کانپ گئی۔ اس کے ہاتھوں کی ٹھیکیاں بار بار بچہ بچہ کر
کھینچنے لگیں اور وہ کاغذ اس کے ہاتھ میں گولی بن گیا۔ ساری کا چونکدے
پرست و مٹاک کر نیچے آ رہا۔ اور باوجود سرری کے اس کے
چہرے پر پسینہ کی بوندیں جھلک آئیں۔

”دیکھئے۔ میں پھر عرض کئے دیتا ہوں۔ میں نے کوئی بے ثمری
نہیں کی۔ کوئی ذلیل حرکت نہیں کی۔ اگر میں ایک دہائی نوکی
تصویر بناتا ہوں جو نہانے کے لئے کپڑے اتار کر انگوڑی لئے رہی ہے
تو اس میں بے ثمری کی کون سی بات ہے۔“ اور وہ زیر لب مسکرایا۔

”اچھا۔ بہت خوب۔ کون دو شیر۔ جو آپ کے سامنے
کھڑی ہے۔ مجھے رسوا کرنے کے لئے یہ کچھ کہہ ہے۔“ اس کے ہونٹوں
پر ایک خامت کی بکری بند ہو گئی۔

کی کوشش کے بعد اس نے گہری نفی ساری کو لپٹا دیا۔ گورے گورے
بدن پر گہری نفی ساری باہر کو لپٹے ہوئے۔ وہ کچھ نظر فریب دکھاٹی
دے رہی تھی جیسے نیلے آسمان سے کوئی فرشتہ جھانک رہا ہو۔ اس کا دل وہ
نقد سے دھڑکنے لگا۔ دھک! دھک! اور اس کو ڈینگے لگا رہیں
اس کے دل کی آواز کوئی سن نہ لے۔ اس کو محسوس ہونے لگا جیسے وہ ایک
مظاہرہ دہانے کے گی۔ ایک جلد بھی اس کی زبان سے روانہ ہونے کے محسوس
میں انخلا بھی سے پھنسنے ہوئے معلوم ہو رہے تھے جیسے حلق کے باہر کرنیو
آؤر وہ لگا لگا ہو۔ یا دشت۔ اور وہ اپنی حالت پر قابو پانے کے
لئے آرام کر رہی پلٹ گئی۔ اور پھر سوچنے لگی۔ کیا کھل۔ ایک
معصیت ہو گئی۔ اور ایک بار اس کی نظروں کے سامنے ریش کا معصوم
چہرہ آ گیا۔ وہی جین صورت جو کھلنے کے بعد عجیب سی اداسی
میں تبدیل ہو گئی تھی۔ جیسے کوئی شہاگن چوہ ہو گئی ہو۔ یا جیسے
کوئی بھڑکھان غالی ہو گیا ہو۔ نہ معلوم کیا سوچ کر وہ مینہ برسا
کر کچھ بکھنے لگی۔ اس کے چہرہ پر ایک مسرت۔ ایک مسکراہٹ جیسے
ساکن سطح آب پر لہر میں پیدا ہو رہی ہوں۔ اور پھر وہ اپنا سر ٹی ہلکا
اور کوٹ بٹھکے۔ اور کندھوں میں چھن کر ورنہ سے
باہر نکل گئی۔

ریش دکانڈہر کے سفید سنگ مرمر کے مجسمے کے چوتھے پر
انتہائی اہٹاک سے ہنسل لئے کاغذ پر جھکا ہوا اس عروت تھا کالے سوٹی
میں وہ سفید سنگ مرمر پر کچھ اس طرح معلوم ہو رہا تھا جیسے چاندیں بڑھیا
کہ تصور ہوا کی خاموشیوں میں جھولتے ہوئے ہال آدا کو اس قدر
بھلے معلوم ہوئے کہ بے اختیار کالان پر اپنے ہونٹ رکھ دینے کو ہی چاہتے
لگا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا اور اس نے وہ پرچہ اپنے بلا دوسرے سے
ہاتھ نکال لیا اور وہ اس کے قریب آہستہ آہستہ پہنچ گئی۔ پتھ
کے پیچھے آکر اس سے دھکی اور اس کی تیز تھا جس اس کے شانے پر سے
گزر رہی ہو جس اس کے غل کی سطح پر چھل گئیں۔ اور پھر وہ ایک دم
چومک سی گئی۔ آنکھیں کشادہ ہو گئیں۔ استعجاب اور مسرت دونوں
اس کے چہرے پر اس طرح اچھلنے لگے کہ اس کے رخسار سرخ ہو گئے۔ ہلکی
سی شرم کی بادیکہ بکھر رہی ہونٹوں کے دونوں سروں میں پیدا ہو کر کھل
میں جذب ہو گئیں۔ اور وہ سر ہچکنے لگی۔ مہمیری تصویر پر
ریش بنا رہا ہے۔ جس کو ابھی ایک ہفتہ قبل وہ ملایا پھر مار چکی ہے

ادہ وہ ہانتار! — اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے — چہرے پر
پینہ کی کافی بوندیں نمایاں ہو گئی تھیں۔ بال بھر گر پریشان ہو چکے تھے۔
آنکھیں بار بار جھپک رہی تھیں۔ ادہ وہ اس کو پوچھی دیکھ رہی تھی۔ جیسے
لطف اندوز ہو رہی ہو۔

”جی اب فریڈیجے — آپ نے اتنی محنت کیوں کی؟“ ادا نے پنا ہاتھ
چھڑانے کی کڑی کوشش کی۔

”جی ہاں — میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آپ کو خطا ہو گئیں۔
— چھوڑیے اس غلطی کو — کہیں یہ موسم خفا ہونے کا ہے۔“ وہ
آپ کا پرچہ — بس اب مجھے شہر مندہ نہ کیجئے، دہلی میں — اور
اس نے آہستہ اس کا ہاتھ دیا۔

”کیا مطلب —“ ادہ اس نے ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔
”میرا ہاتھ چھو رہی ہے۔“

”ادہ معاف کیجئے۔ مجھے خیال ہی نہ رہا —“ ہاں تو مطلب یہ ہے کہ
اب لڑائی ختم ہوئی۔ میرے آپ کا معاف کیا؟“
”لیکن میں نے نہیں کیا۔“

”بہت چھا — آپ کی مرضی — اب وہ بھی سنجیدہ ہو گیا۔
— آپ پریشان بہت کرتے ہیں — اس نے دلہا پر ہاتھ نہ کیا
جو اس کا آخری حربہ تھا۔ ادہ چہرہ دونوں قدم ملا کر چھینے لگے۔

~~~~~

ادہ ہی نہیں بلکہ سرگھٹی ادہ پھر سرگودہ دونوں اسی طرح ملنے لگے  
ادہ ان دونوں کو یہ محسوس ہونے لگا جیسے وہ ایک دوسرے کا جزو ہو کر رہ گئے  
ہیں۔ کئی عجیب شان کا لالچ — ایک دن تو ریش نے ادا کی گدھا  
میں باہر ڈالتے ہوئے کہہ بھی دیا۔

”دیکھا ادا — ہلکی کدستی کی اتنا کتنی تلخ ہوئی تھی ادا نے نہ کاش  
جو ہم چاہتے ہیں وہی ہی ہو۔“

”کیا — میں تو کچھ نہیں چاہتی۔“ اس نے انجان بن کر کہا۔

”کچھ نہیں — یہ بھی نہیں کہہ دوں گا ادا — اسی طرح لگتے رہیں۔“  
”تو اس چاہنے اور نہ چاہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“ لگتے رہیں گے۔“

”کہہ دینا آسان ہے — لیکن ایسا ہوا نہیں کرتا — کہ ادا کو سنو ستان  
میں ایک لڑکا — ایک لڑکی کبھی آنا دیکھتے ہیں مل سکتے؟“

”کتنے کہہ رہی ہیں آپ کے خلاف — بہت ہو — اچان اور ادا سے

”کم —“ اس نے طنز پر کہا — ”مخبرہ اپنے میرے ساتھ  
کیا برتاؤ کیا — کچھ یاد ہے۔“ اس دن سب کے سامنے۔ ڈیرٹ —  
بے رنگ ہوا — ایک طمانہ بھی مارا اور جس کی وجہ سے میں نے دن بھر کا کاک  
نہ اسکا — یہی نہیں بلکہ رات کو سوچنے پر آپ نے کیا کہا — کتنے — ذلیل!!  
آدہ — ادا بے شرم!! یہ سب کچھ کہہ کر بھی آپ مجھ کو ہی — والزام  
ٹھہرائی میری —“ اس نے متعلد دہلی سے کہا۔

”جی — میں نے اس وقت تنہائی میں سب کچھ کہہ دیا — آپ کو  
کسی کے سامنے ذلیل نہیں کیا۔“

”بھائی — یہی چیز ہے جو مجھے غمزدہ کر رہی ہے۔ میں نے تصور بنائی ہے  
کسی کو کھائی نہیں — اگر میں نے اس تمام کو فٹ کاہل اس طرح تنہائی  
میں لے لیا تو کیا ہو گیا —“ اور ریش اس کو اس کے ہی جواب پر پھانسی  
شکرا لے لگا۔

ادہ نے بھلے جواب کے خدشہ میں ہاتھ سے گولی زمین پر پھینکی  
امینہ تیرہ قدم اٹھائی چلی گئی — گویا وہ اس کے جواب سے مطمئن نہیں۔  
”کچھ —“ اور وہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ ادا کی طرف اس کی  
نظریں اب بھی گڑھی تھیں — کولے بار بار شک رہتے تھے — اور  
پھر اس کی نظر میں اس چوتھے پر پھیل گئیں — وہ سفید کاغذ  
کی گھٹی اب بھی اس کے سامنے پڑی تھی — جیسے کہ رہی ہو —  
بچے اٹھا لو — پڑھ لو — دیکھو وہ کس مقصد سے آئی تھی —  
ادہ نے —

ادہ اس نے پوری غیر شعوری طور پر گولی کو گھومنا اور پھر اس  
کو اس طرح پیار سے اٹھا لیا گویا کوئی ماں بچے کو ڈانٹنے کے بعد پیار  
کے لئے لگے — ایں — ارے یہ کیا — وہ کاغذ پڑھ کر  
رہ گیا۔ وہ معافی مانگنے آئی تھی۔“

ادہ پھر وہ ادا کی سمت پلکا — ارے سنئے سنئے ادا  
— میرے کہاں تھے تو؟

لیکن وہ تیرہ قدم اٹھاتی رہی — ریش نے اچھا راز دور  
سے پکارا — ”فدا سن گئے۔“ اس کو رکتا نہ دیکھ کر وہ اور تیرہ قدم  
— ہاتھ جوئے ادا کا ہاتھ اس نے پکڑ لیا — میں نے کہا —!  
میرا مطلب ہے — کہ —“ وہ اپنے لگا — ٹھہرئے ذرا سانس  
— ٹھیک ہو جائے۔“ اس نے دوسرے ہاتھ سے اشارہ کیا



”یہ وہ نازک حقیقت ہے جو بھائی نہیں جانتی“

وہ لگتا ہی ہوئی نسلِ غلامیں جا کر منہ دھو لے لگی۔ مریں ہلکا ہلکا بھاری پن بے وقت سونے سے مزور ہو گیا تھا لیکن۔ اختلاج۔ گہرا ہٹ۔ ادا ہی سب اس سے کوسوں دور تھے۔ ایک غیر معمولی سکون، اطمینان اور امنگ سی پیدا ہو رہی تھی۔ اس کا جی چلنے لگا کہ وہ میرے دھڑکنے لگے غلوں پر ہواؤں میں۔ قفس کیے۔ مشک پر فضاؤں میں اچھے کوہے۔ اور پھر اپنے کو کسی کے حوالے کر دے۔ گرم گرم۔ نرم باہوں میں کیٹی اس کو چلے چلے دے۔ اپنے آہستوں کے حلقہ میں لے کر اپنے جسم کی گرمی پہنچائے اور پھر وہ بدست ہو کر اسے لپٹ جائے اور وہ پہنچے ہوئے کپڑے پہنے لگی۔ اور پھر وہ بال پھر چلنے پڑھنے کے کوہے باہر نکل گئی۔

آج وہ بحث کیے گی شادی اور عہد۔ ایک بھر اس نے سوچا۔ ”ریش پر تاج کر دوں گی محبت کے لئے شادی مزدوری نہیں۔ ہم خوشی اور عہد دجسا چڑس میں۔ ایک نقاشی خواہش کی تکمیل کرتی ہے انسانی نسل پرستہ اور کہتی ہے اور وہ دوسری روحی سکون مہینا کرتی ہے۔ یہ من کر دہ کتنا شاداں میں گلا خوش اور میں پھر اس کے گلے میں باہیں ڈا ٹکھو کہو لگی۔ میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ میرے دیوتا۔ اور وہ یہ سوچتے سوچتے مٹا گئی۔

دش اس کو آنا دیکھ کر کچھ سوچنے لگا۔ جیسے جد بنا رہا ہو۔ قہقہے بڑی دیر کر دی؟“ اس نے سناں کیا۔

”ہوں۔ کہتے پھر۔ اس نے ہوں کان کیٹتے ہوئے کہا اور پھر ویش کی اچھیلیں میں اپنی اچھیلیں پھنکا کر دھونے لگی۔

”نم کا کسے آج جلدی چلی آئیں۔ میں تبارا انتظار ہی کر رہا۔

”ہاں پر وینر صاحبے کلاس سے نکال دیا تھا۔“

”کیوں۔ خیر تو ہے؟“

”خیر جوڑیٹے۔ اس وقت میرا دل غمزدہ تھا۔ بس۔“

”کچھ طبیعت تو خندہ اب نہیں؟“

”بس اب چوڑیٹے۔ آپ تو یہاں شہریت سے کوسوں دور نظر آ رہے ہیں۔ اس نے ٹٹا اٹھایا۔ اور ریش صاحبین چھا۔

”معاف کرنا۔ اور اس نے صہیب منڈے کے لئے اسکی اچھیلیں میں سے اپنا ہاتھ نکال کر کمر میں ڈال دیا۔

یہ جیسے بیشتر اسلئے شہر میں سوٹ جڑا تھا۔ دھبہ۔ ہا ہا۔ کہو تم کو میری مزدور محسوس ہوئی۔ ٹھیک رہنم کو کھو۔ سہمت ہو گئی۔ اور وہ یہ سوچ کر مسکرای۔ محبت۔ سنی بے کی بات ہے جو ان جیسے اور محبت کرنا تیرے کر دی۔ دل دھڑکنے لگے۔ سنی بے کی بات ہے جو ان جیسے اور محبت اختلاج ہونے لگا۔ خندہ غائب ہو گئی۔ جواب دے۔ اتنی۔ تے۔ دلے کو بھی چلنے لگا۔ اس نے داغوں کے نیچے پوٹ کو بکرا کر ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر اس کی آنکھوں میں آنسو چھلکا۔ آئے یا نہیں۔ اور پھر کسی خیال سے دواں دواں کانپ گیا۔ ایک جبر عہد کی آئی اس نے آنا۔ چھ ڈالے۔ اس کے ناک کے آئیں ابھی کافی دیر تھی۔ وہ ہمت۔ ہمت۔ پہلے ہی کچھ دواں دواں آغاب بنا نصف راستے کو کچھ تھک سہری کی وجہ سے جلی ٹھنڈی ہوئی چادر نے اس کی گردن کو دھڑکا کر دیا تھا۔ قریب ہی تھیں۔ بے فکر گوشتش مچھیاں کر رہے تھے۔ تھپتھپتہ اور ترسہم ریزیاں چادروں طرف بکھر رہی تھیں۔ ریڈیو پر وہ سپر کے پروگرام کے مطابق کوئی فلمی ریکارڈ بچا۔ ڈنچ۔ ہاتھ۔ دھڑکاؤں دل سوز رہا۔

اے روزِ ذرا دھولے کروٹ تو دہلنے دے

اس کی آواز میں درد تھا۔ سہر تھا۔ وہ گاہر ہی تھی۔ آوا کو محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی روح کھینچ رہی ہو۔ اس کا دواں دواں ٹپٹا تھا۔ اس پر دھکی اور پھر ہی ہونٹوں کی تاریک ساؤں کی طرف۔ دل زور زور دھڑکنے لگا اور اس کی آنکھیں ایک بار پھر ڈب ڈب آئیں۔ دواں میں آنسو جذب کر کے وہ تیز قدم اٹھانے لگی۔ اس دور بھری آواز کی لاج و دوستوں سے دور بہت دور۔ وہ بھاگ جانا چاہتی تھی۔ تیز قدم اٹھانے لگتے وہ ہانپنے لگی اور گھر میں تو دم رکھتے ہی وہ نہ حال ہو کر شہر پر جا پڑی۔ اس کی آنکھوں میں اب بھی آنسو چھلک رہے تھے اور پھر کپٹنے ہوئے قطرے رخساروں پر پھیلنے لگے۔ خیر راوی طود پر وہ مثلی یا ذمے سانسے وہ نہ کہے جھوٹے ہوئے بخین پر دے کو دھجینے لگی۔ پھر معلوم کہ بند نے آ دیو۔

جب شام کو اٹھارہ لٹی لیتی ہوئی وہ اٹھی قسائے گھڑی میں اس کی نظر ابھکر رہ گئی۔ چار بج چکے تھے اس کو پاؤں کا جانا تھا لیکن اس کو پھر یہ محسوس ہونے لگا کہ وہ آج ریش سے کچھ نہیں ملا بھی نہ سکے گی۔ یہی ایک شرم۔ چپکا چوٹ۔ حیا۔ لیکن وہاں نہ جیسے یہ بھی شعل تھیں۔ وہ سوچنے لگی۔ میں آج اس قدر تڑکیوں ہوا۔ ریش مجھ پر اس طرح حاوی ہو رہا ہو۔ کیوں۔ اور بے ساختہ اس نے آہستہ سے گلگت یا سہ

”اور ہاں۔۔۔ وہ کل والی ہماری گنگو ناہم رہی رہی۔۔۔ اس لئے موضوع بدلنا

”آپ شروع کر دیجئے میں آپ کو مطمئن کر دوں گی۔“ اور وہ دونوں ٹپٹپٹے دستوروں کے سفید چہرے کے نزدیک پہنچ گئے۔

”شروع اور ختم کو کوئی قصہ نہیں صاف بات تو یہ ہے کہ تم سے میں محبت کرتا ہوں۔ اور اسی وجہ سے شادی کا خواہشمند ہوں۔ اگر تم کو کوئی اعتراض نہیں تو طے کر لیں۔“ اور اس نے اس کا کہنے ہر بار سفید چہرے پر بٹھایا۔

”ہاں تو آپ کے نزدیک محبت شادی کا ایک جزو ہے۔ اور میں! لیکن میں اس نظریے اختلاف رکھتی ہوں۔“

”کیا۔۔۔ کیا مطلب تمہارا۔۔۔ کیا تم مجھ کو پسند نہیں کرتیں؟“ ریش نے جلدی سے کہا۔

”پسند کا سوال نہیں۔ میرا مطلب ہے کہ اگر ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو یہ لازمی نہیں کہ شادی بھی ضرور کریں۔“ اس نے جیسے اطمینان سے کہا۔

ریش نے اس کی صورت حیرانی سے دیکھی۔ اس کے چہرے پر ایک سنجیدگی تھی۔ دست بٹھا گیا اور لہکا رہا تھا۔ ”اس کا کیا کہہ رہی ہو۔۔۔ کیا تم مجھ سے شادی کرنے کے لئے تیار نہیں ہو۔“ اور وہ اٹھ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

”آپ پھر شادی کہہ رہے ہیں۔ آپ میرا مطلب ہی نہ سمجھ سکتے میری نظر میں محبت ایک پاک جذبہ ہے جو صرف درد و رنجوں کو مٹاتا ہے۔ ایک دوسرے کو ہمیشہ قریب دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کے دکھ، سکھ، غم، ہنسی خوشی غرض سب کا حصہ دار بنتا ہے۔ لیکن شادی۔ جس کا مقصد سوا بھلے نسل انسانی۔ خواہشات نفسانی کے ادیکچہ نہیں۔ میں بت میں شادی کو ناجائز نہیں سمجھتا میری قرآن نہیں دیتی۔ میں صرف شادی کو اس لئے پسند کرتی ہوں کہ محبوب ایک دوسرے کے نزدیک ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہو جاتے ہیں لیکن محبت کے لئے شادی کرنا میری نظر میں محبت کی قہر میں ہے۔ کچھ رطبت۔۔۔ اور وہ اپنی اس تقریر پر ہنسنا پڑی جیسے کوئی نہایت کامیاب کیکڑا دیکھا ہو اور بال سوار سے ہونے اور لے بیٹھیں کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

”دیکھو اور اس شہادت نہ کر۔۔۔ بلکہ سب باتیں سنجیدگی سے کہہ ڈالو۔ میں اس تقریر کو سننے کے لئے قطعاً تیار نہ تھا۔ میں خود تم سے اس سلسلہ میں گفتگو کرنا چاہتا تھا لیکن ہمیشہ شرم و انکسار ہوتی۔ اور

اب اس کو طے کرنا ہی چرکا۔۔۔ اب یہ تمہارے اختیار میں ہے مجھ کو ایک مسلسل مطالبہ کا فائدہ نہ کر دو یا لافانی مسرت کا ہار پہنا دو۔“ اور اس نے اس پر کراہی گون تو جھیلی چھوڑ دی۔

”دیکھو ریش میرا کہنا یہ ہے کہ۔۔۔ میرا نظریہ یہ ہے۔۔۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے ہمیشہ ہر ایک اسی طریقے سے رہ سکتے ہیں۔ محبت جسمانی لحاظ سے میری نظر میں محبت نہیں گنا ہے۔“ اور وہ چپ ہو گئی جیسے کچھ کہنا چاہتی ہو اور کہہ نہ سکتی ہو۔

”مجھے تم سے غالباً نہ محبت ہے۔ اولیٰ یہ نہ۔۔۔ آخر تم میرا امتحان کیوں لے رہی ہو۔“ وہ جذبات سے لبریز ہو کر گھٹنوں کے بل آٹکے سہنے کھڑی ہو گیا۔ آنکھوں میں آنسو اٹھ اٹھے۔ ہاتھ کو پیٹنے لگے اور دانتوں میں ہونٹ دب کر خرچ ہوئے۔

دارش کو اس طرح دیکھ کر گھوٹ پٹا سی گئی۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر اس کے دل پر ایک گھونسا سا لگا۔ وہ کی آنکھ میں آنسو۔ یہ جب ہی تم میں جب اس کی تمام قوتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اور یہ سوچ کر اس نے اس کے بازو پکڑ لئے۔

”ریش۔۔۔ اسے یہ نرم کو کیا ہو گیا۔۔۔ اتنے گھونٹے کیوں ہو۔ اور اس نے اس کا سر اپنی نرم نرم باہوں کے اندر کر لیا۔

ریش کی کپٹی اس کے دھوکے ہوئے سینہ پر جا گئی۔ دو نرم نرم گرم گرم ہاتھوں کے درمیان خلا میں سے دھک دھک کی آواز اس کی صاف سنائی دے رہی تھی۔ اور اس کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی انتہائی سکون اور راحت کی جگہ میں جا گیا ہو۔

اور کہہ رہی تھی۔۔۔ مجھے تم سے محبت ہے۔۔۔ پر یہ ہے۔۔۔ عشق ہے۔۔۔ تم میری روح ہو سب کچھ ہو۔ ہم دونوں کا جسمی حوا نہیں ہو سکتے۔ جگہ ان نہ کہے اگر ہماری شادی ابھی ہو سکتی تو میری روح تمہاری رہے گی۔“ اور اس نے ریش کا سر اٹھاتے ہوئے آہستہ سے اپنے سرخ ہونٹ اس کے ہونٹوں پر رکھ دیئے۔۔۔ آنکھیں بند ہو چکیں۔۔۔ ریش کو محسوس ہوا جیسے سر دیوں میں گرم گرم بھاپ لگ رہی ہو اور اس نے اس کو اپنی باہوں میں کس کے دبانے ہوئے اپنے ہونٹ اس زور سے ان پر رکھے کہ وہ انٹوں تک کی سختی اس کو محسوس ہونے لگی اور اس کا جسم آگ کا ایک شعلہ بن گیا جیسے کسی نے پیسے سے لے کر چوٹی تک اس کو دکھائی ہوئی آگ میں ڈال دیا ہو۔ پھر دوسرے ہی لمحہ دونوں ایک دوسرے

میں سے کسی نے اٹھ کر دونوں کے گھر میں گولے کے بار ڈول دیئے۔ — تالیاں  
چرندہ میں خاموش بھاٹیو۔ ٹیکسٹ اپنی جگہ سے اٹھا۔

صدر نے میز پر رکھے ہتھ پیر وٹ (Handkerchiefs) اور  
سارے پرے کہا۔ — "آؤ ڈور" — "اوں پیرا ہتھ  
آہستہ خاموش ہو گیا۔ جیسے ایک ہمارا طوفان تھا جو آیا اور گزر گیا۔

اب مشروریش ایک ریڈ دیویشن میں کرینگے۔ "صدر نے کہا۔  
ایک ڈیجیٹل پلے قذ کا لڑکا اپنا چہرہ در بال درست کرتا تھا اور کسی کی  
"دوستو۔ ایس کوئی خاص بات کے گواہ نہیں ہوا۔ ہمارا ایک مطالبہ  
ہے جس کی تائید کسی ایک کو نہیں ملے گی۔ آپ سب کو کرنا ہوگی۔ — میں  
پڑھ کر سناتا ہوں۔"

"طلبہ کا یہ جلسہ عام ریش اور میں آدا کو ان کے اس ٹیک انعام پر  
سبارک دیتے ہوئے اپنی اہلی خاتون کا انعام کر لیتے۔ اندر دو صاحبزادے  
پرندہ مطالبہ کر رہے تھے کل شام مشروریش اور میں آدا اپنی ہونے والی  
شادی کی خوشی میں اس جلسہ عام کو ایک شاندار می پارٹی اپنے ہنگامہ پر  
جس میں طلبہ کے علاوہ کالج کے پروفیسر اور پرنسپل صاحب بھی شرکت کریں۔"  
"تالیوں کا شور مچ رہا تھا۔ اور ایک ہوشیار گئی۔ — ہر جگہ  
منظور۔ منظور کی صدا بلند ہونے لگی اور تمام لڑکوں میں ایک عجیب سی بحث  
چھڑ گئی۔ — دیکھا اٹھا۔ اور آہستہ سے میں درت کے کھیل۔"

پڑھتے پڑھتے پڑھتے

"دیکھا اٹھا اٹھا پڑھتے ہوئی اور اٹھا۔ — بوسوں پر۔ — بلکہ —  
"چپ رہو۔ — ہر تیز آگے کچھ نہ کہنا۔ — بعد ازاں اسانیت  
ہے۔ اور ٹیکسٹ کا جملہ ادھورا رہ گیا پچھے سے جگدیش نے اس کے کچھ  
پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ — "ارے سنو، بڑی ٹریڈی ہو گئی۔"  
"ٹریڈی؟" — "آخراہ ٹیکسٹل سامان بول پڑے۔ جگدیش کے  
چہرے پر ہوا تالیاں اڑ رہی تھیں۔ — دشت اور پریشانی —

"ایں۔ — بولو۔ — آخر ہماری صورت کیوں اتری ہوئی ہے۔ —  
آخر نے جگدیش کے کندھے سے جھنجھوڑ ڈالے

ریش کی کل رات کا رات گئی۔ اس کی حالت بہت نازک ہے  
اور ایک سپریم حزب آتی ہے سبھی تک ہوش نہیں آیا۔ ڈاکٹروں کا کہنا  
ہے "اگر حادثہ کے ۱۸ گھنٹہ کے اندر ہوش نہیں آیا تو پھر کوئی امید نہیں ہے۔  
اس کے تپا جی۔ — وہ تو بالکل پاگل ہو رہے ہیں۔ — ادا کا وہ بھی

سے جدا ہو گئے۔ — نگاہیں جھکی جھکی۔ — اور اٹھانے کی کوشش کی  
لیکن جیسے ان پر کوئی وزنی پھر رکھے ہوں اور وہ نگاہ نہ ملا سکے۔

— — — — —

"دوستو۔ — آج میں آپ صاحبان کو ایک عجیب و غریب خبری  
سناتا ہوں لیکن قبل اس کے کہ وہ خوش خبری آپ لوگ تیش ذرا سنبھل  
کر بیٹھ جائیے۔ لیکن ہے تعجب بجزنی۔ — سے آپ اپنے آپ میں نہ رہیں  
اس کے ساتھ ہی میں صاحب صدر سے اندھا کر دیا کہ وہ مشر  
ریش اور اس آدا کو ڈاکٹرس کے سامنے تشریف لانے کا حکم دیں۔"  
ٹیکسٹل اسٹیج پر کھڑا تقریر کر رہا تھا اور اس کے اس آخری جملہ پر  
"نام ہال میں ایک کھلی سی پڑ گئی۔

ادا اور ریش۔ — "کیا آئی پھر کوئی تماشہ ہونے والا ہے۔  
ادکسی نے علم چست کیا۔ — غالباً آج کو کشتی کا انتظام ہوا ہو گا اور پھر سب  
کی نظریں ریش اور آدا کی جانب ہو گئیں۔

ٹیکسٹل نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔ — "در خاموشی  
سے بیٹھے۔ — ابھی سب پر ڈرامہ آگے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔ ہال کو آہستہ  
صدر نے ابھی تک دونوں حضرات کو کم نہیں دیا۔"

ریش اور آدا جھکی جھکی نگاہوں سے اسٹیج پر رکھی ہوئی کرسیوں  
پر بیٹھ گئے۔ اور ہال میں ایک شور مچ گیا۔ تالیاں بے پناہ — اور پھر  
پشور آہستہ آہستہ فضا میں تھیل ہو گیا۔ جیسے کسی نے ساکن پانی میں ایک  
لکڑی پھینک دیا جو اور لہریں پیدا ہو کر پھر آہستہ آہستہ پانی ساکن ہو جائے۔  
خاموش۔ — خاموش۔ — ہاں تو اب آپ سب حضرات

ایک خوشگوار عداوت کی اطلاع سننے کے لئے تیار ہو جائیے۔ آپ سب کو  
اچھی طرح یاد ہو گا کہ میں آدا صاحب کا بچ میں داخل ہوئی تھیں تو کچھ عرصہ بعد  
ایک عجیب و غریب حادثہ میٹروپولیٹن پر پیش آیا تھا۔ — مشروریش سے ٹکیر

اور مشروریش اس حادثہ کے بعد ۳ دن تک کالج نہ آئے۔ — نہ معلوم  
کیوں۔ — بہر حال آج آپ سب صاحبان تعجب کریں گے کہ وہ حادثہ

ایک نئے معاہدہ کی صورت میں تبدیل ہو گیا۔ — یعنی ہر دو ساتھی  
اپنی زندگی کے آئندہ نہ آپ دینا دی ہم کے بعد ساتھ ہی گزریں گے  
"مبارک۔ — مبارک۔ —" (Congratulation)

کارپوریشن۔ — تھری چرس فار سٹانڈرڈ سٹریٹس۔ — سماں اور بجا پھر فرسٹ ہینڈ  
ہو گیا۔ باہر صفت کا نہ تھے، مگر چلے ہوئے، پھر گئے۔ — اور لڑکوں

چمک رہا تھا۔ ٹیکسٹ اور اس کا ان کو کچھ کرکھڑے ہو گئے۔ باجی ٹیکسٹ سے لپٹ کر رہنے لگے۔ بالکل بچوں کی طرح۔ اکٹری سانسوں بے ربط آہوں میں دم کھینے لگے۔ ٹیکسٹیں بلب۔ میراٹس۔ دیکھو اس کو کیا ہو گیا ہے تم لوگ بچو۔ میری ایک ہی اولاد ہے۔ اور ٹیکسٹ کو محسوس ہو جائے اسکے کندھے پر گرم گرم ہائی کی پوند میں گڑھی ہوں۔ اس کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔ اس کو اپنا کچھ منہ کو آتا ہوا معلوم ہو جائے وہ سینے سے نکل دودھ مار گئے۔ اور اس نے سانس کو اس طرح پھل جیسے کوئی چیز نکل گیا ہو۔ باجی آپ آسام کیسے سب ٹھیک ہو جائے گا؟ اس کے گلے سے جلد اس طرح نکلے جیسے وہ کچھ کر رہا ہو۔

”آپ اطمینان رکھئے۔ آپریشن کے بعد وہ اچھا ہو جائے گا۔“  
ختر نے ان کو بچہ پر ٹھٹھٹے ہوئے کہا۔

”لیکن بیٹا۔ آپریشن تو بہت ہنگامہ ہے گا۔ پیراٹس۔ میری نسل۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“ ان کے تار نفس میں زلزلہ سا آگیا۔ گرم گرم آنسو چٹا پٹ زمین پر گر رہے تھے۔ اور ان کی نظریں بے اختیار اُپر اُپر چلیں جس کی آنکھوں میں آنسو لڑ رہے تھے۔

چلے آپ دونوں کو پہنچا دوں گھر۔ اب آپریشن کے بعد مل گئے ہیں۔ میں ٹیلیفون کر دوں گا۔ ٹیکسٹ تمہارا میں آتا ہوں۔“ اور اختر ان دونوں کو اپنے ساتھ لے کر چلا گیا۔ ٹیکسٹ تھکا ہوا۔ ہا۔ سنبھل دیا۔ دل اور سنگ مرمر کے سہنسفر پر دس کی نظریں ٹکھونے لگیں۔ کوئی شکستہ دل اور دھڑک رہا تھا۔ عجیب سی بدبو تمام اسپتال میں اس طرح پھیلی ہوئی تھی جس کا احساس بھی شاید جاتا رہا تھا۔ سنبھل چکی ہوئی دھڑکناؤں پر ایک ایسی حسرت برس رہی تھی جیسے کوئی جوان بیوہ اینٹو ہڑڑ کی لاش کے قریب کھڑی ہو۔ وہ سوچ رہا تھا۔ یہ دھڑک دھڑکیں۔ یہ جبین و مدادہ۔ اور کھڑکیاں۔ جالی دار دروازے۔ ان — خوبصورت ہونے پر بھی کس قدر تکلیف دہ ہیں۔ ریش اور آدائی کی آبی آئینگیں۔ نئے جذبات، نئی محبت۔ سب ایک مسلسل غم پر کڑھ گئے ہیں۔“ اور کبھی کبھی اس سے کیا بات کو کسی مریض کی مددناک گولجی ہوئی چلیج۔ رونے کی دھڑاں آواز یا کھانسی۔ ہلکا ہلکا گھٹن ہوا ٹنڈر۔ مشترکہ جیتے۔ دودھ پر دھڑکنا۔ اسی بچہ پر بیٹھنا۔ اور نہ معلوم وہ کہا سوچنے لگا۔ ان ان بھی کتنا بھروسہ ہے۔ ہنسی مذاق اور لطیف انداز دہانے کے وقت۔ یہ جیتے گا۔ تمہارے۔ گانا ہے۔

دانت سے وہ ہنس رہا تھا۔ گرم شرم بالکل چپ۔ نہ آنسو نہ آہ۔ رات بھر ایک دم بھینٹی بھینٹی کے منہ سے ملے اس طرح نکل رہے تھے جیسے وہ کچھ اگنے کی کوشش کر رہا ہو۔

ٹیکسٹ اور اختر سنتے رہے۔ انہیں کھلی رہ گئیں۔ اختر کی آنکھوں میں آنکھوں کا گچھا بٹھا ہوا تھا۔ اور وہ دونوں چونک کر بولے۔ کیرس اسپتال میں۔؟ آؤ چلیں اختر۔“

”بڑے اسپتال میں دارو نہ ملے گا۔ لیکن وہ شاید آپریشن روم میں ہونے لگے۔“ جگڑیش نے اپنی ہوش کو انہوں میں دبا کر کہا۔

اور جب وہ دونوں اسپتال پہنچے تو آدھا ہارنگی پریشی تھی۔ گرم شرم جیسے جھرم۔ چہرے پر شرمخی کی جگہ زردی نے لے لی تھی۔ جیسے وہ کوئی ن سے بیمار ہو۔ سفید ساری۔ انسا ہوا چہرہ۔

”آدھا دیوی۔“ ٹیکسٹ نے بڑھ کر اس کو دیا۔ وہ کسی کہنے کو نہ سمجھتے نہ معلوم کہا سوچ رہی تھی اور وہ چونک پڑی۔ ”آپ؟“ اور وہ پھر انکی صورت دیکھنے لگی۔ بے زور آنکھیں جن میں آنسو ٹپک ٹپک کے تھے۔ گروا لعل جیسے کسی خزاں رسیدہ دشت کی سوکھی شاخیں۔ پڑی جے ہوئے شرح ہونٹ جیسے برسات نہ ہونے کی دھڑ سے سوکھی اور چٹخی ہوئی زمین۔ اور پھر وہ کھڑی ہو گئی۔ دیوار کا سہارا لے کر۔ بدقوق اور کمزور لیض کی طرح۔ اس کے ہڈیوں پر سوکھے ہوئے آنسوؤں کے نشان تھے جیسے دیواروں پر برسات کا پانی بہہ کر رہ گیا ہو۔

”بیٹہ چلیئے۔ آپ اس قدر پریشان نہ ہوں۔ خدا مہربان کر دے گا۔“ ٹیکسٹ نے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

”باجی کہاں ہیں؟“ اختر نے پوچھا۔  
”ڈاکٹر صاحب اپنے ساتھ سلسلے والے روم میں لے گئے ہیں۔“ اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی اور اختر اس صمت چل دیا۔

”گہرو نے کی کوئی بات نہیں۔ ہم دونوں آپ کے ساتھ ہیں۔ انشاء اللہ صحت مند ہوں گے گا۔ آپ اطمینان رکھئے۔“ اور ٹیکسٹ نے معلوم کتنی دیر تک دھڑک رہی بھاننا رہا۔ لیکن اختر وہ باجی کو آنا دیکھ کر وہ اور دیر متحمل ہو گیا۔ باجی کا چہرہ مریض کا جھوٹا سا ہونیکا تھا۔ ہلکے بے نقوش ایک دم ابھرنے کے جھرواں انہی نمایاں ہو گئی تھیں۔ کان کو کیا آسانی ملنا چاہتا تھا۔ وہ ہانپ رہے تھے۔ کان پر ہاتھ رکھنا چاہتا تھا۔ ٹیکسٹ نے اس کی ہانپنے کے ساتھ اس کی ہانپ



نظری چاروں طرف اسٹریچر پر لیٹے ہوئے تھے۔ جوتھیں ٹیبل پر سے دیکھ کر  
 ۔۔۔۔۔ اسٹریچر پر وارڈ میں پہنچنے کے لئے سہارا دے کر کھڑے تھے

۔۔۔۔۔

ایک مہینہ سے زیادہ ہو گیا۔ تم نے میرے لئے دن رات ایک کر دیا  
 اس خود غرض زمانے میں جبکہ ماں، باپ، بھائی، بہن اور دوست کوئی بھی  
 کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ وہاں اپنی ٹھکانے کی جگہ میں بھی تھا۔  
 اس احسان کو نہیں بھول سکتا۔ میری یہ دوبارہ زندگی صرف تہہ رسی  
 ہی دہرے ہوئی۔

”دیکھئے آپ روز کسی قسم کی باتیں کیا کرتے ہیں؟ پھر اس نے شرم  
 سے سامی کے پلو کو مروٹے ہوئے کہا۔ میں یا آپ کوئی الگ الگ تو  
 ہیں نہیں۔ میں نے جو کچھ کیا اپنے لئے۔“

لیکن ادا تم دیکھتی ہو میری ایک ٹانگ بے کاری ہو رہی ہے۔ میں  
 اب تھا بے قابو کہاں ہوں کاش تم سمجھ سکتیں۔“

اور دیکھنے نے سانس لے کر اس طرح ٹھنڈی آہ بھری جیسے اس کی  
 کوئی شے کھو گئی ہو۔ اس نے اپنے منہ کو انہوں میں دبایا۔ ایک  
 قطرہ اس کی گنڈی پر بہہ گیا۔

”آپ پریشان کیوں ہیں۔ آپ کو اسی وقت ایک صحیح دوست  
 کی ضرورت ہے ایک سہارا۔ میں آپ کا سہارا ہوں۔ دیکھیں باؤ، شاید  
 آپ کو یاد ہوگا میں نے آپ سے کئی مرتبہ کہا ہے۔ محبت جسم سے نہیں بڑھ  
 سکتی جاتی ہے اور شاید آپ اب یہ سوچتے ہوں گے کہ آپ کے پیر کی اس  
 دہائی کی وجہ سے میں کتنا جاؤں گی۔ کاش آپ سمجھ سکتے۔ وہ دوسرے  
 ہوتے ہیں جو جسم کی بناوٹ اور صورت پر جاتے ہیں۔ میرے یہاں محبت نفس  
 پرستی کا نام نہیں۔ میری تو صورت یہ خواہش ہے۔ صرف یہ کہ آپ کے نزدیک  
 ہوں۔ آپ کی خدمت کرنی۔ ہوں۔ آپ کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھا کروں۔  
 میں آپ کو ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔ آپ اتنے اندر کیوں رہتے  
 ہیں ہوتے۔ بولئے۔“ ادا اولے جذبات میں اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ  
 میں دبایا گرم گرم تھیلیوں میں۔

”ادا۔ کیا بتاؤں۔ کاش میں کہہ سکتا۔“ ادا سر نے  
 غلامی نظریں پھینک دیں۔

”آپ کچھ نہ کہتے۔ بس خاموشی سے سو جائے۔ ڈاکٹر دیکھ سوچنا  
 منہ کر لیتے۔ شک ہے کہ اب آپ ایک دفعہ ایسا بہتال چھوڑ دیں گے۔“

چلتا پھرتا اور اچھٹے پھرتے ہوئے وہ بیٹھ رہا تھا لیکن سم اور نفرت میں سوا سے  
 سوچتے یا کسی کبھی بے پار پانی بہانے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا۔ یکایک  
 اس کو آخر نے ہونکا دیا۔ وہ دونوں کو چھوڑ کر واپس آچکا تھا۔  
 — وہ غیر ارادی طور پر کھڑا ہو گیا۔

”اوشکیل چلیں۔“

”کہاں؟“

”دیکھیں آپریشن ہو چکا ہو گا۔ خدا اس کو صحت دے۔“ اور  
 اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔۔۔ معلوم کس خیال سے ٹیبل اور آخر کا پ  
 گئے۔ ایک جھرجھری آئی، دنگے کھسکے۔ کینیاں سن ہو گئیں اور  
 تمام جسم پر چوٹیاں تن رنگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

”کٹ کٹ کٹ۔“ کی بائیک اور سی سی آواز پر دونوں چونک

پڑے۔ مترخ و سفید رنگ، گولہ زخمیاں پٹلیاں، بھروسہ سفید لباس  
 میں نرس ان دونوں کے نزدیک ٹکراتی ہوئی رگ گئی ادا کو ایسا معلوم  
 ہوا جیسے جنت سے مریم اتر آئی۔ وہ کمرہ ہی تھی۔ ”کاش کچھ پوچھ لیں  
 وہ وہ کچھ کچھ“ (Cousin) آپریشن کامیاب رہا آپ دونوں  
 اب مل سکتے ہیں۔“ اور کٹ کٹ کی بار بار آوازیں اس کے سینڈل کی

لوک دارا پر جیسے بند ہو کر آتے۔ آہستہ آہستہ اسی میں مل گئیں۔ دونوں کے  
 چہروں پر مسرت کے ہلکے ہلکے آثار پیدا ہوئے۔ آنکھوں میں چمک، ہونٹوں پر  
 نرم اور چہرے پر توانائی کی ہلکی سی جھلک نمودار ہوئی اور دونوں آپریشن دوم  
 جاپے۔ لیکن انکی آنکھیں پھر پٹی کی پٹی رہ گئیں۔ چہرہ فق ہو گیا۔ منہ کھلے  
 رہ گئے اور بٹاشی کی جگہ اسی جھانسی۔ وہ اس ماحول کو دیکھ کر کٹ  
 پٹا سے گئے۔ کپڑے کی بے شمار پٹیاں دیکھ کے ہاتھ، کمر اور ٹانگ پر لپٹی  
 ہوئی تھیں۔ جن میں کہیں کہیں جھکا ہوا خون جذب ہو کر وجوں کی صورت  
 میں پھیل گیا تھا۔ ڈاکٹر۔! نرس۔! کپوٹ۔! اسب ہی تو سفید۔

کفن پوش نظر آ رہے تھے۔ ایک قابل برداشت بوسہ طرف پھیلی ہوئی  
 تھی، منیر کے پیچھے لٹکے مترخ اور سفید چھیاں پانی کی بالٹی میں پڑی  
 تھیں۔ نئے نئے نشتر چمکتے ہوئے سیدھے ادا خدا آوازات۔  
 منہ چاڑے ہوئے تھیاں منیر۔۔۔۔۔ جن کے پیچھے مترخ۔

سفید زرد دواؤں کی شیشیاں کھلی اور بندے تھپی سے رکھی تھیں۔  
 ڈاکٹر نے اس سے دونوں کو روک دیا اور وہ دمیں رک  
 گئے۔ ایک۔۔۔۔۔ کی طرف یونہی چار ادا دی طور سے دیکھا ادا پھر انکی

کسی کے ہاتھ پہل سکیں گے اور پھر غصہ چلا کر کہیں گے۔ میں آپ کو دوزخ پارک  
میں سہارا دے کر چپ لایا کروں گی۔ آپ کو کیا یہ بدبو۔ مہر طرف دونوں  
کی شبیہوں کے ٹوٹنے کی آوازیں پھیلیں۔ یہ دوزخ چرخ اور پکار  
— چھا گئے ہیں۔ یہ ماحول۔ میرا تو دم گھٹا جاتا ہے۔ اور  
مہ کھڑکی جس سے ڈوبتے ہوئے سورج کو دیکھنے لگی۔ سرخ سرخ کرنیں  
بادلوں کے سفید ٹکڑوں کے کناروں کو رنگین بن رہی تھیں اور وہ  
ان جہتہ آہستہ رہتی تھیں۔ ہر سرخ و سفید ٹکڑوں کو گھورنے لگی۔  
پونہ گھوڑنا اور پھر سوچنے لگتا ہے مقصد۔ اور اسی طرحت اس  
نے ہر صاف دان بھی گنوا دیئے۔ اور جب ڈاکٹروں نے کہا۔  
”اب آپ جاسکتے ہیں لیکن کسی کے سہارے دوزخ امنٹ کھٹے  
سیدن میں پھر باخبر درہٹے گا۔“

”اور مالکے چہرے پر ایک عجیب سی لہر دوڑ گئی، گھبراہٹ، امیر  
خوشی۔ بالکل اس پر دیسی کی طرح جو ایک عرصہ بعد اپنا گھوڑا پس جا رہا  
ہو اور ریل میں بیٹھے بیٹھے منزل مقصد و تریب آنے پر کھٹ پٹ کرتی ہوئی  
پڑیاں۔ پسیدہ اور پرانی عمارتیں اس کے سامنے نیر کی سے  
نکلنے لگیں۔ اور اس کا دل دھڑکنے لگے۔“

اور ٹم کو جب ادا دیش کے پاس پہنچی تو اس کے چہرے پر  
اور اسی سمت آئی تھی۔ جیسے سورج غروب ہونے کے بعد ہر طرف پھیل جاتی  
ہے اور اس کو محسوس ہوا جیسے دیش بالکل پر و خیر لاس کی طرح ہے جو  
فلسفہ کی طرح خشک ہے۔ اس کا جی چاہا کہ دیش کے چہرے پر ایسا  
غم اور شکست دیکھے جن میں صدمہ و غم و غم و غم ہو۔ مسکراہٹ آگے  
چہرے پر لپکتی تھی جن گڑھے پڑ جائیں اور جن دانست نکلے ہونٹ چھانے  
لگیں۔ بالکل اس دوشیزہ کی گوری گوری آنکھوں کی طرح جو کوڑھیرنے  
کے دم دروازے میں سے باہر نکل آتی ہیں۔

”ادہ آپ تو ابھی تیار بھی نہیں ہوئے“ ذرا اہل دی ہو جائیے  
نہیں تو دیر ہو جائے گی۔“

”کہاں۔“ دیش کے چہرے کی ادا اسی شکنوں میں تھی۔  
”پارک۔“ آپ کو میرا سہارا لے کر امنٹ چلنا ہی پڑے گا۔  
— دیکھتی ہوں آپ کیسے نہیں چلتے۔“ اس نے اپنی پوری رعنائیوں کو  
اس کے سامنے رانج کر دیا چاہا۔ اس وقت وہ بالائی حین سلم  
سہمہ تھی۔ اور وہ تو آتی تھی قیامت برپا کرنے کے خیال سے

بجلیاں گرنے کے انداز میں۔ — لیکن —  
اور سامنے باپو جی کو دیکھ کر وہ مٹ گئی۔ نئی دہن کی طرح۔  
منہ سے ”ادہ پھر وہ ساری کے پوتے کیلئے لگی۔“

! پوچھے اس کو بچہ کر دیش پر ایک پر حیرت نظر ڈالی، آنکھوں  
میں دو تھیں تھیں، دوتی چمک اٹھی اور دوسرے لمحے وہ دھمال میں جذب  
ہو گئے۔ جی رہا ہو۔ ”انکی آواز بھرا گئی“ دیکھو دیش تم کا رہنا  
ہلا، اڑنا، پھرتا رہتا جاؤ۔“ اور یہ کہتے ہوئے وہ چلے گئے۔  
دیش نے دوا کی طرف دیکھا جیسے وہ دوا کی گڑوی شبیہی ہو اور  
پھر اس نے اسی صورت بنائی گویا یہ دوا اس کے حلق میں آ کر گئی۔

اور اب وہ دونوں کار کے نرم دینر گدوں پر چھپنے ہوئے  
شریک پر دوڑ رہے تھے۔ آواز دیش کے اور نزدیک سرک گئی۔ اس کا ہاتھ  
اپنے نرم ہاتھوں میں کر سہلانے لگی۔ نہ جانے کیوں اس کو اس کے  
گھوڑے بال دانت ہاتھ کو چھونے میں کیا لطف آتا تھا۔ یکایک اس  
سے دیکھ دیش کی خشک آنکھوں میں نمی آگئی ہے اور وہ حیران رہ گئی۔  
اس کو تنہا ہو پڑا۔ اس سے قطعی دیکھی نہیں ملے رہا۔ اس کے چہرے  
پر ایک منٹ کے لئے بھی شگفتگی نہیں آتی۔ اور وہ سوچنے لگی۔

کیا میں اس پر نہ ہستی تسلط ہو گئی ہوں۔ یہ آخر کیوں۔ مجھے  
مشکلا کر باتیں کرنا۔ ہر وقت مجھے دیکھ کر مسکرا دینا آخر یہ سب کچھ کیوں تھا۔  
اور اب یہ اتنا کیوں بدل گیا ہے۔ کیا جس اس کو پسند نہیں ہوا۔  
میری کہ جس ہاتھ ڈاکھو چلنا بیٹھا کیا اب اس کو پسند نہیں رہا۔ کیا  
میرے ہونٹوں میں اب کوئی چمک باقی نہیں رہی۔ اور موٹر  
کے رکنے پر وہ چونک پڑی اور جھٹکے اس کا سر دیش کے سینے سے  
چاٹ کر آیا۔ اس کے بالوں کی ایک لٹ اس کے ہٹوں میں اجماع گئی۔  
دیش نے مسکراہٹ ہوئے اس کے بال کمال دیئے۔ اور وہ  
بھی اس کو دیکھ کر مسکرا دی۔ راج کھٹے مغبتہ بن۔ وہ کھرا پاتھا  
اور وہ بھی چند ساعتوں کے لئے۔

ادہ اس کو سہارا دے کر تارنے لگی۔  
دیش کو محسوس ہوا کہ وہ اس میں اب کوئی دیکھی نہیں۔ اس  
کا ابھرا ہوا سینہ۔ رنرل ادہ گرازا باز۔۔۔ سیٹھ ہونٹ  
منور لگا رہی۔۔۔ تپتی لہر۔۔۔ ان میں اب کوئی کشش اور  
جاذبیت نہیں۔

محسوس ہو جیسے اس کے دنگے کھوٹے ہو کر رعبانی ہوئی گھاس کا  
طرح کرتے ہوں اور اس نے بڑے ضبط سے اپنے دونوں ہاتھوں کو  
ایک دوسرے میں کس کے دہاتے ہوئے کہا۔  
”میں تمہارے لائق نہیں“

”جی۔ کیا۔ کہا۔؟“ جیسے اس کے کان کھڑے ہو  
گئے ہوں۔ کلیم۔۔۔۔۔ بھٹکا ہوا محسوس ہو۔۔۔۔۔ سینے میں جیسے زلزلہ  
اگیا۔۔۔۔۔ آنکھیں کھلی رہ گئیں۔۔۔۔۔ سانس گھٹتی ہوئی محسوس ہوتی اور  
وہ بالکل بے حس و حرکت ہو گئی۔ پھر اس کی گردن ڈھیلی ہو کر  
اس طرح گر پڑی جیسے کسی نے پول سسل کر پھینکا۔ دیا ہو

”ہاں۔۔۔۔۔ میں انسان عزم ہوں۔ لیکن دیکھئے۔۔۔۔۔ چلنے  
کا۔۔۔۔۔ پھرنے کا سبب لے گا۔ اور کھانے پینے کا۔ دی۔ لیکن  
مجھ میں۔۔۔۔۔“

اور جیسے اس کے صحن میں کچھ اٹک گیا ہو اور وہ ک گیا۔ اور پھر  
اس نے جیسے کچھ ضبط کرنے ہوئے کہا۔

”لیکن مجھ میں اب وہ جس نہیں۔ جراثیم انسان، حیوان، اور سب جانداروں  
میں برابر ہوتی ہے۔ کائنات باوجود جیسے مرعالے دیتے۔ ایسی زندگی  
سے قوموت ہوتا۔ اور اس کی ہچکچی سی بندہ گئی۔ اس نے شرم سے  
گردن جھکا کر آنکھوں کو دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ گرم گرم بھاپ اور  
آنکھوں نے اس کے چہرے کو بھگو دیا۔

آدمائے ریش کو دیکھا ایک حسرت سے اودھ سن ہو گئی۔ جیسے اس کی  
گھبراہٹ ہو۔ اور پھر اس کو محسوس ہوا ریش میں کوئی دیکھی نہیں۔ کوئی  
جاذبات۔ اور نہ معلوم کیوں دل کی گھبراہٹوں کے کسی کونے سے نفرت کا ایک  
ہلکا سا جذبہ ابھرتا ہو محسوس ہوا۔ اور پھر اس نے ریش کو اس  
طرح دیکھا جیسے کوئی اپنے پیچے کے کھلونا ڈسٹے پر پیچے کو دیکھا  
کرتا ہے۔ ایک دم اس کو خیال آیا جیسے اس نے اس کی تینا مدد کی  
میں صحن کی ہر ماہ دیکھے بہت بڑی غلطی کی ہے۔۔۔۔۔ بے کار  
وقت ضائع کیا ہے۔ اس نے ریش کو عجیب نگاہوں سے دیکھا۔  
جہاں اس کو اتنا بڑا جسم۔ خالی۔۔۔۔۔ اور کھوکھلا نظروں۔ اتنا  
جیسے کسی بڑی کو دیکھ لارہی ہو وہی لارہا گئی ہو۔ بے کار۔۔۔۔۔  
ناکام۔۔۔۔۔

نہ معلوم کیوں اس کو وہ ایک عام انسان نظر آنے لگی صرف ایک  
ملاقاتی۔ اس کا دل بالکل بھاٹ ہو گیا۔ اس کے ساتھ پھرنے  
اس کی خواہشات کو پورا کرنے سے۔۔۔۔۔ یہی کہ اس کی کمر میں اتنا  
ڈالے۔۔۔۔۔ کبھی کبھی چیخ رانی کرے۔۔۔۔۔ جیسے کہ۔۔۔۔۔ ہلکے سے اس  
کے کھالوں پر چپٹ مارے۔ یا پھر بے اختیار ہو کر چوم لے۔  
اسی جیسے پیرست کو لے۔ اس کے دل کو اس سے مراد طائر کی طرح۔  
وہ اس کو محسوس ہونے لگا جیسے وہ بیمار ہے۔ بخاریں مبتلا ریش  
جس کو منہ کی بد مزگی کی وجہ سے اسے اچھا کھانا بھی پسند  
دیتا ہو۔

ادھر ہی حلالہ اور محسوس کر رہی تھی۔ کتنی تبدیلی ہو  
گئی ہے ریش میں۔۔۔۔۔ وہ نہیں۔۔۔۔۔ دل لگی۔۔۔۔۔ شوخی۔  
اور اس کو اپنی کمر میں ایک کریم سی محسوس ہوئی۔ جیسے وہ کبھی  
ہاتھ کی منتظر ہو۔ اپنے بازوؤں میں غلش سی۔ جیسے ان کو  
کوئی مضبوط ہتھیلی سسلنے کے لئے بڑھ رہی ہو۔ اور وہ ہر نواں  
پر نہاں پھرنے لگتی۔ اور کبھی کبھی وہ اپنے ہونٹ کو دانتوں  
کے نیچے دند سے دالیتی۔

آخرا ایک دم اس نے ریش کو تنگ مرمر کے چہرے پر  
ٹھہراتے ہوئے ٹوک کر کہہ ہی دیا

”تم نے۔۔۔۔۔ لگ گئے ہو۔ اب تم میں وہ جذبات نہیں۔  
وہ انگلیں نہیں۔ تم نے رکھے پھیکے کیوں نظر آنے لگے۔ ہر  
دقت معلوم ہوتا ہے جیسے رونے والے ہو۔ کیا تم کو مجھ سے پہلی  
سی محبت نہیں۔ کیا مجھ سے خفا ہو۔۔۔۔۔ آخر کیوں۔  
۔۔۔۔۔ ریش؟ اور اس کا سانس پھول گیا۔ آواز بھرا گئی  
سینہ کا اتنا چڑھاؤ تیز ہو گیا۔ ایک ہاتھ کی مٹھی کس کے بندہ ہو گئی اور  
دوسرے ہاتھ سے ریش کو ہاتھ کو دند سے دالنے لگی۔

لیکن ریش نے جذبات سے بغیرت شرمے کہا۔

”نہیں آدمائے ریش میں جاسکتا۔۔۔۔۔ اور اس کی آنکھوں سے دُور  
موتی لڑکھ رہا۔ پیرست۔۔۔۔۔ چوٹوں کو اس طرح زبان پر پھیرا جیسے وہ  
طویل صحن سے پراسا ہو۔۔۔۔۔ چہرے کی یہی سی رونج جاتی رہی۔  
نہیں پھول گئے۔۔۔۔۔ اس نے ایک غصہ سی آہ بھری اور پھر اس  
نے سانس کو تنگ چوسے پھونٹ کو دانتوں میں دال لیا اس کو

الطاف مشہدی

## اپنوں کی حکومت

مجھے کہنی ہے اک ایسی کہانی  
تمہیں بھولا نہ ہو گا وہ زمانہ  
زمین پر بھوک اگتی تھی ہر ایک سٹو  
برستی تھی فلاکت بھونپڑوں پر  
دیار سرخوشی دارالحزن تھا  
بیاحصمت کانوں زرداریوں لے  
تجری تھی خداوند زمانہ  
بھی کھانے کی رنجیس میں ہو تم  
تمہیں تاکا تہادولت کی فضائے  
تہائے لب تھے محروم تبسم  
جہالت چار سٹو منڈا رہی سستی  
مے کیا واسطہ رت کی پھین سے

بہاریں چمن چکی ہوں جس چمن سے  
مگر ایک وقت پہ بھی تم پر آیا  
لگے آنے مسرت کے پیامی  
زمینوں نے اٹھ ڈالے خزینے  
بیاباں میں بہاریں مسکرائیں  
جئے صحراؤں نے انول موتی  
مگر کس نے تمہیں جینا سکھایا

تمہارے در پہ سب کا سر جو خم ہے  
یہ اپنوں کی حکومت کا کرم ہے

# Hair Curling

# خوبصورت لکھنؤ گھونگر بال



**ہالی وڈ ہیر کرلنگ کریم**  
 او خوبصورت بنانے کیلئے کوشاں نظر آتے ہیں ان کے لئے سالہا سال کی شدت  
 کوشش کے بعد ہم ایک امریکن ڈاکٹر سے لا جواب حاصل کرنے میں کامیاب  
 ہو گئے ہیں جو یقیناً اس ہیر کریم کی خوبی یہ کہ تین ہی روز میں سر کے  
 بال قطعی پیچدار ہو جاتے ہیں اوسات روز کے اندر بالوں کو مستعد  
 گھونگر بالے لہریں دار اور خوبصورت بنا دیتا ہے اور بڑے گھونگر والے  
 بال پیدا ہونے لگتے ہیں۔ باوجود غسل کرنے کے بھی برسوں اسی طرح قائم  
 رہتے ہیں۔ اکثر فلم ایڈیٹروں اور ایسٹریٹس اور کالج کے طلباء اس کے دلدار ہیں  
 اس قدر نامور و تیار ہونیکے باوجود قیمت فی شیشی تین روپے بمحصول  
 تیرہ آنے ملاؤ تین شیشیاں اگلی مہینے پر بمحصول ملتا۔ ہر چہ کرکس آمال  
 کریم کے ہمراہ ہر زبان میں روانہ کیا جاتا ہے۔

بے شمار چند لکھنؤ خطوط میں سے چند تازہ خطوط اسی نقل ہند نامہ لکھنؤ

۱۱۔ عالی جناب لکھنؤ راجہ محمد علی صاحب دواخانہ صاحب دواخانہ لکھنؤ سے تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کی کمپنی کی مشہور ہالی وڈ ہیر کریم استعمال کیا اور تسلی بخش  
 پایا۔ مہربانی کر کے تین شیشیاں اور بذر لہ دی پی روانہ کریں۔

۱۲۔ عالی جناب پرنس ناٹھ کیکر ولد راجہ صاحب دواخانہ لکھنؤ سے تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کی کمپنی کی مشہور ہالی وڈ ہیر کریم  
 استعمال کیا اور تسلی بخش پایا۔ مہربانی کر کے تین شیشیاں اور بذر لہ دی پی روانہ کریں۔

۱۳۔ عالی جناب مسدع الدین احمد تہسلا عالی جناب ہار الدین احمد پرنسپل عثمانیہ کالج اورنگ آباد قسطنطنیہ میں کریم نے اس کے پہلے گھونگر بالے باولی  
 کی شیشی منگائی تھی۔ جس سے بالوں میں کافی گھونگر بالے اور خوبصورت ہو گئے اس سلسلہ کو رکارڈ رکھنا چاہتے ہیں اسلئے ایک شیشی اور روانہ کریں۔

۱۴۔ شری مہاشی کو شلیا دیوی دہلی سے لکھتے ہیں کہ آپ کی ہیر کریم میرے بال گھونگر بالے اور خوبصورت ہو گئے۔ کہ پاکر کے ایک۔ مزید شیشی روانہ کریں۔

۱۵۔ جناب منوہر لال جھٹلا بھرتیہ خروڑ پور جھاؤنی سے تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی شیشی گھونگر بالے بالوں کو بہتر روایت منگاتی بہت کار آمد ثابت ہوئی  
 مہربانی کر کے ایک شیشی بھی روانہ کریں۔

۱۶۔ جناب سلیم صاحب طالب سلم دیال سنگھ لکھنؤ سے تحریر فرماتے ہیں کہ کرلنگ ہیر کریم استعمال کرنے سے فائدہ بہا مہربانی کر کے دو شیشیاں اور روانہ کریں  
 سول ڈسٹری بیوٹرز۔ پیرامونٹ میڈیسن کمپنی گورنمنٹ رجسٹرڈ پی۔ بی نمبر ۲۱۶ (دی۔ ۵) دہلی

Paramount Medicines Co. (Rogd) Box 216 (Q.D) Delhi.  
 مقامی حضرات چاندنی چوک قلعہ دہلی کے مشہور انگلیکوزی دوا فروشان سے بھی خرید سکتے ہیں (دہلی)

## انجم صہبائی بی۔ اے

## زندہ

شہر کے شور و شغب..... گھر گھر..... شرور  
 زرد.... زرد کو چیرتی چاتی، نگہ کسی شمع ہرنی کی طرح فر آئے  
 بھرتی نامہ پل اسٹیشن کی طرف جا رہی تھی۔ کشادہ شکر رکول گلابی  
 اوڑھتی اوڑھے سو رہی تھی۔ دونوں بازوؤں پر دو منزل، ستر عمارتیں  
 میرے سامنے سے یوں بھاگی جا رہی تھیں جیسے میں بیٹی کا تماشہ  
 دیکھ رہا ہوں، کہیں لایے لایے ٹیڑھے ٹیڑھے تار کے درخت کھڑے اپنے  
 ہاتھ پانچا کر مجھے خدا حافظ کہہ رہے تھے اور وہ کہ مجھے یہ خوف کھائے جدا  
 تھا کہ کہیں میں ہمارے دہر جاؤں، تنے میں نیکی، ایک جھٹکے کے ساتھ  
 اسٹیشن کے خریدہ مراصلہ میں رکی، تین چوٹے میں آٹھ منٹ  
 باقی تھے۔ بد وقت تمام انور نے فکٹ خریدا، اور میں نے سیکڑ کلاس  
 میں اپنا بستر بچھا دیا۔ اچھی کہیں، اوپر والی برتھ پر رکھ کر، سالوں کی دو  
 تین کاپیاں لیسیمی نیکی پر پینک کر میں سنے اطمینان کا گہرا سانس بھرا سوتے  
 مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں افریقہ کے پیچھے ہوئے میدانوں میں سانس  
 لے رہا ہوں، پلیٹ فارم چنچ دیکھ کر اور غور و خوض کا مارکیٹ بنا ہوا تھا۔  
 اور عجیب گھما گھمی کا منظر اگلا تھا۔ بے رہا تھا، شخص نہ دماہ قلیوں کے  
 مسرے پہلاوے نشست حاصل کی سنکی دوڑو دھوپ میں غلطایاں پوجاں  
 تھا ان کے اس انہماک، تیز رفتاری اور زبوں حالی کو دیکھ کر مجھے اپنی خستہ حال  
 کا خیال آیا میں نے اپنے آپ پر ایک چھپتی ہوئی نظر دوڑائی۔ سفید سفید  
 اثر بند میری پنڈلیوں کو چوم رہا تھا، شیر دانی کے ٹن جلد بازی میں کھلے  
 کھلے گئے تھے اور بیب میں سے نیر فوٹن پن رکن کی حالت میں جھکا  
 ہوا تھا، قمر کو میری حالت صبر اور جذباتوں سے کیا کم تھی۔ میں نے  
 اپنے آپ کو چہرے چہرے سے درست کیا، اتنے میں دیل کے کاغذ نے  
 سبھی بجاتی۔ فیروز اور انور نے مجھے خدا حافظ کہا میں ناگپور

جا رہا تھا جہاں میرے چچا سخت بیمار تھے، راج پور انکے خون کو چونک  
 کی طرح چوسے اور جسم کو دیکھ کی طرح چائے جا رہا تھا۔ چپک چپک  
 ..... چپک چپک کی آواز میں مجھے ایک لطیف نمہ انگڑائیاں دیتا محسوس  
 ہو رہا تھا۔ نمہ کے لفظ پر میرے خیالوں کے دروازے پرستار  
 کی ٹوم..... لوم نے دستک دی، موسیقی سے مجھے وابہات، عشق  
 ہے، ستار، سرود، رباب، ریت، دلربا، شہنائی، بالاسری یا کچھ کہیں  
 آتش فوار طرب کے کیف ریز نغمے سن کر میں مجھ مجھ ہوتی ہوں۔  
 مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پریشہ سے بھی سیٹے شریے بول کان کی  
 داجوں سے میرے دل میں آتے جاتے ہیں اسدھ میں کھل مل جاتے ہیں  
 میری نس نس میں مسرت نائج اٹھتی ہے اور میں خیال و تصور کے ایک نمہ  
 بروش میں سانس لینے لگتا ہوں سرود و کیف کا عجیب و غریب جذبہ  
 میرے روش روشن سے لپٹ جاتا ہے۔ فنون لطیفہ یوں تو انسانی  
 حس کو جنم دیتے، اور ان پر ظلم ہو شرباب کر چھا جانے کی قوت لایوت  
 اپنے اندر رکھتے ہیں۔ لیکن فنون لطیفہ کی اس شلاح..... موسیقی کا  
 میرے جسم اور روح پر ایسا سرور انگیز اثر ہوتا ہے جسکو میں الفاظ کی زبان  
 میں بیان نہیں کر سکتا..... چپک چپک، زندگی کی ریل گاڑی.....  
 انسان ایک مسافر چپک چپک..... چپک چپک کوئی دو تین اسٹیشن چپک  
 اپنا سفر زندگی ختم کر دیتا ہے۔ کوئی دس بارہ..... کوئی دو تین  
 جنگل میں..... طول طویل سفر..... طول طویل زندگی..... چپک چپک  
 ..... چپک چپک..... اتنے میں کھوں کھوں..... کی آواز نے  
 میرے تخیلات کی مالی گاڑی کو سگنل دے دیا۔ اب میں نے اپنے  
 ماحول کا جائزہ لیا، ایک سن رسیدہ بزرگ سفید پوش، تجلی دہی  
 ٹوپی اوڑھے، چڑھاؤ زر کار جو تیاں پہنے زربفت سے کاڑھے

ہوئے بڑے سے پان ممالک کے واسطے تھے پھر سری نظر ان کے  
۷۰-۸۰ سی ٹوڑی پرٹے ہوئے خطاب آلودہ چکڑ کے  
کٹے سے انجیر پڑی ..... مریچوں کا سیلوں پتہ تھا ان درگ کو دیکھ کر  
حاکم طائی کی فکری تصویر میں کتنی آئی جیسے ہرے سے یہ حاکم کے جڑواں  
بھائی معلوم ہو رہے تھے اور اپنی بھونڈی اور غیر شرعہ آواز میں  
مرزا غالب کا یہ شعر گنگا رہے

گر سیہ بخت ہی ہوتا تو انصیبوں میں مرے  
زلزل ہوتا تیرے رخسار پہ یا قتل ہوتا

میں نے جو حیرت ہو کر کہا "آف یہ سن و سال اور یہ  
رنگین خیالی۔۔۔ پھر وہ امیر احمد میاں کا دیوان "سمنانہ عشق"  
اپنے بازو سے نکال کر اپنے برکت پر نیم در لیت گئے، اس ایسے نواب  
کے پاس کوئی اور حال پٹا سورا تھا۔۔۔ کوئے میں ایک سو بھڑا لگیں  
پھیلائے عجیب بے شکم انداز میں جو خواب تھا، نیز میں اس کا ایل  
تھا۔ نیچے لٹک آیا تھا۔ جیسے پولیس والا ساڑھ دکھا رہا ہو، ادھر دھڑکنے  
والی برکت پر ایک ادیب غر کے صاحبزادے کی طرح تھی۔ کے ساتھ بڑا چٹا  
تھے وہ سرگوشیوں میں اپنی بیوی سے باتیں کرتے جا رہے تھے۔ جیسے عاشق  
و معشوق کسی کچھ میں بیٹھے رہا۔۔۔ ان میں معروف ہوں۔۔۔ اب میں نے  
دریچے سے اپنا سر باہر نکالا، تاکہ فطرت کا روپ دیکھوں۔ میں فطرت کا  
جنون کا حد تک پرستار ہوں ورنہ فطرت کی طرح۔۔۔ اپنے اپنے ریت  
کے تودے رکھ کر کھڑی پاڑیاں جوئی موٹی جیلیں، چپل سشد کے  
جھنڈے کے جھنڈ، لٹکھنڈ بھاڑیاں۔۔۔ نیم، کیکر شبنوت، جیل، اہلی  
کے دیوتا مت درخت، شیرجی بیڑی بل کھائی رقص کوئی لگنے لگنا جانے  
کس کی تماشا میں دیوانہ وار بھاگی جا رہی تھیں۔ مری نظروں کے آگے  
سینکڑوں منظر ابھرتے اور ڈوبتے جا رہے تھے، جو زمین، لہلہاتے  
کھیت، موتیوں کی طرح چمکتے ہوئے سیم و ش پانی سے بھرے ہوئے  
جل تھل جن میں اپنا مکہ دیکھ کر چاند ستارے ٹکھار کرتے ہیں کالی  
راتوں کی طرح سیاہ پہاڑ، یونانی خداؤں جیسے دیوتا مت درخت یہ معذور  
فطرت کی بنائی ہوئی تصویریں ہیں۔ غرض میں فطرت کے اس مانتا ہی اہم  
کھانا تڑا مطالعہ کر رہا تھا۔ کہ ہوا کے دوش پر مجھے کچھ براق ایسے سفید  
مٹیلے ناؤں چمکے چمکے چمکے ہوئے تیرتے نظر آئے۔ کہتے آؤدہ میں یہ عجیب۔  
آزادی کے فقط پر میرے دماغ میں ہندوستان کی برست غلامی کا خیال

لہو پڑا۔ جیسے کسی بندھیری روح کے پیچھے میں ان کا دکھنا ہو کر دکھنا ہو  
میں غیر شعوری طور پر پہنچ اٹھا میری پیچ ویل کی چمک چمک میں گل گئی۔ ہم  
ہندوستانی کہتے سیاہ بخت ہیں ورنہ صدی سے غلامی کے ڈولوں میں مبتلا  
ایڑیاں گر کر گر کر سسک سسک کر دم توڑ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں قربانیاں غلام  
اور آہ و زاری ایک دایک دن حذر و رنگ لاتے ہیں، پیر فلک کا کلیجہ شایلا کوں  
ہندویوں کی قربانی لیکر میروں خون جو س کر منوں گوشت پوست اور ہڈیاں  
چبا کر بھی کھنڈ نہیں پڑا، اگر ان کی قسمت میں، بد تک غلامی ہی لکھی ہے تو  
پھر آج ہی ہمالیہ کیوں نہیں ٹوٹ پڑتا۔ تباہ کن زلزلے ان غلاموں کے سینوں  
میں جلتے ہوئے لاوے کو منوں مٹی کے پتے کیوں نہیں دفن کر دیتے یا پھولیلے  
سندھ، بستی، برہمپتر، گنگا اور جمن کے سینوں سے سیلاب کے شرارے  
چل کر۔۔۔ طباق نورج مپا کر ان حکوم زندہ ناشوں کو اپنی گہرائیوں میں  
احور و خاب کیوں نہیں کر دیتے۔ آزادی کے الفاظ ہندوستانیوں کے لئے  
بجھا۔ سلاپ اور خواب بے تعبیر سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے۔۔۔ پھر مرے  
نقد کے، ایسٹ پر مہاتما جی انبھرا نے جو عدم تشدد کی دعوتی پتے، سوانح اور لاشع  
کے نعرے لگا رہے تھے۔ دوسری طرف قائد اعظم ابھرتے۔ وہ پاکستان  
کا دغینہ پڑ رہے تھے۔ ان دونوں کے بچوں بیچ راجہ جی کھڑے سکھ رہے تھے  
اور اپنے فاروے کی ایک ایک کاپی دونوں رہنماؤں کو دکھا رہے تھے، ادھر کچھ  
فاصلہ پر مہاسیباؤں نے کانگریس کے خلاف ایک بسترنگ مپا کر کھی تھی۔۔۔  
یست، اقوام، اکالی، سکھ اور دوسرے اقلیتوں کے لیڈر اپنے اپنے مفادات  
کی حفاظت کے لئے سیاسی دخل میں کودنے کے لئے نیا کھڑے تھے۔ اور  
ادھر مشرق بعید سے نتاجی آزاد ہند فوج کے ساتھ ہندوستان کے دل کی  
طرف بڑھتے آ رہے تھے۔۔۔ اف یہ خیالات و تصورات کی تہیں کیجیجا  
بکر میں گی اور کب یہ چالیں کر ڈر غلاموں کا سیلاب تسبیح کے انوار کی طرح  
سجد ہو کر آزادی کی جھل جھل کرتی راہوں پر گاشن ہو گا، غلامی آزاد کا  
..... آزاد چنچل اور غلام ہندوستانی۔۔۔ مجھے ایسا محسوس ہوا  
تھا کہ خیالوں کے آگن ہم سے میرے جسم میں سراسر آگ لگی ہوئی ہے، چمک  
چمک ..... چمک چمک ..... آپ پان نہیں کھا بیٹا۔۔۔ ان کھنڈی  
ناب نے میری جانب ایک نہری ڈبیر بڑھاتے ہوئے کہا۔۔۔ شکر یہ۔۔۔  
میں نے ایک پان لے لیا۔۔۔ زردہ، ..... جی شکر یہ، ادھر اپنے کاغذ  
میں ایک چھوٹا سا لاؤ میکس کر لیا، اگر کہنے میری گفتگوں رہے تھے کہاں  
جا رہے ہیں جلیں عالمی میں سے جیسے لہوئے ان نواب صاحب کے

سنا کہ سینکڑوں ماتم کلاں آوازیں مرنے والی تھیں۔  
 ج۔ مریوں کا بھی کوئی آسرا ہوتا تو کیا ہوتا؟  
 یونہی جھل جھل کرتے سدا ہی بندوں کے متعلق خیال آرائی  
 کرتے ہوئے میرا سر کندھوں پر دوڑھکا آئے۔ اور پھر شک اور کرب کی تان مگر  
 ہو گیا۔ صبح سویرے میری آنکھ اس وقت کھلی جبکہ ستارے چرخِ عمری  
 کی طرح دم چوتے جا رہے تھے۔ اور پھینکی پھینکی روشنی کی کرنیں۔ دو شیرِ نفرت  
 کے چہرے سے سیاہ آنکھ، شاری تھی۔ بیکام میری نظروں کے آگے  
 نہلہاتے کھیت دوڑنے لگے۔ پھر کچھ کان نظر آئے۔ اور آٹا آٹا نقشِ برباد  
 کی خرخ غائب ہو گئے۔ سوکے جسم۔ جیسے ہسپتال میں رکھے  
 ہوئے انسان کی ڈھانچے، ہمارے سراج و سوسائٹی کا سب سے مظلوم  
 فرد۔ جو قرض کے انبار تلے دبا ہوا جھپکتا رہتا ہے۔ طوفان  
 بار بار اٹا، شعلے اٹکتی ہوئی دھوپ، کٹکتے جاؤں کی سرد ہوا میں۔  
 اسکے لئے سب یکساں ہیں۔ ننگا جسم، سر پر ایک بڑا سا شلہ۔  
 رام نام کی دھوتی۔ اور ٹڈیوں سے تسم پر کالی کھٹی کھٹی۔  
 اس کی زندگی کا کلچر تاریک۔ ساہوکار اور زمیندار کا ادنیٰ کھوٹا۔  
 دو مینی افراد کے آڑھتی، بچے آڑھتی دودھ لال جسکی بوٹی بوٹی نوچ لیتے  
 ہیں اور بچہ اسکے پاس بچ جاتا ہے اسکو سرکار لگان کی صورت میں شرب  
 کرجاتی ہے۔ اور اس طرح پھر اسکی جھولی خالی کی خالی رہ جاتی ہے۔ جیسے  
 بنگال کے خاندانہ انسان کا پیٹ اور پھر اسکی زندگی اسکا سب سے بڑا  
 غیر یقینی جیسے تھی راجہ کا بچم۔ یہ اس زمین پر پہل چلاتا ہے۔ جہاں  
 ہاوش یا خدا کی رحمت خال خال ہوتی ہے۔ جہاں کی زمین سے نذیری کے  
 عتا مرعقا ہیں۔ جلنے کیوں سینکڑوں بدقسمتیاں اس سرزمین پر  
 لٹتی پھرتی ہیں۔ کہیں بندگی یہ بد قسمت سرزمین اس دوزخ سے جس  
 سے ہرک فید حیات سے چوٹنے کے بعد واسطہ ہے۔ قریب تو نہیں  
 ہے۔ ہمارا کسل۔۔۔ ہمارا کشتکا، ناگر کبیر چلاکر۔ خون پسیم پٹکار  
 اُمید کے بیج بوتا ہے۔ اسکے ہاتھ بروقت کھجور کے درختوں کی طرح ایک  
 ایک قطرہ پانی کے لئے دست بدعا رہتے ہیں۔ اور اسکے اندھے کنویں  
 کی طرح گہری آنکھیں بچے آسمان میں دھنکی رہتی ہیں۔ اور پھر طرف  
 تماث یہ کہ اکثر و بیشتر وہ خود بخود رہتا ہے۔ جو بچے جسم بدل دیا تو  
 خود اپنے کمرے کے قلم پر کتبہ لکھ سکتی یہ حرکت بھی ہے۔ جب اور



میرے چلنے والے ہونٹوں پر اقبال کا یہ شعر ابھر آیا

جس کھیت سے وہ تھاں کو جیتا: بوروزی

اس کھیت کے ہر گوشہ کو گندم کے جلادو

اس نے ظلم لب تک اور کھانا جانے کا نئی قیمت کا پانسہ کب پلٹے تھا۔ انکی عید کب ہوگی، انکی نگہ گردانی کب رہے گی۔ انکے سونکھے ہوئے ہونٹ کب نہیں گے۔ انکے جسموں میں صدمت کب تاج اٹھے گی کب وہ عین و سکون کی غنیمت سوسکیں گے۔ کب آخر لب .... کیا یک میرے فیہ الارض کا سا مدد لونا۔ ترین بلہا رشاہ جنگشن پر آری کرم چائے، پان بیڑی سگریٹ، تازہ اخبار کی چیخ و پکار سے مجھے ایسا محسوس ہوا کہ سب کچھ ان انسان ملک ایک بے ہنگم سا کوس الا پلچہ ہیں، پھر میں نے اپنے ڈبے سے انگرک۔

"Dining Companion" میں جا کر ناشتہ کیا واپس اپنے ڈبے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ سوکڑا پنا بندر سالال منڈ کال کر دکھاتا۔ سیٹھ جی، اور انکی جتنی پوری کچوری سے اپنی موٹی موٹی توند بھر رہے تھے، میں نے سیٹھ کی دھرم پتی کو ذرا غور سے دیکھا تو وہ مجھے مشہور قرینت ہارڈی کی جی جی تھر آئے لگیں۔ رنگیلے نواب کے پاس کوئی سفید سفیدی چادر میں نیم لپٹا کھڑی بنا بیٹھا تھا۔ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا یہ کون۔ پچھریں نے۔ آواز بند نواب صاحب سے دریافت کیا۔ انھوں نے لاڈلاہکرا لیا آلہ اپنے کانوں سے چمٹا لیا۔ جی یہ میری نئی نیلی بیگم ہیں۔ "اف خدایا" یہ الفاظ میرے حلق میں اٹک کر گینگئے انھوں نے بجاتے شرباتے اپنے جسم سے چادر نکال پینکی۔ شعر و تخیل کا ایک رنگیں مجسمہ برف کی طرح سفید اور گلاب کی طرح سرخ میرے سامنے اُجھرایا۔ شربتی آنکیں۔ سلوول جسم اور انکو دیکھ کر یہ شعر میرے خیالوں کو جرم گیا۔

۱۔ سینہ ہے کہ لہروں پہ کنول نلجی رہے ہیں

نظریں ہیں کہ لہرائی ہے سادوں کی جوانی

انکی نظریں آہستہ آہستہ میری نظروں سے چار ہوئیں۔ جو اس وقت تک وجود کھانا تھوہہ نظر فرما رہے تھے۔ جیسے میں عمر کے حزن کے بازار سے کسی حسینہ کو خرید رہا ہوں۔ میری چیمچی ہوئی نظروں کو محسوس کہ کے انکے چہرے پر شرمی دھنگی۔ جیسے کسی نے سفید برفی ہلٹے میں چھک سے روشنی کر دی ہو۔ سفید سفید سے

چہرے پر سرخ شرم لہریں۔ مجھے بہت بھلی معلوم ہو رہی تھیں۔ یہ پورٹھا کھوسٹ پچاس سالہ نواب اور یہ سولہ سالہ دیشیزہ۔ ان کی کیا یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔ قرون وسطیٰ کے شوہر کے بازاروں میں جہاں رنگیاں لونڈیوں کی حیثیت سے بیچ دی جاتی تھیں۔ اور آج سو سائٹی اور سلی کے اس سبکے سلجھائے جوئے ٹوٹے موتیوں کی طرح چمکتے دیکتے بازار میں کون سا بظرافتی ہے۔ وہاں دیکھ کھلا فروخت کی جاتی تھیں اور یہاں سوسائٹی کے گھرے ہوئے کچھ قیود و رسوم ظاہری ڈھکولوں اور چند مضحکہ انگیز قوانین کے تحت بیچ جاتی ہیں۔ ان بازاروں کی طرح یہاں بھی وہ ہیں پیسہ ہی سے سودا کیا جاتا ہے۔ رشتہ ناتہ چوڑا اور توڑا جاتلیے۔ بڑھاپا پر آسانی تقریاتی اور ملکی کچھوں کے درجہ سیکڑوں جوانوں کو ڈنگ مار مار کر انکی زندگیوں میں غلوں اور آسٹوں کا رپر پھیل سکتا ہے۔ اور اس کاٹے کا علاج موت ہے۔ یہ دنیا ایک تہذیب مارکٹ نہیں تو اور کیا ہے۔ سہلج اور سوسائٹی کا یہ زنداں نہیں تو اور کیا ہے۔ پھر انسان اپنے آپ کو تہذیب یافتہ کہتا ہے لیکن اسکے قواعد و قوانین کے انیٹوں اور وضع رسوم و روایات کے پتھروں سے بنائے ہوئے اس زنداں میں اگر جہانک کو دیکھا جائے اس میں وہی ابتدائے آفریش سا وحشی پن چشم و ابرو سے لپکا پڑتا ہے۔ سینکڑوں جوانیلا جوانیں اور تھیم نچکے سماج و سوسائٹی کے ان احمقے ذہنوں کی قتل گاہ پر قتل کئے جاتے ہیں۔ ان بوڑھوں کے ذہن و دماغ مثل کیوں نہیں ہو جاتے۔ سوان کے ہاتھوں اور پیروں سے کوڑھکیوں نہیں لپٹ پڑا۔ انکے دل کی دھڑکنیں بکھلت بکھلت بند کیوں نہیں ہو جاتیں جو، یہی اندھی و صدم کا سپہ سالار لیکر پردان و راہیے اقدامات پر لبیک کہتے ہیں اور کئی بیباکوں کو جوانوں سے ہکمتا کر دیتے ہیں۔ کئی ہنسی مسکراتی فردوس ہر خوش زندگیوں کو دوزخ کی آگ میں کھسیٹ لیتے ہیں۔ اور ان ماں باپ کا رونا کن روتے ہو جاتے ہو جتے اپنی لڑکیوں کو بوڑھے کھوسٹ وحشیوں کی چند روزہ دغا نیس ڈھکیں کر انکی زندگی کے آپٹل سے آسٹوں اور آہوں کا عوانہ باندھ دیتے ہیں۔ ان میرے دماغ میں سیدہ کوٹنے لگا۔ میں نے پٹ کر دیکھا تو نواب صاحب ہند کی آغوش میں بے سدھ پڑے سو رہے تھے۔ ان کے ادا کھٹے غصے جن میں معنوی دانتوں کا چوڑا مقید تھا۔ خنجر کی آواز میں فضا میں دوڑتی پھر رہی تھیں۔ ترین بلہا رشاہ جنگشن چوڑی تھی۔ میں نے بہت

کیسے اس مظلوم لاش کو مخاطب کیا۔ کیا میں انجیلم سفر کا نام دریافت کر سکتا ہوں۔۔۔ جی ہجہ بد نصیب کو طبعیت کہتے ہیں۔۔۔ پہلے ہی میٹھے سے میٹھے طنز کی بوسے آنے لگی۔ لیکن یہ انیس اور بے جوڑ شادی.... میں نے زبان کو نکال دیا۔ "جی یوں سمجھو کہ چند دستاویزی لڑکی کی قسمت یہی ہے کہ یہ کچھ نکاح ہے۔۔۔ میں ایک اوسط گھرانے کی بد قسمت لڑکی ہوں جو ناز و نعم و تہنیت اور مسرت کی چلو چلوں میں پبی بڑھی۔ لیکن میری جوانی کے ساتھ محرم بہار کی بجائے محرم خزاں میرے وجود سے بٹ پڑا۔ مجھ سے دو، دو بڑی بہنیں تھیں۔ جو چیز کے برابر لے لے لے کر جوں توں کر کے اپنے سسرال چلی گئیں، اس قدر شاندار چیزیں آپا سیاں کو ان کی شادیوں میں قرین لیکو دینا پڑا کہ شادیاب ہماری حالت بشت بھی قرض کے اس بار سے گلو خلاصی حاصل نہ کر سکیں گی؟ تیسرا میرا اپنا نمبر تھا۔ میرے والدین نے مجھے اپنی بہنوں میں سب سے زیادہ یعنی انٹرنیشنل بینک تعلیم دوائی اور اس علم نے میرے احساس کی قوت کو لطیف تر بنا کر مجھ پر انگ انگ ظلم ڈھاد کھایا ہے۔ اتنی.... دو سال پہلے ٹائیٹانڈ کا شکار ہو گئیں۔ عجیب عارضہ ہے یہ۔ ہڈیاں کا تھار۔ اس میں انسان کا خون رگوں میں شاخ شاخ کٹی آگ سے سوکھ جاتا ہے۔ اور گوشت پوست کل جاتا ہے۔ دس بارہ دن کے بخاریں انسان اوق کے مریض کے ہم طبقہ ہو کر آہستہ آہستہ برف کی طرح کھنڈ ہو جاتا ہے۔ اسکی آنکھوں سے آنسوؤں کے تار ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے جسکو اسنے اپنے کلابی ڈوپٹہ میں سمیٹ لیا۔ ایک سال بعد آپا میاں کو میری شادی کی فکر دامگیر ہوئی۔ میرے لئے کئی بیٹیاں آتے اور جلتے رہے۔ یعنی میرا سودا ہونے لگا۔ یا میری بولی پکاری جانے لگی۔ سب سے اہم سوال چیز کا تھا جو خاکی طرح آپا میاں کے ناسوروں کو کوید و اتھا۔ زندگی تمام ضروریات جو کہ عام طور پر لڑکیوں کا نادرہ بنی رہتی ہیں کسی نے نت توڑے، دس چوڑے، اسونے کے بازیاب، نکونہ وغیرہ وغیرہ کا مطالب کیا بعض خریدوں نے تو چیز کے علاوہ نقد رقم طلب کی۔ اخلاق و کردار، مورت و سیرت کے لازوال زیورات وہ ہم میں تلاش نہیں کرتے بلکہ ہماری وساطت سے شاندار چیزیں دے سونے چاندی کے انوار کے خاٹاں دیتے ہیں۔ ان اہل دنیا کھتے تھے ہا ہ پرست اور زر کے پکاری پتے جا رہے ہیں میرے آپا میاں اب اس قابل نہ تھے کہ قرض کا ایک اور چالہ اپنے سر پر لٹا دے۔ اب انہیں کوئی قرض دینے والا بھی تو نہ تھا۔ صاحب

وہ لے نکل چکا تھا۔۔۔ پھر میں ان دولت مند نواب کے پتے بائندہ دی گئی۔۔۔ بھلا میں اپنے لیے ابا کو براہ ہوتے کیسے دیکھ سکتی تھی۔ لیکن مستقبل کے بھیاں گ خواب میری نظروں کے آگے ہل ہل کر میری زندگی اجیرن کئے دیتے ہیں۔ میں اپنے آپکو اس زمین کے بیٹے کا ایک بوجھ تصور کرتے ہوئے ہوں۔ کس قدر درناک اور اہم پرور ہے یہ دیکھنے میں نے اس کی ڈھاس بندھائی۔ آپ ایک ہی تو سلع و سوسائٹی کے اس فنی نازاں میں مقید نہیں۔ اس زمانہ میں تو سیکڑوں ہندوستانی لڑکیاں کا۔ پائیاں قید پور کا ہرج پڑی مڑی ہیں جو آف ٹائم بھی سکتیں اور جب ہم پرانے رسوم، تہذیب، جو باندھے کہا، سے ہمارے شادی بیاہ کی محفلوں میں کھڑے ہوتے ہیں جڑ سے اکھڑ کر چٹک دینا چاہتے ہیں ان کے خلات احتجاجی آواز بلند کرنا چاہتے ہیں تو رجعت پسند لوگوں کے چرے لگ جاتے ہیں اور جہان منج رومات سے نصف اٹھا چلتے ہیں انکے دلوں پر تو آواز دیں جاتے ہیں اس صفحہ میں بڑے کو سٹ حضرات بھی شریک ہو جاتے ہیں۔ اور ہمیں دنیا بھر کی کاناں سناتے لگتے ہیں۔ یہ نئی تہذیب کے جو کرے۔۔۔ ریت کے علم بردار۔ اشراکیت کے پکاری ہیں فیما سبق بڑھانے لگے ہیں۔ وہ رسوم و روایات جنکو ہمارے مقدس آباء و اجداد صدیوں سے منجھتے آئے ہیں۔ نوڈے انکا منہ چڑا چاہتے ہیں۔ قاترا عقل ہیں کے۔ اس نئی روشنی کی تعلیم نے انھیں ہمیں "ڈرکھا"۔ اتنے میں میری فقر و نواب صاحب پر پڑی بوسجوں غلک یہ کھانے کسی ایفوفانی طرح بے سدھ سو رہے تھے اور اپنے ادھ کھلے منہ سے کتنے کی طرح خرخر کر رہے تھے اسوقت وہ نیمہ سے سوئی نائش نگاہ میں رکھی ہوئی قرون کی مٹی کی طرح نظر آ رہے تھے۔ ان یہ مٹی۔ بے جان.... کو کھلا نیم کا درخت۔ اور دوسری طرف شراب، اشباب و حسن سے بھرپور میاں۔ وہ قبرستان میں پاؤں لٹکائے ہوئے ہے اور ادھر اس نے ابھی اس رنگ و بوی میں ٹھپا ہوئی دنیا کو خصوصیت کی طرح دیکھنا شروع کیا ہے۔ اور کچھ ہی دنوں بعد جب یہ بڑھا کو سٹ نواب عدم آباد کی ٹرین کا فلک کٹائے گا۔ تو اس بڑھ صیب کا کیلنے گا۔ بہاروں میں قدم رکھتے ہی اس کی دنیا اڑ جائیگی۔ عین بہار میں اسکے بال و پو نوچ لے جائیں گے۔ بیوگی کا سفید پیر ہون اسکے بوریں جسم کو کاٹ کھانے دوڑ پڑیگا۔ اس کی زندگی روتے اور آنسو بہاتے کٹ جائے گی۔ شمع کی طرح۔

گھما گھمی — میں غالب کا یہ شعر گنگنا تے ہوئے پیٹ فارم پر

اُتر پڑا

قید حیاتِ ربیع و غمِ اصل میں دونوں ایک ہیں

موت سے پیسے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

— پھر میرے خیالوں میں یہ الفاظ چکر کی طرح گھومنے لگے —

بڈھا کوٹ — ابیلا فواب — مظلوم نوجوان خلعت —

ہمارے شادی بیاہ — جینر — ظلم سماج دوسو ساٹھ —

کے گنگ رنگ رسوم و قواعد کا یہ سنگین زنداں — ہمارا کسان

کالی کلوی قبوت کی چڑیل — قلامی کے سلسل — آزادی کے

جبللاتِ منہرے خواب — پھر ریل کے ناخدا نے سیٹی بجائی

— زور زور — گنگل رکوع کی حالت میں جھک پڑا —

زیرین کھسکی، رنگی اور آہستہ آہستہ دوڑنے لگی چھک چھک

چھک — زندگی کی ریل گاڑی — انسان ایک مسافر

چھک چھک چھک — کوئی دو تین اسٹیشن چلکر اپنا

سفر ختم کر دیتا ہے — کوئی دس بارہ — کوئی دو تین جکشن بعد

— طول طویل زندگی طول طویل سفر — چھک چھک

..... چھک چھک ..... !!!

وہ جلتی رنگی مانند چنار — ہم ہی تو اس کا شیوہ ہے کہ اس عالم کلاں

دندار سے کالی کلوی قبوت کا روٹا چپکے چپکے روکر — گھل گھل کر

اس آب و گل میں گھل جلائے — یہ دنیا ان رسوم و روایات

کا ایک زمناں نہیں تو در کیا ہے — جہاں جسم سے پردہ بالِ نوح

نوح کر قیلات کے عمار کو — سار کر کے روح کے ہیولی کو آگ لگا دی

جاتی ہے — یہ شمشانِ مجبوی نہیں تو در کیا ہے جہاں ہر مجذوبہ لاش

جلائی جاتی ہیں — اور جیب میں نے کھڑکی سے باہر نظر دوڑائی

تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ باہر ہر چیز میں رہی ہے — ڈبے کے

اندھ ہر ایک شے خود میرا اپنا وجود بھی تلا بازیوں کا تماشا نظر آنے لگا —

اتنے میں ایک کرنٹ آواز میرے دل درمیان کو چرگئی "ناکپور جنکشن"

یہی تو میری منزل تھی — نواب صاحب اپنی گہری فیند سے جاگ

چکے تھے — انھوں نے اور مظلوم خلعت نے مجھے خدا حافظ کہا

— سیٹھ کی بڑی بڑی سوچوں سے سکر اوٹ جھانک پڑی —

اسنے ایک دو فرانک لمبی چوڑی ڈکار لینے ہوئے — اپنی گول مول

تربوڑا سی توند پر ماتہ پھیرتے ہوئے سید و شہسوار — شبو شہسوار

— یہاں اتر پڑو گے بہاٹے — تو پھر رام ام بیہا —

اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ مہا تما جی اور قائد اعظم در در کے پٹ گئے

ہیں — ہارڈی کی جی بھی مکر رہی تھی — جیسے وہ کہہ رہی مول

"جے رام جی کی بدھارہ باپو جی — پھر وہی چیخ و پکار —"

## نوائے راز

ناز مراد آبادی ایم ملے

یادگارِ عشق رفتہ اک خلش سینے میں ہے

جیسے غم کا اک خزانہ دل کے گنجینے میں ہے

پائے وہ لذتِ کھون آرزو پیڑ میں ہے

راز کیا کہیے ابھی تک لطف کیون جین میں ہو

کوئی ساعت کوئی لمحہ غم سے خالی نہیں

عشقِ خیر آرزو ہے آرزو مرگِ خودی

# ما تم شباب

ماہر القادری

ایک حسین عورت خواجہ جانی سے بیدار ہونے کے بعد

کشتِ حسرت دیدار کہاں سے لاؤں      سستیِ نرگس بیمار کہاں سے لاؤں  
حسنِ رنگینی انکار کہاں سے لاؤں      اب میں وہ نطقِ گہر بار کہاں سے لاؤں  
وقت نے چھین لیا سابقِ بلوریں سے گداز      اب میں وہ شوخیِ رقتا کہاں سے لاؤں  
اب نہ آنکھوں میں چمک نہ عارض میں نمک      آہ! وہ بارشِ انوار کہاں سے لاؤں  
اب نہ باتیں مری و بچپ نہ آوازیں لوچ      یعنی وہ نرمیِ گفتار کہاں سے لاؤں  
ہائے! وہ جوشِ جوانی وہ منگوں کی بہار      اب میں وہ دولتِ سید کہاں سے لاؤں  
آہ! وہ موجِ ہوس جس نے مجھے لوٹ لیا      ہائے! وہ عصمتِ کردار کہاں سے لاؤں  
چشمِ میگوں ہر کہ دیرانِ نظر آتی ہے      حاملِ خانہِ خمار کہاں سے لاؤں  
دل میں گرمی نہ رہی شوق میں تیزی نہ ہی      شعلہٴ آتشِ رخسار کہاں سے لاؤں  
جس نے کچھ روزِ زمانہ میں خدائی کی ہے      آج وہ حسنِ کاپندار کہاں سے لاؤں  
وہ تبسم کی جھلک ہے نہ وہ ابرو کی لچک      اب میں چلتی ہوئی تلوار کہاں سے لاؤں  
اب نہ وہ زخمیہٴ مضرب نہ جذباتِ کاساز      اثرِ نغمہٴ کہسار کہاں سے لاؤں

نہ وہ شوخی نہ آنکھیں نہ وہ اندازِ خرام

اب میں پازیب کی جھنکار کہاں سے لاؤں

# دوطن کے سنگار کیلئے عجیب و غریب فنیشن انیل تحفے



جو ہم اپنی آرائش کیلئے زیورات کو بیکار کرتی ہیں چونکہ یورپی ہے لہذا جن چیزوں میں عادیانہ گئے ہیں۔ آپ جی اپنی شریک زندگی کے ساتھ اس میں بیکار کیا  
استعمال کریں گے۔ آپ کیلئے ایسی چیزیں گونڈے سے ہونے خوش و شگ۔ خوش قطع۔ زل سبند۔ ویریا اور سبک زیورات بنائے جو کم خرچ بالائیں ہیں جن سے  
سینکڑوں روپیوں کی ضرورت معمولی رقمیں پوری ہو جاتی ہے۔ رنگ روپ اور دھاتوں میں مہنتی ہونے سے ہیرے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہر چیز بیکار نہ ہو  
شمار ہی ان کو دیکھ کر بغیر کسی لکائے کیا مجال خوشناست کر جائے۔ زیادتی استعمال کے باوجود بھی ایک ورہ میں دس سال تک فرق نہیں آتا۔ ہر زیور  
قیمت اور ذخیرہ دین میں ناقص اور اونی کا بغیر کریمے کیلئے زیورات مال اس ہوتا۔ قیمت کے علاوہ ایک روپیہ آٹھ آٹھ اچھے اور معمولی ہیرے  
پیکنگ ملندہ ہے۔ آٹھ آٹھ روپیہ ہیرے کی مجموعی قیمت۔ ایسے روپیہ یا اس سے زائد ہونے کی تمام چیزیں درجن۔ دوکانداروں۔ ہاں عورتوں کو جو عورتوں  
پر تفریح تجارت مال منگاتی ہیں چاہیں روپیہ کا مال نہیں دے سکتے دیا جاتا ہے۔ تجارت کر کے والوں کے لئے۔ درمیان ہے۔

چیف ایجنٹ۔ فریج ناوٹی ایپوریم پوسٹ بیگ نمبر۔ دہلی

طبیط ایم لے

# ہمارے تہذیب و ادب کا تحفظ

کی پناہ اسلامی (تحریک کاروں کا مہم تھا اس کی جگہ وطنیت، ماحول کی خصوصیات اور مقامی تمدن پر زور دیا جائے خوش قسمتی سے وہ تحریک ہمیشہ کے لئے ختم ہوئی اور اسے ختم ہونا بھی چاہیے تھا تاہم یہ کہ اس کا نتیجہ کوئی بھی نہیں نکلا۔ اس لئے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ہمارے محسوس بھیجہ کرتے ہیں کہ یہ ایک فاش غلطی ہوگئی کہ ہم اسلامی تاریخ کے تیز و صاف کے رخ کی طرف نہ رہ کر اسے دوسری طرف مڑنے کی کوشش کریں اپنے کا اسلامی اخوت سے دور رکھنا نہ صرف غلط بلکہ مضر بھی ہے خصوصاً موجودہ زمانے میں۔ برطانیہ کی مام نہاد سلطنت بہرہ ور ہے جب کی لشکر و مافاعص مصنوعی طور پر ہوتی ہے دعویٰ کرتی ہے کہ وہ دنیا میں امن و امان اور آزادی کی فضا پیدا کرنے کی ضامن ہے لیکن اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں اس میں ذرا براہ راست صداقت ہے ابھی جو جنگ غلط ختم ہوئی ہے اس کے نتائج و اشاعت ہمارے سامنے ہیں۔ آج پوچھتے تو مسلمان اور صرف مسلمان ہی ایسا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ اسلام ہی آزادی و محبت کا ایک قدرتی ذریعہ ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ اگر اسلامی مذہب و تمدن کے ورثے مسلمانوں میں اتحاد قائم کیا جائے تو وہ روحانی، حقیقی اور ایجابی اتحاد ہوگا۔ جسے دنیا کی کوئی طاقت مٹا نہیں سکتی بالفاظ دیگر یہ اخوت اس آزادی اور جمہوریت کا ایک ایسا قلعہ ہوگی جس میں کوئی خارجی طاقت رخنہ نہیں ڈال سکتی پڑے

اسلامی برادری کے لیکن ہونے کی حیثیت سے ہندوستان کے مسلمانوں نے بھی تمدن کا ایک مہم بھرا خزانہ ورثے میں پایا ہے اس میراث کو سنوارنے اور اسے پروان چڑھانے میں وہ زمانہ فانی میں نمایاں حصہ لے چکے ہیں اور امید کی جاتی ہے کہ مستقبل قریب و بعید میں بھی وہ اسے حتمی دینے میں کافی خدمات انجام دیں گے۔ ان کی سب سے اہم میراث یہ احساس ہے کہ وہ ایک شاندار تمدن کے مالک ہیں، عربوں کا فنی فانی فلسفہ، اہل یونان کی فصیح و بلیغ

دنیا کے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے مسلمان بھی بجا طور پر ایک قدیم تہذیب و تمدن پر فخر کر سکتے ہیں اس تمدن میں ان کی شاندار تاریخ، ان کے بے مثل سازشے اور فتوحات، نیز و نیلے کتب و انشاء و نیائے سیاست و نیائے مہاشیات اور فنون لطیفہ میں ان کی نمایاں ترقیاں شامل ہیں۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ان ترقیوں میں شہب اسلام کا اثر عام ہے۔ اسی اثر نے اختلاف میں موافقت و موافقت پیدا کر دی دنیا کی مختلف مذاہب کے منتشر اور جنگجو قوموں کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ ان میں اخوت و محبت کی لہر دوڑا دی اور ان میں ایسا اتحاد و اتفاق قائم کیا جس کی نظیر ملتی نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اس دور کے مسلمان شیخ اسلام کے پرانے اور اسلامی تعلیم، اصول و احکام پر سختی سے کاربند تھے۔ اس لئے انہیں غیر معمولی ترقیاں بھی حاصل ہوئیں۔ یہ ضرور ہے کہ آج مختلف ملکوں کے مسلمانوں میں کچھ فرق ہے اور اس فرق کے غمخوار ان کے تمدن، تہذیب و معاشرت کے آئینے میں نظر آتے ہیں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس اختلاف سے اسلامی اتحاد و یکتائی کی روشنی تاریک کو کیا دھندلی بھی نہ ہوگی شروع اسلام سے آج تک عالمگیر اتحاد کی روشنی سے دھیلے اسلام منہ ہوا ہے اور اس نے کہیں مقام و ماحول کے اثرات کو قبول نہیں کیا

## مسلمانوں کا اتحاد

مسلمانوں کی جہاںگیر اخوت مصنوعی یا تخیلی نہیں۔ اگر ہم دنیا کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کا اتحاد ایک مسلمہ حقیقت ہے جس کا سینکڑوں مرتبہ جائزہ لیا جا چکا ہے اب اس کے ثبوت و شواہد کی ضرورت نہیں رہی ورنہ ہمارے دنیائے اسلام میں عام فہمی رجحان تھا کہ اسلامی اتحاد و اخوت کا جذبہ ہر دلوں سے مٹا کر دیا جائے اور یہی نقطہ نگاہ سے انیسویں صدی

آزادی ہے کہ وہ اپنی رائے اور مرضی کے مطابق تمام کام انجام دے سکتے ہیں لیکن اسلام میں وہ ملی مسئلے سمجھے جاتے ہیں اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں فرد کی شخصیت اسی وقت تک قائم ہے جب تک وہ ملت اسلامی کے ساتھ ہے اور اسلامی اصول کے تقویٰ کا اقرار کرتا ہے اس ملک کا وہ ایک سرگرم کارکن ہے جس طرح فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ کسی صورت میں بھی ملت سے علیحدہ نہ ہو ٹھیکہ اسی طرح ملت بھی اس کے جائز حقوق کو نظر انداز نہیں کرتی۔ دوسرے مذاہب میں فرد اور ملت کا یہ ربط باہمی نام کو بھی نہیں ہے ان کے اصول اسلامی اصول سے مختلف ہونے کی حیثیت سے کامیاب بھی نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر عیسائیوں کو ایسے لیجنے ان کے یہاں خلاق کے دو مختلف معیار ہیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عیسائی ملکوں میں بھی عیسائیت کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔

## انفرادی حقوق

اسلامی ملت فرد کی عزت کرتی ہے اس کے وجود، اس کی اہمیت کو بھی تسلیم کرتی ہے لیکن اس کو اتنی آزادی نہیں دیتی کہ وہ ملت کو چھوڑ دے یا اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائے اس نے اس کے لئے ایک ملی عمارت تعمیر کر دی ہے جس کے حدود میں رہ کر وہ ممکن حد تک زیادہ سے زیادہ آزاد ہے۔ ہر فرد ملت کی عظمت کا اعتراف اور اسلامی اصول کے تقویٰ کا اقرار کرنا اس کے لئے بہت ضروری ہے۔

فرد کو اسلام کی دی ہوئی نعمتوں میں ایک یہ بھی ہے کہ اسے مذہب کے معاملے میں پوری آزادی ہے اسے ہر اہم معاملے میں کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق بغیر کسی شخص کی مداخلت کے خدا کی پرستش کر سکتے ہیں ہندوؤں کے یہاں بکاری ہیں اور عیسائیوں کے یہاں پادری۔ دوسرے مذاہب کے تعصب اور تنگ نظری نے فرد کو اتنی آزادی نہیں دی۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ کوئی شخص ہی کیوں نہ ہو اگر وہ اسلامی قواعد و ضوابط کا ناسخ ہے تو وہ مذہبی احکام اور احکامات کے خلاف اس کے جلسے دوسرے مذاہب کے اکثر و بیشتر معاملات و احکامات میں فرد کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے اسلام نے ہجاری اور پادری کے عہد کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ اس نے ایک جماعت کے اس دعویٰ کو رد کرنا اور خدا کے مسئلے کی درمیان کی کڑائی کی حیثیت رکھتے ہیں باطل کہہ کر مردوں کا اعلیٰ مقام پر پہنچایا ہے۔ مزید یہ کہ ہر مسلمان کو اس کا احساس ہو چکا ہے کہ دوسرے حضرات اس سے کوئی اہمیت نہ دیں لیکن یہ ایک حقیقت ہے

شیاعی جس کا مکسimum خواہش کی صورت میں ہندوستان میں ہے ہسپانی، مسلمان اور مغلوں کی یادگار عمارتیں، عبادتوں کی سیاست اس میں نمایاں ہیں، وہ بے صورت گنبد اور بانی تحریک غیر فانی یا کاکریں ہونے کے علاوہ ثابت کرتے ہیں کہ مسلمان فرما کر بولے امتیاز و ادارہ، ذرا دل لادیں مسیح المشریبتے یہ روایات کی حد میں لے کر لیا ہے کہ وہ ہندوستانی باشندوں کے مذہبی مسائل میں مداخلت کرنے کی بجائے ان کے مذاہب کی سلامتی اور ترقی کی خاطر خاص تہذیب میں کرتے تھے ایک ایسے مذہب کے لئے جو ان کے مذہب سے بہت مختلف تھے۔ مخالفت تھا۔ اگر ہم اپنے تمدن و تہذیب پر غور کر کے ان کا تجزیہ کریں تو معلوم ہو گا کہ اس میں چند خاص خصوصیات اور اصول ہیں جو دنیا کے دوسرے مذاہب کے اصولوں سے بالکل مختلف ہیں ان اصولوں پر مسلمان شروع اسلام ہی سے کاربند تھے اور چند اسلامی اصول تو ایسے ہیں جن کے مسلمان آج بھی سختی سے پابند ہیں ان کی اطاعت انہیں زریں اصولوں قائم ہے اور دنیا کی کوئی قوم ان معاملات میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ دراصل یہ اصول عمیل اسلامی کی مستحکم بنیادیں ہیں۔

(۱) انفرادی خودداری

(۲) ہر اہم مساوات

(۳) ملی و سیاسی جمہوریت

(۴) صداقت کا شوق و تعین

اسلام نام ہے زندگی کے ملی قوانین کا اُمر ہم اس کی ملی تعلیموں پر غور کریں جو روحانیت کے دقیق مسئلوں سے لیکر ضروریات زندگی کے چھوٹے چھوٹے مسائل تک پہنچی ہوئی ہے تو ہمیں یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ اسلام انسانیت کو روحانی، اخلاقی اور جسمانی نعمت دینے کا سب سے اعلیٰ دور ارفع و اعلیٰ مقام پر پہنچانے کے لئے آیا تھا۔ اسلام ہمیں ان معاملات میں بھی تعلیم دیتا ہے جنہیں دوسرے مذاہب نے قبیح اور معمولی باتیں سمجھ کر کوئی اہمیت نہیں دی اور نہ انہیں مذہب کے دائرے میں رکھنا ضروری سمجھا۔ اسلام کے قوانین اور اصولوں کی جامعیت، افادیت و اہمیت سے کسی غیر مسلم کو بھی انکار نہیں ہے کہ یہ کم نہ سمجھتے ہیں کہ دوسرے مذاہب کے پیرو بھی اسلام کے نافذ کردہ احکام و اصول پر عمل پیرا ہیں۔ اسلام کا بنیادی قانون جس پر عمیل اسلامی کا انحصار ہے یہ ہے کہ زندگی چند مختلف حصوں اور کٹروں میں تقسیم نہیں ہو سکتی دوسرے مذاہب کی تعلیم کے خلاف اسلام ہمیں سکھا رہا ہے کہ ہم اپنی زندگی کو جان و مکمل سمجھیں۔ دوسرے مذاہب میں ایسے مسئلے ہیں جن میں ایک فرد کو پوری

دوسرے ہندوستانی مسلمان کے سے حقوق کا حقدار ہو جاتا ہے اور دوسرے مسلمان اسے اپنا سمجھتی سمجھتے ہیں اسے اتنے حقوق حاصل ہو جاتے ہیں کہ تبدیل مذہب سے پہلے وہ ان کا خیال نہیں کر سکتا تھا اگر اس کا مذہب گناہ سے مسلمان ہو دھوٹا کر گیا کہ وہ دنیا کی ترقی یافتہ جمہوریت پسند قوم ہیں تو یہ بھی نہیں ہو سکا۔

## اسلام میں عورتوں کی مرتبہ

اب عورتوں کو ملے لیجئے غیر مسلموں کا عموماً اور عیسائی یا یورپوں کا خصوصاً مسلمانوں پر یہ افروض ہے کہ انہوں نے اپنی ملت میں خواتین کو ایک بہت ہی نیچا درجہ دیا ہے لیکن یہ افروض ان کی زبان سے کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا جن کو خود تو ان کو مسلمان عورتوں کی طرح آزاد حق بھی حاصل نہیں ظاہری تفتیش نہیں اکثر فریب میں ڈال دیتا ہے اور یہ ناممکن نہیں ہے کہ ہم باطل کو حق سمجھنے لگیں۔ سچ تو یہ ہے کہ مغرب کی نام نہاد آزاد عورتوں کو نفس و حرکت کی آزادی کے سوا کوئی آزاد دی یا حق حاصل نہیں۔ سب سے پہلے اسلام ہی نے عورتوں کو اتنا حق دیا کہ وہ جائیداد کی وارث ہو سکیں۔ لیکن یورپ کی عورتوں کو اتنا حق بھی ملا کہ وہ وارث بن جائیں۔ اور اب جو وہ آج چودہ سو سال کے بعد ان کی آنکھیں کھلی ہیں اور کچھ حال ہی میں مغرب کے چند ملکوں میں خواتین کے اس جائز حق کو تسلیم کیا گیا ہے لیکن اس میں بھی بہت کمی رہی کہ وہ ان کے وارث اور خاندان کی دھار سے یہ حق اکثر منسوخ ہو جاتا ہے۔ علاوہ انہیں مسلم خواتین جاتیہ اور غیر مسلمی میں فروخت کر سکتی ہیں اور ان معاملات میں انہیں اتنی آزادی ہے کہ ان کی مغربی بہنوں کو خواب میں بھی نصیب نہیں ہو سکتی۔ اور اس مغرب عورتوں کو ایک ناٹوی حیثیت دیتا ہے کہتے ہیں کہ ایک ایسی عورت پرست ہوتا ہے لیکن یہ غلط اور محض غلط سب سے زیادہ غلط اور غلط ترین مرتبہ گذشتہ سال یعنی ۱۹۴۷ء میں وہاں کی خاتون

بڑھ کر اور کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ یورپ کے اکثر مسلمان اور ہندوستانی عورتوں کو انہیں اس کے چمک پر دیکھا کہ اسے پہنا بھی نہیں سکتی ان سب مجبور یوں اور پابندیوں کے باوجود بھی مغرب کی عورتیں آزاد کہلاتی ہیں۔ کیا خوب!

شادی کا مسئلہ اور اس سے پیدا ہونے والی پیچیدگیاں آج تک یورپ اور دوسرے غیر مسلم ممالک کے لئے مصیبت و تکلیف کا باعث ہیں۔ وہ شادی کو دیکھیں گے کہ وہ اس میں کوئی خاص شے نہیں سمجھتے وہ اس فریب میں مبتلا ہیں کہ کثرت ازدواج ایک بہتر طریقہ ہے جس کا ٹوٹنا بہت مشکل ہے۔ حالانکہ اس غلط نظریہ کے بہت خطرہ کیسے

کہ ان میں کچھ بدایوں اور بدوریوں کے ناقابل برداشت ظلم سے نجات ملنا ایک انتہائی مشکل کام ہے۔ لیکن چنانچہ آج میں صدی میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس میں بکار یوں اور بدوریوں کا ظلم عام کو بھی نہیں ہے۔ ہمیں انفس ہی نہیں تعجب بھی ہے کہ اسلام کے اس احسان کا احساس بہت سے مسلمانوں کو بھی نہیں ہے اور یہ دیکھ کر بے حد تکلیف ہوتی ہے کہ اسلام میں بھی ایک روحانی جماعت پیدا ہو گئی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس جماعت کے مختلف خاندان کے افراد میں تسلسلہ والی نسب و نسب روحانی طاقت منتقل ہوتی رہتی ہے۔ ایک بننا جو اپنے باپ کی مسند خلافت کا وارث ہوتا ہے روحانی حیثیت سے بھی اس کا خلیفہ ہے اس قسم کی جماعتیں آج بھی موجود ہیں لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اس نام نہاد روحانیت کو عام فہم نے لکھے مسلمانوں نے کبھی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا اور خاندانی نیز پیشہ ورانہ کے اثرات صرف ان کو گھیر کر رہ جاتا ہے۔ وہی ہیں جن کا عقیدہ باطل ہے اور جنہیں اپنے حقوق کا احساس نہیں ہے۔

## مساوات اسلامی

اسلام نہ صرف انفرادی حقوق کی تشریح کی ہے بلکہ ان کی محافظت کا ذمہ بھی لیا ہے۔ ایک ایسی ہی عمارت بنادی ہے جس کی بنیادیں افراد کے حقوق ہیں کیا اس سے کوئی انکار کر سکتا ہے کہ سب سے پہلے اسلام ہی نے مساوات اور جبروت کی بنیادیں جانتے واضح تشریح و تفریق بیان کی۔ ایسے وقت میں جبکہ دنیا کی دیگر قومیں تقویم یا اندمی تھیں اور مساوات و جمہوریت کے خیالات ان کے دھم و دھما میں بھی نہ آ سکتے تھے سب سے پہلے مسلمان ہی اس مساوات پر ختمی سے سامنے ہوئے۔ اس مقصد کی ہمیں آ آ کر مسجد میں ہیں جن میں مراہب کا افراق و انفرادیت نہیں اور جہاں مرتبہ و دولت و فیر کے فرق کو مٹاتے ہوئے ایک ہی صف میں امیر و غریب، بادشاہ و رعایا، بوٹے اور بچے نمازیں ادا کرتے ہیں ہو سکتا ہے کہ آج ملت اسلامی میں بھی دولت و حیثیت یا مرتبہ کے لحاظ سے جماعتیں ہوں لیکن اس قسم کی جماعتیں بہت زیادہ نہیں ہونے چاہئے۔ نام میں کیونکہ مسجدوں میں مکمل مساوات کا خیال رکھا جاتا ہے اور وہاں کی کروڑوں کی گلیوں اور دیہات کے کلیساؤں کی طرح کوئی خاص جگہ محفوظ نہیں ہو سکتی مسلمانوں کے ملی تعلقات اس مساوات کا بہت زیادہ اثر پڑا اس کا کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ اسلام میں خواتین کا مسئلہ نہیں ہے یا کم از کم ہندو سماج کی طرح ”اچھوت یا بیچ قوم“ نہیں ہیں ایک فرد یا گروہ نہ کتنا ہی بیچ قوم سے تعلق کیوں نہ لگتا ہو مسلمان ہونے کے بعد



تو یہ اسلام کی طرف توجہ کی تھی اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں نے کسی علم و تعلیم کے ذریعے اپنا مذہب پھیلانے کی کوشش نہیں کی، بلکہ اسلام کے حامی اس کی تعلیم اس کے اصول، اس کے عقائد کے ہوتے تو انہیں نے تو ان کو کوئی دیر نہ لایا اور یہ مقبول خاص و عام ہو گیا۔ اسپین میں اور ان کے دوسرے حصوں میں مسلمانوں کی قومی درگاہیں تھیں جہاں ہر قسم کے علوم و فنون کی تعلیم دیا جاتا تھا۔ وہ مرکز تھے جہاں سے اسلامی اصول و تعلیم کی نشر و اشاعت بھی ہوتی تھی سہ سے بڑی بات یہ ہے کہ جب اسلام نے علم و ادب کی روشنی پھیلانی تو مذہب میں مبالغہ کی مانگی پھیلی ہوئی تھی اور یہ مسلمان بھی جہنم نے یونان اور روم کے علم و ہنر کو دنیا کے دوسرے اقوام تک پہنچایا اور وہ ایسا دکر تے تو وہ جو اہم پائے ہوئے کے لئے ضائع ہو جاتے۔ رسول اکرم نے تعلیم دی تھی کہ وہ علم حاصل کریں اس لئے انہوں نے یونان اور روم کے علم و ہنر کو مسترد نہیں کیا بلکہ ان میں ترقی کی تلاش کی وہ غیر مسلموں کی محنت کا نتیجہ تھے اگر وہ غیر مسلموں کے علم و ہنر کو حاصل نہ کرتے تو یہ اسلام کی تعلیم کے خلاف ہوتا۔ اسلام کی اس اسپرٹ نے دوسرے اقوام میں بھی کتنا علم و ہنر کی اسپرٹ پیدا کر دی ہے اور آج دنیا میں جتنی تحریکیں بھی شروع ہو رہی ہیں بچا ہے وہ تمدنی ہوں یا پھر اور ان میں اسلامی اسپرٹ ضرور ہوتی ہے۔

اگر مسلمان اپنے شاخ و شامی اور قدیم تہذیب و تمدن پر فخر کریں تو کیا نہیں ہے وہ مسلمان جو ہسپانیہ کے باشندوں میں علم و ادب، ہنر اور سائنس کو ترقی دینے میں ہرگز نہ صرف تھے وہ مسلمان جنہوں نے یورپ کی بیداری . . . . .

(RENAISSANCE) کی بنیاد ڈالی تھی وہ مسلمان جو علم و ادب کے دیوانے تھے اور جو اکتساب علم کے لئے تکلیف و مصیبت برداشت کر کے دور دراز سفر کرتے تھے وہ مسلمان جو سیاست دان بھی تھے اور جنہوں نے وسط و دائر تک مختلف مذاہب پر نہایت کامیابی کے ساتھ حکومت کی وہ مسلمان جنہوں نے فن تعمیر میں بھی کمال حاصل کیا اور جن کی یادگاریں دنیا کے طول و عرض میں ایسی عمارتیں ہیں جن کی مثال نہیں مل سکتی۔ وہ مسلمان جنہوں نے سمندریں اور دریاؤں کے بے انتہا معامات کے باوجود جہاز رانی میں بے نظیر کمال حاصل کیا ان میں چند ایسے اولیائے کرام اور مشائخ عظام بھی تھے جنہوں نے اپنے خطاطی اور اپنی صلیب کی UNIVERSAL LOVE کی تیک تعلیم سے لوگوں کے دل کو وہ بیدار اور اسلام کی نشر و اشاعت کی خصوصاً ہندوستان میں اولیائے کرام نے اسلام پھیلانے میں بڑی مدد دی یہی لوگ اسلام کے علم بردار تھے جن کے افعال و اقوال سے ہمیں سبق حاصل کر کے ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

درمیں پکت ان کا مطابقت مسلمان قوم کی جد و جہد نے اپنے جتنی تمدنی

دور میں آئے ہیں یا ان کو سمجھنے کو عیسائیوں کے یہاں زلزلہ و شہرہائیں ہیں فرسین وقت کے لئے تاریخی مواد دہ کرتے ہیں اور دونوں کی مرئیت یہ ملکہ، نہایت آسانی سے ٹوٹ سکتا ہے شاہی کے متعلق ہونے ان کے نظریے میں آسان و زمین کا فرق ہے ان سب واقعات کے پیش نظر یہ سمجھا اور بہت بجا ہے کہ جہاں تک قوانین کے حقوق کا تعلق ہے ہم سب کو بہت کچھ سکھ سکتے ہیں اس سے کچھ سیکھ نہیں سکتے۔

## صداقت کی تلاش اور واداری

اسلام کے دوسرے اصولوں میں صداقت کی تلاش اور واداری تھا اہم ہیں یہ کہنا بہت بڑا ظلم ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں نے اسلام تعالیٰ کے دورے پھیلایا ہے اور ان میں واداری نام کو نہیں حقیقت ہے حقیقت اس کے برعکس ہے مسلمانوں کی ایک ہزار سال کی حکومت کے بعد بھی یہاں ہندو اکثریت میں ہیں اور مسلمان اقلیت میں۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے دارالسلطنت اور خاص خاص ترقی و سیاسی مراکز میں بھی ہندو بہت زیادہ ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمان طرز انداز کی مسلم پالیسی یہ تھی کہ ہندوستانی باشندوں کے مذہبی مسائل میں ہرگز مداخلت نہ کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہندو ہندوستان میں بہت زیادہ ہیں اگر وہ چاہتے تو ہندو مذہب کو صفحہ ہندوستان سے محو غلط کر دیتا مثلاً دیکھئے کہ گندھار مشرقی کے مسلمان بادشاہوں کے لئے یہ نامکن نہ تھا لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اسلام نے ان کو اپنی تعلیم نہیں دی تھی اگر وہ ایسا کرتا تو ان کا یہ فعل اسلامی رواداری کے خلاف ہوتا۔ ہسپانیہ میں بھی مسلمانوں نے صدیوں حکومت کی تعجب کی بات ہے کہ آج وہاں صرف عیسائی قوم آباد ہے اور صرف چند کھنڈر اور ٹپٹیل ہوئی عمارتیں جو امتداد زمانہ سے بچ گئی ہیں مسلمانوں کی عظمت و شوکت گذشتہ کی یاد دلاتی ہیں۔

اسلام میں کوئی ٹرینٹ کی کونسل (COUNCIL OF TRENT) نہیں جس کی وجہ سے اسے طاقت ہو۔ مذہب اسلام سے انکار کرنے کی صورت میں کو بھی کسی کو سزا دی گئی نہ ملا کہ جہاں مسلمان عام طور سے مذہبی معاملات میں مداخلت کرنا چاہتے ہیں نہ تھے۔ اسلام کی اشاعت و ترقی کے لئے بالکل مختلف مذاہب اختیار کئے گئے تھے۔

## اسلامی تعلیم اور اصول

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ وہ کون سے اسباب تھے جن کی وجہ سے دنیا کی مختلف

**اجمیر میں قوم**  
 نذیر محمد ایجنٹ سرنگر روڈ  
 عبدالغفور بک سیلر گڈری بازار  
 محمد ولی بک سیلر فیض احمد روڈ  
 یوفین منزل سے  
 آنے میں خسریدیتے

اور پختگی تہمین تمدن کو محفوظ رکھنے کی اس شاندار مہم کو مدد  
 ہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ ہندوستان میں ہم ایک مختلف اور علیحدہ قوم کی حیثیت  
 سے ہیں۔ یہاں کی دوسری قوموں سے ہمارا اتفاق و اتحاد نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ  
 یہاں اور مہجرت کے حالیہ فسادات، خانہ جنگی، قتل و غارتگری سے بھی یہی  
 ثابت ہوتا ہے۔ ہندوستان میں دوسرے گروہ ہے اور مسلمان دشمنی پر دوسرا  
 قومیں میں طرح اڑی ہوئی ہیں وہ انہیں انہیں ہے۔  
 لیکن اگر یہ سچ ہے کہ مسلمان اب جو بے خبر ہیں اس پر کسی کو شک نہیں ہو  
 سکتا کہ اگر ہم ہندوؤں کی مثال اور ان کے حلوں سے متغیر نہ کرنا اپنی انفرادیت  
 قائم نہ کر سکیں تو پاکستان کے مطالبہ کی جدوجہد کرنی پڑے گی ہو سکتا ہے  
 کہ رشتے میں بہت سی دشواریاں ہوں اور ہمارا سفر خطرناک اور صبر کا نام ہو  
 لیکن آخر میں ہماری کامیابی یقینی اور لازمی ہے۔

## ان دنوں

### آثر جیلی

شیرازہ حیات پریشاں ہے ان دنوں  
 ہر روز غیرت شب ہجراں ہے ان دنوں  
 افسانہ حیات کا عنوان ہے ان دنوں  
 وہ زیر بارِ خارِ مغیلاں ہے ان دنوں  
 مانوس کوہ و دہشت بیابان ہے ان دنوں  
 نا آشنائے سنبل و ریجاں ہے ان دنوں  
 اس پر گمانِ کلبہٴ احزاں ہے ان دنوں  
 وہ زیرِ مشقِ صحر و طوفاں ہے ان دنوں  
 جو جو رکھی ہے شاملِ اجلاں ہے ان دنوں  
 مداحِ اوجِ تختِ سلیمان ہے ان دنوں  
 مصروفِ شکوہ غمِ دوراں ہے ان دنوں

دل شکوہِ برجِ گردشِ دوراں ہے ان دنوں  
 ہر شبِ حریفِ طولِ قیامت ہے بالیقین  
 اک یاسِ بے نہایت واکِ رنجِ لے کنار  
 تھی جس پر کلِ نزاکتِ گلبرگِ تر گراں  
 وہ دل کہ صدرِ انجمنِ حن و عشق تھا  
 خلاقِ رنگ و نور کبھی تھی جو چشمِ شوق  
 وہ سینہ تھا جو مشرقِ خورشیدِ لازوال  
 بادِ بہارِ صبح جسے ناگوار تھی  
 مٹنے لگا ہے ذہن سے پندارِ برتری  
 اقلیمِ دو جہاں کو جو گردِ آستانہ تھا  
 کیا پوچھا ہے مشغلہٴ ہائے آثرِ ندیم!

# چلمن جو نیاں نک ہی ہیں چلمن

میں جھوم رہا ہوں تو جہاں جھوم رہا ہے  
میکہ علم واد او نخانہ شعر و شبا کے چھلکتے  
ہوتے  
چلمن  
گردش میں آگئے

ہر سہانہ۔ ادب و انشا کی شہاب نامیے لبیر ہے  
ہندوستان کے مشہور شاعر امیہ ناز ادیب حضرت  
مظہر القاسمی جی کا افسانوی مجموعہ کا ہر افسانہ نفسیات  
انسانی کا آئینہ۔ فن افسانہ نگاری کا شاہکار۔  
علم و ادب کا جواہر پارہ۔ ترتیب و تدوین کا اسلوب  
بیان کے اعتبار سے بے نظیر ہے۔ ان افسانوں میں زندگی  
ہے لطافت ہے۔ واقعیت پسندی ہے اور سماج کے  
دل کی دھڑکنیں ہیں۔ ماہر کی زبان اردو سے مٹھے کا دلپذیر  
نمونہ ہے۔ اس مجموعہ میں ماہر القادری کا افسانوی آرٹ  
پوری تکمیل کے ساتھ نظر آتا ہے۔ طباعت نظر نواز  
کتابت نظر فریب اور ترتیب نظر افروز ہے۔ کیا آپ  
کتب خانہ اب تک اس انمول ادبی تحفہ کو

محسوس ہے

قیمت

فی جلد دو روپے و عار

مٹنے کا پتہ

رفیق غازی سیالکوٹی کے افسانوی ادب کا شاہکار جبکہ  
ہر حرف سے جوانی۔ زندگی۔ فطرت۔ حسن ادا۔ نزاکت خیال  
ادبی لطافت اور پاکیزہ فن کاری کی پریاں بھانک رہی ہیں  
میں مشہور پبلشنگ ہاؤس کی تازہ ترین پیش کش ہے۔ ان  
افسانوں میں سماج پر گہری تنقید، زندگی کا نفسیاتی تجربہ اور  
فن افسانہ نگاری کی حقیقی تکمیل پہلو پہلو نظر آتی ہے۔ آئینہ  
ہیں مگر مسکراہٹوں کی ٹوکس و خزع رنگین مسکراہٹیں ہیں مگر  
آئینوں کے موتیوں سے لبریز یہ سلسلہ ۱۹۴۶ء کی یادگار

## افسانوی شاہکار

زندگی اور صداقت لبیر، کتابت  
معیاری طباعت نفیس اور خوش نما  
گرد و پوش  
مختص نظر اشاعت پر آنے والا ہے

قیمت

فی جلد دو روپے و عار

مشہور پبلشنگ ہاؤس اردو بازار دہلی

# سلوٹیں

## اشعر ملیح آبادی

تم لے پھر مجھ سے کیا ہے وہی بے ربط سوال  
 ”تم جب آتے ہو مے پاس۔ مجھے دیکھتے ہو  
 میں سمجھتی ہوں کہ خوش ہو گے۔ ہنسو گے شاید  
 تم مگر چپکے۔ فسر دہ سے نظر آتے ہو  
 سلوٹیں سوچ کی ڈالے ہو پشیمانی پر  
 میں سنوں۔!! مجھ کو بتاؤ کہ تمہیں غم کیا ہے؟

میری دنیا میں مسرت کی کرن بے معدم  
 بے بسی چار طرف سے مجھے جکڑے ہو ابھی  
 یہ مرے گردِ روایات کہن کے حلقے  
 یہ رسومات کی ہر بات میں بیڑھی چالیں  
 گردِ اوہام میں لپٹی ہوئی اندس دنیا  
 مجھ سے دیکھے نہیں جاتے یہ زمانے کے چلن  
 سوچتا ہوں کہ بدل جائے یہ فرسودہ نظام  
 اور اس رات کی تابندہ سحر سے پھوٹے  
 مسکراتی ہوئی ہستی ہوئی اک سرخ کرن

ہاں مری مونس و غمخوار! محبت کی آئیں!  
 بار بار تم نے کیا مجھ سے یہ بے ربط سوال  
 اور کچھ سوچ کے ہر بار میں خاموش رہا  
 اب سنو!! تم کو بتانا ہوں مجھے غم کیا ہے

آج تک میں نے کئی بار محبت کی ہے  
 نوجواں، پاک انگلیں مے دلیں بھی اٹھیں  
 آہ لیکن یہ زمانہ!۔ یہ زمانے کے خدا  
 سبے ہر بار مے عشق کو بدنام کیا  
 اور انجام!! وہی یاس۔ وہی تنہائی  
 اور اب شدتِ احساس سے ہونالہ لب

تم سے مل کر مجھے تسکین تو ہو جاتی ہے  
 پھر بھی میں سوچتا ہوں سوچتا رہتا ہوں ام  
 پھر نہ یہ پاک محبت کہیں رسوا ہو جائے  
 جس کا انجام جدائی ہو۔ فراموشی ہو  
 تم نہ افسردہ ہو! شکوہ نہیں مجھ کو تم سے  
 سلوٹیں ہیں مے ماتھے کی۔ تفکر کا نشا  
 آتشِ زیست کے بھجکے ہوئے شعلوں کا دھواں

# انتظار

## الطاف پرواز

آج کا دن بھی اسی طرح گزر جائے گا  
آج کے دن بھی سبھی کو نہیں آنا ہے  
آج بھی میرے مقدر کو ستم ڈھالے  
لذت درد کا شیرازہ بکھر جائے گا  
ایک منصوبہ خیالات میں مرجائے گا

پاٹ کر تیرہ خلاؤں کو چسلی آتی تھی  
اپنی آغوش کو کھولے ہوئے مانند نسیم  
سکراتی ہوئی بل کھاتی ہوئی میری ندیم  
خواب بن کر مے ماحول پہ چھا جاتی تھی  
شمع بن کر مے لمحات کو چمکاتی تھی

بارہا وقت کے جھونکوں نے بھائے ہیں چراغ  
بارہا ٹوٹتے دیکھے ہیں ستارے میں نے  
پائے ہیں سہریں آنکھ کے اشارہ میں نے  
جگمگایا ہے کئی بار مرا کج دماغ  
ہاں گزرا آج نہ پاؤں گا نسیمی کا سراغ

اُس کے حالات بدلتے ہوئے دیکھ کر تو نہیں  
کون سی صحت تازہ نے آگھیرا ہے  
اس کے احساس پہ چھایا ہوا اندھیرا ہے  
انطلاقات سنبھلتے ہوئے دیکھے تو نہیں  
تیرا سینہ سے نکلنے ہوئے دیکھے تو نہیں

سوچتا ہوں کہ بدل سکتی ہے تقدیر نظر  
پھر نسیمی مرے ماحول پہ چھا سکتی ہے  
روح، پھر کیت سترت کے سنا سکتی ہے  
شب کے پڑھوں مکات نکل آئے گی سحر  
یا ابھی دور رہے گا مری آمہوں سے اثر

(۶)

غیفے خاموش ہیں، افسردہ پڑھو لوں کی قطار  
آج کا دن بھی اسی طرح گزر جائے گا

صغر علی بی

# حشرات الارض

حضرت سے نہیں ملے گا وہ کوئی خدا کہتے ہیں اس لئے شاہ دین یا وزیر علی نامی مامون  
 جمہور دین گمراہ ہوا کوئی عجیب بات نہیں تھی اور کون جانے اس پورے مداری  
 نے جس کی مکر تھا بہت کے سبب روز بروز کمان کی طرح جھکتی جا رہی تھی اور  
 جس کے لیے بے مثیلے بال ہر وقت اس کی تیلی تیلی لہڑی تھوڑی گردن کو دھکا  
 رہتے تھے۔ یہی جمہور سے کی ذیل کی شخصیت کے گرد گھومتے ہی سہرے سپنوں کے  
 جال دہن لئے ہو گئے۔ پچھلے چھ سات ماہ سے پورے مداری نے تاشہ دکھا کر چھو  
 دیا تھا جس جہاں اس کی بیوی و جوان لڑکی اپنی ذیل سنبھال کر شہر میں بھڑکی  
 کے منہروں اور چادروں کے ڈنڈے کی مدد سے روپہ بنانے لگی جاتیں تو وہ اپنی  
 تارکک کو ٹھہری میں بیٹھ کر رسیاں بٹنے لگتا۔ اس کی آنکھوں سے ہر وقت گدا  
 گدا سا پانی رستا رہتا تھا اور ان میں سے ایک خواہہ اولاد کیفیت جھلکتی تھی۔  
 جیسے پنجاب کے سرسبز میدانوں کے سینکڑوں زمینیں خواب سٹ کر ان میں اُلپے ہوئے  
 اور وہ لڑکی جو جڑے ہوئے دریا کی طرح جوان ہو رہی تھی بچپن  
 میں چھوٹے چھوٹے چھوٹے دائرے اس کے چہرے پر بناوئے تھے اللہ کے گدا  
 بہ خون کی بھٹی لگی ہر جس جھلکتی لگی تھیں اور وہ چڑھ جاتے کیوں ابار اس کے سینے  
 سے جھلک جاتا تھا۔ اس کی دایں آنکھ ہمیشہ کھلا رہتی تھی سبھی شاید  
 چھوٹکی کی یاد رکھتی تھیں شام کو جب وہ جامع مسجد پر جمع میں تاشا دکھا کر فریاد  
 گردنی توایا سلام ہوتا کہ اس آنکھ میں ہزاروں چادروں انگڑائیاں لے کر بیدار ہو  
 ہیں تو گوں کاٹھ کاٹھ اس کے گرد جمع ہو جاتا جیسے وہ اس جلود کی زوہیں  
 اُٹھے ہوں جو پہلی مرتبہ اسے دیکھتے رہے تھے آنگہ دار رہی ہے۔ بے جا کہیں کی مگر  
 جڑے ہوئے گدا کو کون دیکھ سکتا ہے اس کے ڈھلکے ہوئے دوپٹے اور چشم  
 نیم ہانڈے کی بے دالے پہ گردن کے لئے تھے اور تگے والے تو اسے بھی غامضی  
 محسوس کرتے تھے حلقہ نما اپنے گولے کے لئے گھاس دانا لے کر بکے پڑے

اور خزاں مجھے وہ مکان چھوڑنا پڑا جیسے کوئی خودی پر مجبور ہو گیا  
 وہ ایک غامضی لڑکی تھی جس کے کھانے سے اور شایہ عریکے  
 نما سے بھی کہ اس کی وہاںوں پر لپٹی ہوئی پکٹی پکٹی سنٹل بھر بھری ہو کر  
 لگی جا رہی تھی اور دیواروں کے نیچے سینے کی سنٹل تو کر کرک کی ریت میں  
 رہی تھی اور اس کے نیچے سے ٹیڑھی تر مٹی اینٹوں نے دانت دکھائے شروع  
 کر دئے تھے۔ اینٹوں سے مٹی ہوئی تھی اپنی طویل ہم آغوشی سے اکٹا کر اب جدا ہو  
 جانا چاہتی تھی اور اینٹوں کے دانت روز بروز بڑھتے جا رہے تھے جیسے کسی فاقہ  
 کش کے سینے کا گوشت سوکھ کر پسلیاں اُسیر آئیں۔

عادت و منزلت تھی پہلی منزل میں اکثر تگے والے رہتے تھے اور انہوں  
 نے اپنی اکثریت کے بل بوتہ پر محض کو اپنے غلے مصلوں میں تبدیل کر لیا تھا۔  
 غزلی گوشے والی کو ٹھہری ایک پورے مداری نے کرایہ پر لے رکھی تھی وہ پنجاب  
 کے کئی گاؤں کا رہنے والا تھا اور اپنی بیوی و ایک جوان لڑکی اور ایک چھوٹے  
 لڑکے کے ساتھ دو سال سے اس کو ٹھہری میں رہا تھا۔ لڑکے کی عمر دس گیارہ  
 سال کے لگ بھگ ہوگی مصلے کے پٹے اسے جمہور کہتے تھے سماں باپنے کو کوئی  
 اچھا سا نام رکھا ہو گا۔ شاہ دین و وزیر علی یا کوئی اور ایسا ہی باوقار سا نام، مگر  
 نام تو انسان کے عزیز، پیشہ اور مصلے کے اعتبار سے بنتے مگر وہ رہتے ہیں تاش  
 کرنے سے سینکڑوں دلیے آدی مل جاتیں گے جو بچپن میں کھلوا تھے لیکن جب پڑھ  
 لکھ کر خیریت ملازم ہوئے تو حکیم اندرین احمد بن گئے اور وہ سکتا ہے کہاری بائی  
 چھٹنے والے یہ کرانہ چٹھا جا بے سٹھ لالہ لکھتے رہتے تھے جیسے وہ اب ایک  
 لکھتے سے کہتے ہوئے لکھوں روپیوں کی خوشی میں پیٹ کے عجم کو نہایت  
 فیاضانہ طور پر حاصلے چھ جا رہے ہیں۔ پچھلے دس سال پہلے کسی گاؤں  
 میں ایک بلی بلی دوکان پر بیٹھے ہوئے تھے کسی بلی بلی دکان پر

دھاری داور شیمین تہ بند ٹھہلی واسکٹھ وائش کا جو تہ خریدنا زیادہ ضروری سمجھنے لگا تھا اور پھر دو چار پیسے جہو دے کے لئے بھی اس کی حبیب سے بھل ہی ہلاتے تھے۔

مداری کی کوٹھڑی کے مین بار میں ایک اور کوٹھڑی تھی جس میں ایک فقیر رہتا تھا۔ بڑا باتونی، گستاخ اور تنک مزاج، وہ جھنگ کے کنگے کے کسی گاؤں کا رہنے والا تھا۔ گشت کی ایک رات کو جب چاند بادلوں سے آٹھ چھوٹی کیل رہا تھا اور جوار اور ہا جرب کے گھیتوں سے گھرے ہوئے گاؤں پر منہ کی پروں نے اپنے سینے پھیرے تھے تو جھنگ کے پھرے ہوئے باتنی نے پھیل کر اس گاؤں کے پاسیوں کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا تھا اس کی بیوی، بچے اور تمام ماٹا اس سہلاب کی ہلاکت آخری کی نذر ہو گئے تھے اور وہ خود رہتا رہتا ایک بد وقت سے اُلجھ گیا تھا اور کئی دن تک وہاں بھوکا پیاسا اُلجھا رہا تھا اور نہ غم نہ دھت کی کشتی نے آکر اس کی جان بچائی تھی وہ ایک بڑا زمیندار تھا اور اپنے گاؤں میں کسی کو بھیجے زمین کا مالک تھا گاؤں کے گتے سے بچی ہوئی کوئی گھاس کے لادے پاس بیٹھ کر وہ کسی بھی اپنی کہانی سنایا کرتا تھا چرس کے لیے لیے گھونٹے کر وہ دھوئیں کے بادلوں کو گھونٹنے لگتا جیسے دھن کے کہروں میں لپٹی ہوئی زندگی کے نہرے پسوں کو ایک بار پھر جھانک کر دیکھ لینا چاہتا ہو مگر مانگنے والے اس کی ڈانگیں میں کچھ زیادہ دھوپ سی نہیں لیتے تھے۔

ہو گا وہ بڑا زمیندار کسی زمانے میں اب تو سوا ایک فقیر تھا مداری کے برابر والی کوٹھڑی میں رہنے والا ایک فقیر جو دن بھر لوگ ریاں بناتا تھا اور شام کو کوٹھڑی پر لٹکی ہوئی جھولی، ٹھاکر بھدیک، مانگنے لگ جاتا تھا اور کیونکہ چرس چیتا تھا اس لئے مانگنے والے اسے شاد بھی کہتے ہیں کوئی خرچ نہیں سمجھتے تھے۔

عمارت کی اوپر والی منزل گویا ساج کا متوسط طبقہ تھا جیسے کہ کے مین سامنے والے کمرے میں وحید رہتا تھا ایک سسر تا پا اشتراکی بولچوں کی سال پہلے اس نے شاید میٹرک پاس کیا تھا یہ وہ زمانہ تھا جب لی۔ اے۔ پی۔ نوجوانوں نے تپلون کی بجائے دھوتیاں اور بالو بوشو کی بجائے بانا کی چلیں پہننا شروع کر دی تھیں کیونکہ مذمت کی جستجو میں کوتاہی سخت دیکھیں سڑکوں پر ادھر ادھر کا دروازہ پھرنے سے بچوں کے تھے گھس جاتے تھے اور اس نقصان عظیم کا مدار صرف بانا کی چلیں ہی کر سکتی تھیں اور دھوتیوں کے تپلون کی طرح ہتھیرے چوتھے موڈ آستری کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی صرف جا رہے کامٹا سوبکم اور کم ایک منہ تک ان کی دستا و نشان کو قائم رکھنے کے لئے کافی تھا اور یوں بھی پھولیں گیلیں کی چنگیوں پر بیٹھنے والے عورت اپنی تھیں ہی کہتی تھیں

جو جاوہر بنا سکے تھے اس میں اس سے زیادہ پاؤں پھیلا نا کہیں کچھ تھا وحید اسی زمانے کے ان مثالی نوجوانوں میں سے تھا جنہوں نے اپنی حوصلہ شکن بیوی سے خف آکر جوتوں پر لپٹ کر ناشرین کر دیا تھا اور خواہ مخواہ محکم کی توہم انی طرف منعطف کر لی تھی جب پٹل نے ہندوستان کے ان بیکاروں پر رحم کیا کہ لپٹ کر کوٹھڑی پر لپٹ کر تھکے تھے۔ آج کی بیکاری میں ملازم ہو گیا لیکن بیماری کے زمانے کی فاقہ سہیلوں سے جو گھرے ناسور اس کے دل و دماغ میں بڑھ گئے تھے ان کا منہ نہ ہونا انسان نہ تھا اور اسی زمانے سے اشتراک ادب میں اس کی دلچسپی بڑھتی چلی گئی تھی جسے آکر کارل مارکس نے اسے دھم خیال میں جکڑ لیا اور اشتراکیت کی جڑ و ایمان میں کر دی وہ عام اشتراکیوں کی طرح جو سٹیلا اور غنہ باتنی تھا وہ گفتگو کرتا تو ایسا محسوس ہوتا گویا ابھی تمام ٹکڑیوں کی گردنیں بکرا ہندو گار میں ڈبو رہے تھیں لیکن اس روز جب امپیریل سکریٹریٹ کے سامنے سکرٹوں کے ایک پاس جلسے میں چندال بکراؤں نے ایک ایک نمودار ہو کر نفرت اور بغاوت کی جلی جلی آہٹیں برتی لہروں کو اپنے روایتی تشدد کے سنگ گراں سے روک دینے کی کوشش کی تھی تو وحید کا جوش حساب کی طرح بیٹھ گیا تھا اور غصہ و سرکشی کی لپکتی ہوئی موجوں نے اس کے خون میں کچھ ایسی لہر کھلا دیں پیدا کر دی تھی کہ وہ بے تحاشہ ہمال کر حوض میں گر پڑا تھا یہ سارا وحید جو مقدمہ و تحریک کی دنیا ایک کٹر اشتراک تھا لیکن زندگی کی چنگا لڑتی ہوئی لہجوں کے درمیان بھس ایک کلک، ایک بے کس و محبوب کلک۔

اشتراک کے برابر والے کمرے میں ایک شاعر رہتا تھا اقبال اور بیگم کادامج ہی نہیں بلکہ عاشق جو کسی سرکاری پریس میں میکینک تھا اُس نے رسلے اور میکانکس خریدنے کی دھت تھی اور بعض اوقات تو بگھے اس پر رنگ آتا تھا کہ یہ شکاری روپے کمانے والا میکینک جس کی زندگی سے ایک ماں ایک دو بہنیں اور ایک آدھ بھائی مزدور جو تک کی طرح چمے ہوئے ہونگے، یورپی کے کسی دور افتادہ قصبے میں ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو راجا کے ڈاکے کا پتہ پکارتا تھا کہ بیٹھ جاتے ہوں گے کس طرح اپنے ادبی ذوق کو زندہ رکھنے پر مصروف ہو گیا کیوں اس نے خریدنے کی بجائے پلنے کی ادنیٰ مقرر خریدنے کو ترجیح نہیں دیتا کہ جب وہ صبح مردکی میں ٹھہرتا ہو اڈوٹی چ جائے تو اس کی گردن اور بطن ہوا کے سرد دھوکوں سے محفوظ رہیں لیکن اس کا خیال تھا کہ ادب و شوق کی لطافت کے بغیر زندگی بھر کے اسی ویران گنبد کی طرح ہے جو کسی شہر کی لٹکی ہوئی جلی جلی میٹھی ستر پر لہروں کی خند گیس گھنٹے کے مشابہ ہو اور جس میں بات کو خط بنگا دے کہ پریوں کی پریوں پر اہستہ گونجتی رہتی ہو وہ کہا کرتا تھا کہ گھنٹے گھنٹے

درم درم دیکھ کر یہاں پہنچا کہ یہاں اور ہم وہ تشدد سے کچھ بچنا نہیں  
 کوٹھڑی کے اندر ایک اور ایسے کوٹھڑی کی کوٹھڑی میں جہاں بڑوں  
 حشر و حشرات کے مشورہ سے غلبہ کمرے پر ہے اور اقبال وہ تو ایک  
 چنگا لٹکا ہوا ہے جو ہمارا کسی اور کوٹھڑی پر تھی سانس کے ہر بوسیدہ  
 اشیاء کے کوہ و آواز سے تھکتا ہے۔ اقبال کے شعر خون عیاں کے انکیشن میں  
 جو حقیقت اور صداقت کی مردہ رگوں میں حیات تازہ کی تخلیق کرتے ہیں شاعر  
 اکثر اسی جوش کے ساتھ اپنی حقیقت کا اظہار کیا کرتا تھا۔ ایک سرکاری پریس  
 میں کام کرنے والا ٹینک، جس کی زندگی سے محبت ہوئی چار پانچ جو کھیں۔ پونے کے  
 کسی سو را قنادہ قصبے میں ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو جرنل جانے والے کا انتظار  
 کیا کرتی تھیں۔

میرے کمرے کے بائیں جانب باہر والے مکان میں ایک دوکان کا  
 اپنے تین چار بچوں اور غصہ بورت میری کے ساتھ رہتا تھا۔ بڑا تھلا مری سا۔  
 ایک ہر صورت نہ کا خدا اس عمارت میں احمد کے بعد یہ دوکان ہر شاپرہ  
 سے دلچسپ خوش پوش آدمی تھا اس کے لباس کو دیکھ کر یہ اندازہ لگا نا مشکل  
 تھا کہ یہ ایک معمولی سا دوکاندار ہے ایک ایسی سڑی سی دکان کا مالک جس کی کل  
 سائنات سگریٹ کے چند ٹولے۔ دس بارہ بیڑوں کے بندلوں اور اسی  
 ذرا کے دو چار اور بیکاری چوروں سے زیادہ کچھ نہیں اور واقعہ یہی ہے کہ  
 وہ دکان تو بڑے نام ہی تھی۔ اس پیشہ تو دس تھاپڑی تھا۔ مالک کے محلے  
 ان تھے وہ مالک مکان اس کے گھر میں بیٹے ہوا کھیلتے رہتے تھے پہلے ہیں تو  
 مجھے یقین نہ آتا تھا کہ مالک مکان بھی اس دکان کے مکان میں اگر جواسی سکا ہے  
 وہ چھ خاصہ صاحب حیثیت آدمی تھا وہ اس کے چہرے سے ایک معلوم سا وقار  
 نکلتا تھا۔ ایک محنت سے کچھ دارمی اور مضبوطی جوئی پیشانی پر مجھوں کے  
 نشان، کوئی کہ نہ تھا تھا جس پر کھیلتا ہے لیکن جب میں نے اسے اکثر اس مکان  
 میں آتے جلتے دیکھا تو یقین کر لیا کہ وہ نہ تھا کی روایت تو یہاں تک تھی کہ یعقوب کے  
 گھر کا سا اشراف پر ایک مکان ہی جاتا ہے اور یہ بات تو تقریباً سب ہی کو معلوم تھی  
 کہ اس کی بیوی دیکھ بول میں ملازم ہے۔

جو بات کو حق پیچھے کے پہلے ہادی کی کوٹھڑی میں جا بیٹھا اور شاعر  
 اپنے کمرے میں اقبال کی کوئی غزل کوئی قطعوں گانے لگتا اور وحید میسر کے ساتھ  
 بیٹھ کر کیرٹس پارٹی کے کپڑے پہنتا تو کوہ و رود سے پڑھنا شروع کر دیتا  
 اور شاہ جی پریم کے دوسرے کے باروں میں ماحی کے کھڑے ہوئے خوبوں کو ڈھونڈتا  
 لگا تو میرے ذہن پر خیالات کے بے گے پرے پر رخی کرنے میں لگاتار میں منہ

میں نے سوچے گنا کچھ ایسی ہی جی سی سی بائیں، میں سوچا، میں میں بیٹھے  
 دے حشرات الارض، یہ تانے باندے، جو گالیاں کہتے ہیں اور جو کھیلتے ہیں یہ  
 شاہ جی جو کھریاں بنانا اور بیک مالک کے آگے پس جتا ہے تیرا ہر روز  
 محلی واسکٹ پن کر حشر پیچھے کے پہلے ہادی کی کوٹھڑی میں جا بیٹھا ہے اور ہادی  
 کی راکی گھٹکا لچانے کے منصوبے بارہ رہا ہے ہادی جو بیابان کے سرسبز میدانوں  
 کے خواب دیکھتا دیکھتا ایک روز اسی کوٹھڑی میں جاتے گا، اور ہادی کی لڑکی  
 جو ترسہ ہادی کی طرح جوان ہوئی جا رہی ہے ایک دس دس دن اس ننھے کے ساتھ،  
 نہیں جھگڑ جائے گی اور بھلا یہ کیا دو چار خواہ پیدا کر کہ ہندوستان کے  
 حشرات الارض کی تعداد بڑھا دیگی اگر میرے پاس کوئی ایسا جلد ہو کہ میں اسی  
 سبکے دلوں میں اس آرزو کی قندیل روشن کر دوں میں آرزو کے نئے میں شاعر  
 ہو کر دس کی قندیل نارنگی کا گلوٹ دیا تھا میں آرزو نے مین میں شاعر  
 پست جاپان کی توپوں کے دانت کئے کر دے تھے اور اسی آرزو کا شعلہ ان  
 حشرات الارض کے دلوں میں بھڑک اٹھے تو کیا ہو، لیکن ہادی کی روزی و شبی  
 لال بچوں کو دیکھ کر حشر میں گرنے کی بجائے انگریزوں کو کوہ و رود سے کچھ  
 ہندو ساگر میں ڈبو دیں کہ تانبے سے سنی سا خیال تھا اور مجھے حواچے آپ پر تھی  
 لے تھی، اتنے میں شاعر کوئی دوسری غزل چھوڑ دیتا۔ باگیسری کی طرز میں، ز  
 چھوٹے مجھے لندن میں بھی آداب جو فزری اور مجھے محسوس ہوئے لگتا جیسے  
 کسی نے اس پرانی اور بوسیدہ عمارت کو بوندپ کے کسی شہر میں اٹھارہ لکھ چلا  
 ہے اور میرے کھوکھلے سینے کے دلے فلیٹ پر شاہ جی بہترین سرچھا سوٹ  
 پہنے ہیں رہا ہے اور ہادی کی لڑکی اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھی پانا بوجھا رہی ہے  
 اور بوڑھا ہادی جیسے برتاؤ شاہ اپنی سٹڈی میں کسی شاہکار ڈرائنگ کا،  
 آخری منظر کھینچے میں تنہا ہوا اور پھر باہر سے چھوٹے کے کسی بچے کی چھ میسرے  
 سالوں میں گونجنے لگی ادا یہ ظہر خواب لوٹ جلتا۔

اور ایک روز جب میں آخری شوق دیکھ کر واپس آیا تو ہادی کی لڑکی شاعر  
 کے کمرے سے نکل کر جا رہی تھی مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے شاعر نے اقبال اور دیگر  
 کی گردنیں پکڑ کر ان کے سروں کو ایک دوسرے سے ٹکرا دیا ہے اور کارل مارکس  
 وحید کے کمرے کی کھڑکی سے جھانک کر کہہ رہا ہے اپنی ملکیت کو مناسب فائزوں  
 پر بیچ دینا کوئی جناہ نہیں، گناہ تو یہ ہے کہ مزدوریات کی چیزوں کا ذخیرہ کر کے  
 عوام کو قحط کی لہنت میں مبتلا کر دیا جائے اس لڑکی کے لئے تو سب ہی برا ہی  
 کیا تھا، کیا شاہ جی اور کیا شاعر، اچھا صرف وہ ہے جو مال کے لئے واسطی خریدے  
 نیچے کوٹھڑی میں شاید بوڑھا ہادی بڑا ہوا تھا، باپ جی جوان کیوں ہوتے ہو



نذیر بناری

## جاگے ہیں

مجھ دیکھو میری اس لرزتی ہوئی گردن کو دیکھو اس کمان کی طرح جھکی ہوئی  
کمر کو دیکھو اور سچرم جامہ دی ہیں بھلا تم ہی جاناؤ اس دہنگائی میں کیسے گمراہ  
ہو سکتے ہو ؟

اس واقعہ کے بعد تین چار روز تک میرے سر میں کچھ ہلکا ہلکا مادہ  
ہوتا رہا۔ خاصا عرصہ میں سے چھپنے لے کر اپنے وطن جہا گیا تھا۔ نوا پور سٹو مدار کی ،  
کوٹھڑی میں بیٹھا کرتا تھا اور اب تو شاہ جی نے بھی منوا کی رقابت کا دم پہنچا  
شروع کر دیا تھا لیکن کچھ دن گھسیٹا تانی کے بعد ان میں شاید سمجھوتہ سا ہو گیا تھا  
اسیادہ روز دوڑ جھنگی ہوئی جا رہی تھیں اور یعقوب نے اپنے تمام بازی کے  
کاڈہ باز کو کافی پھیلایا تھا اور اب مالک مکان کسی کسی ملاک کو بھی یعقوب  
کے مکان میں ملنے جلنے لگا تھا اور یعقوب کی بیوی اب بھی دن بھر گھر سے  
فانہا رہتی تھی۔

شاید اوار کا دن تھا میں اور وحید اپنے اپنے کھول کے سامنے بیٹھے  
دھوپ تپ رہے تھے کہ اچانک یعقوب کے زینے پر بھاری بھاری ٹکڑوں کی آواز  
سناائی دی اور چند ہی لمحوں میں تھا پیدا رورواز کے کواڑ تو ذکر مکان میں  
داخل ہو چکا تھا اور پھر دھوپ دھوپ دھوپ دھوپ جیسے کوئی سرگ کی کوڑا  
ہو۔ مارو پا جی کو، ہر اکھیندا ہے بدماش تجھے شرم نہیں آتی عجیب نے  
ماتے مجھے کو گندہ کر کھاسے مجھ جیسے کئے بندہ دکھایا ہو تو میں نام ٹھا کر نکھ  
نہیں ، پا جی ، بلے شرم ، تھا نیندا کی آواز پوری گرج کے ساتھ گونج رہی  
تھی مجھے کے بہت سے لوگ تاشہ و پیکھنے کے جیسے جو گئے تھے اور تھا نیندا  
کی ہر گالی کے ساتھ ایک ٹھوکر بھیج کر میں پیوست ہو رہی تھی اس کی باتیں  
آگے سوچ گئی تھی وہ رکھال پر آنکھوں کے نشان صاف دکھائی دے رہے تھے  
سپا ہیوں نے تین تانگے والوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دی تھیں اور  
پاس ہی مالک مکان ایک ادنیٰ شان اولیے کو کھڑا تھا ، دروازے کی دیوار کے قریب  
یعقوب کا بڑا ملاک کھڑا اس پر ہاتھ اور باقی تیوں کے ہتھوں بھوں رورہے تھے  
اور ان کی ماں دنگی ہوں میں ذلیل کیا کر رہی تھی۔ ان کانچے چوٹے روتے  
ہوئے بچوں سے بے خبر جنہیں وحید اپنے کمرے کے سامنے کھڑا ہوا بھی کبھی غور  
سے تک رہا تھا جیسے سوچ رہا ہو ، اگر نہ ہندوستان کو سمجھ کر چلے بھی جاتا  
تو کیا ہے ، ان کی ہیدلکی بدلتی سماج کو گھنٹے ملتے ابھی صدیاں چاہئیں  
اور وہ سوکے دن میں اس مکان کو جھوڑ کر مٹا دیا

پیا مجھے اس پار بک کر چلے گئے اس پار  
پریم کی مینھی مینھی اگنی ، آنسو کے نہ ٹوٹیں مار  
ان کے ٹوٹ میں گوندھ ہی ہوں پریت کا سندربار  
جاگ رہے ہیں چاند ستار نیند میں ہے سنسار  
آس نہ آئی اس کسی کو بچے تو آئی را اس  
پٹ کھول کے کبکے نین کے دیکھ رہی ہوں اس  
آنکھوں میں ایسے آس بسی ہے پھولوں میں جیسے باس  
جاگ رہے ہیں چاند ستار نیند میں ہے سنسار  
آدھی بازی جیتی ہے میری آدھی بازی مات  
آنیوالے آتیں نہ آتیں ان کے من کی بات  
پیارے پیتم پاس نہیں ہائے رو پہلی راست  
جاگ رہے ہیں چاند ستار نیند میں ہے سنسار  
ماتھے پر رکھ کر ہاتھ رورہی ہے ناری  
چوٹ رہی ہے بندی بھیک رہی ہے ساری  
من وہن آئے نہ اب تک ہائے نذیر اجساری  
جاگ رہے ہیں چاند ستار نیند میں ہے سنسار

جاوید لطیفی

# نفرت

کامنڈر امد باس — لباس ادنیٰ میں آپ ایسا لباس کسی کے بھی  
جسم پر نہیں دیکھیں گے، ایک عجیب و غریب پتلون، اس پر ایک شیر خانی  
ٹاکوٹ، نہ شیر خانی نہ کوٹ بلکہ کوئی اور چیز جس کا جٹک نام ہی نہیں لگا  
میں۔ اور اگر کوئی نام ہے تو وہ صرف دزدی یا پھنسے والے کو ہی معلوم  
ہے امد پری — ایک کالی چھوٹی سی ٹوپی جو پورے سر پر بندھی  
ہوئی ہوتی ہے، جسے کٹورا کہنا زیادہ اچھا ہو گا اور یہی کٹورا پارسیوں کا لٹکا  
بھی پہنتی ہیں۔ لیکن یہ کٹورا کالا نہیں بلکہ زرد اور گودہ کناری سے بنا ہوا  
ہوتا ہے جو کبھی کبھی لڑکیوں پر اچھا بھی ہوتا ہے جس طرح پارسی  
مرد یہ عورت ہوتا ہے اور جو غایاں اس کے جسم میں ہوتی ہیں۔ اسی طرح  
عورتوں میں بھی ہوتی ہیں اور نہ تو کسی کا بھی اچھا نہیں ہوتا لیکن وہ  
اچھی اس لئے معلوم ہوتی ہیں کہ وہ عورت ہوتی ہیں اور عورت .....  
— پورے ساریاں پہنتی ہیں نہایت عمدے پن سے، اس تو  
ہر پارسی ساری پہننے والی کو یہ مشورہ دوں گا کہ اگر وہ ساری ہی پہنا  
چاہتی ہے تو دکن کی برہمن لڑکیوں سے پہنا سیکھے، بہت ہی پارسی  
لڑکیاں فراک پہنتی ہیں، امریکن عورتوں جیسا، لیکن مجھے فراک باکس پند  
نہیں اس لئے کہ جس لڑکی کو میں فراک پہنے دیکھتا ہوں، اس میں کچھ کمی  
ضرور پاتا ہوں۔ — کی کپڑے کی — ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ  
فراک پہن کر اند بھی عیاں ہو گئی ہیں، فراک پر دو پٹہ کی کیپٹ ہر ہی طرح سے  
محسوس ہوتی ہے، بعض امریکن فلموں میں کسی دوشیزہ کو اگر ایک پٹلا پٹر بطور  
فیئر ٹیکے میں ڈال دیتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ایک بہت بڑی  
کمی کو کسی ... مٹا کر دیا تو کیا نہ — اور مجھے سب سے زیادہ  
نفرت لیباک ورنے پارسی مرد اور عورتوں سے ہے چاہے یہ نفرت کوئی بھی  
حیثیت یا اثر نہ رکھتی ہو لیکن یہ نفرت — ان خطوں میں ناگ

میں تو یہ سبھد بانہا کر جاتا ہے اب کچھ نو عسرت ہو گئی ہوگی اور  
اس کی وہ سناٹا اور سنجیدگی دور ہو چکی ہوگی لیکن جیسے دیکھا  
تو اس سے اند بھی نفرت ہو گئی پہلے ہی اس سے نفرت تھی لیکن اب  
جبکہ کم مدوں کی بھائی کو تین سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا تھا اور زمانہ کی  
ہولناکیوں کی طبیعت کو بھی کچھ بدل دیا تھا، میں نہیں چاہتا تھا کہ اس  
سے نفرت کا سلسلہ جاری رکھوں، بلکہ انہی کچھ خوشی ہو رہی تھی کہ دیکھیں  
اب کیا ہو رہا ہے، ہوتا ہے تین سال کے بعد مجھے دیکھ کر خوش ہوئی  
ہے یا نہیں، اگر وہ خوش ہو جائے اور وہ فبا جو اس لڑکی میں ہوتی  
دل کے کٹینوں پر آگیا تھا دھل جائے۔ اور وہ پردہ — کھنچاؤ  
اور ایک دو سرے سے آگے — ہے کا وہ جذبہ دور ہو جائے تو اچھا ہی ہو۔  
کم از کم اس سے دل ہی بہتا رہے گا — اور میرا دل  
بھی نرم ہو گیا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اس میں اور مجھ میں پھر سے بات  
چیت ہو جائے، بات کہنے میں ہوں تو کوئی دوا دھ نہیں تھی کہ نہ جانے  
کیوں ہم دونوں نے ہی خود بات کرنا بند کر دیا تھا۔

لیکن اب جو اس سے دیکھا تو اس سے اند بھی شدید نفرت پیدا ہو گئی۔  
صرف اسی سے ہی نہیں بلکہ ہر پارسی مرد عورت سے — ہوتا ہے  
مجھے دیکھی اس لئے ہو گئی تھی کہ بہت دن ہم دونوں ساتھ ساتھ رہے، ہم  
میں دوستی تھی وہ نہ کوئی اتنی خوبصورت تھی کہ اس سے محبت کی  
جانی اند عام طور پر میرے نزدیک ہر پارسی مرد اور عورت بد نما ہوتے  
ہیں، نہ مجھے ان کا ادب نہ اپنا پنہانہ اور نہ انکی شکل و صورت، جس  
پارسی کو دیکھو میٹھا نہ لگے، بے ڈول اور عجیب و غریب جسم کا مالک نظر آئے  
گا یا بہت ہی ڈبلا پٹلا، یا ایک دم فٹ بال، کسی کی ناک بڑی ہے تو  
کسی کی آنکھ کسی کا منہ بڑی گھٹلی ہے۔ تو کسی کا اتنا لبا جیسے گھوٹے

ہوئے مگر اگر کوئی دیکھے تو یہی سوچے کہ معلوم نہیں یہ عورت،  
کس سے من کر بات بھی کرتی ہے یا نہیں، پہلے سے ہمیشہ سیدھی اور  
ایکسا بارب کہ کوئی اس سے بحث کرنا چاہے بھی تو نہیں کر سکتا اور اگر  
بحث کرنے لگے تو اس کا انداز بھر نہیں کر سکتا۔ اور اگر اٹھار کی جرارت  
بھی کر لی تو اس سے کچھ نہیں پاسکتا۔ چنانچہ افغان ملک  
نہیں۔ چنانچہ میں نے بھی جب پہلی بار اسے دیکھا تو اس سے ملنے  
ملک کی خواہش نہیں ہوئی، میں معہ خالدین اور عبداللہ ہندوؤں کے  
ایسی جگہ تک پہنچا جہاں ہولے کا مکان تھا، بالکل پاس ہی۔  
چند دن انہیں قائم رہی اور پھر میرے چھوٹے بھائی سبھوں نے  
ہولے کے گھر جا کر کھینا کونا شروع کر دیا اور ہولے کا چھوٹا  
بھائی ریڈی اس کے گھر جانے لگا۔ ہولے اس وقت پر تھ  
جانی تھی ایک انگریزی اسکول میں اور میں اس وقت پڑھنے جا  
رہا تھا جب بھی اسکول کے دوست مکان پر تھے اور ہولے کے گھر  
تو ہولے کے گھر تھے، اور صرف ایک جوان لڑکی کو دیکھ کر ہی ہولے کہتے تھے  
وہ ہولے اتنی کچھ عین نہیں تھی اور اس کی متانت تو اتنی اور بھی۔ نا  
رکتی، یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہولے انہیں بھائی ہو۔ اکثر بار تو ایسا  
کہ میرے دوست مجھ سے ملنے کے بہانے ہولے کو دیکھتے تھے۔  
مجھ سے کہتے کہ گفت کو کیوں خاموش ہے تو تو بہت کچھ کر سکتا ہے۔

پتنگیں اڑانے کا موسم تھا۔ اور مجھے پتنگ اڑانے کا بہت شوق تھا۔ ہوائے کا چھوٹا بھائی بھی اسی شوق میں مبتلا تھا۔ کئی بار میں نے اس کی پتنگیں کاٹیں مگر ہر بار وہ مجھ سے ہی پتنگ لڑا۔ ہم دونوں قریب قریب سے ہی پتنگ اڑا کر کرتے تھے، جب بھی وہ میری پتنگ کا ٹھکانا تو خوشی کے مارے چلتا۔ ہوائے بھی صاف نہ سکڑتی اور میری طرف دیکھ کر پتہ چو جاتی۔

ایک دن آجھ پرست جھگڑے۔ وہ میرے اس شوق سے نفرت کرتے تھے۔ اتفاق سے انھوں نے میری پتلیں دیکھ کر میں ان کے خوف سے چند منہ دوں گئے پیچھے چھپا کر بکھتا تھا دیکھ لیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ ان کا بنیت کہیں حد۔ وقت پر سے چھل کر پیچھے گر گیا اور جب اسے کانٹے کے لئے انھوں نے منہ دوں سرکائے تو پتلیں اوندھانگے کی چسپائی دکھائی دی بس پھر کیا تھا۔۔۔ اسی وقت پتلیں پھاڑ ڈالیں اور گھروں میں سے ناپاک کر دی کہ نہ۔ وہ کبھی یہاں پتلیں نہ دیکھیں۔۔۔ اور بعد میں مجھے بھی ڈانٹا کہ بستر بنا ہوا ہے۔ ابھی تک پتلیں اڑتا پھرنا ہے۔۔۔ اس دن سے میں نے ریڈی کلواں دوسرے ناپاکی اوندھانگے، تانگے کی چرخیاں اور انجھا وغیرہ ایکے پاس رکھنے لگا۔ جبہ وقت ہوئی پتلیں وغیرہ اس سے منگوائیں اور پھر اس کے حوالے کر دیں۔ ایک دن ریڈی نہیں تھا اور مجھے پتلیں ضرورت تھی، میں فوراً اس کے مکان کی سیڑھی پر چڑھتا اور پھا پونچا اور اسے آواز دی اور پتلیں نے اگر مجھ سے کام پر چھا۔۔۔ میری اور اس کی پہلی ملاقات تھی۔ میں نے کہا کہ ریڈی اپنی پتلیں پھا رکھتا ہے۔ وہ مجھ کو بتا دیا کہ میں پتلیں اور چرخیاں لول مجھے اس وقت ضرورت سے۔ اور اس کے بعد میں روز اس مکان آنے جانے لگا۔

ہوتا ہے گا باپ نہایت خلیق اور پوش مزاج آدمی تھا، اس کا نام تھا سرسری۔۔۔ سرسری اپنے بچوں سے بہت محبت کرتا تھا۔ اس کی بیوی مرچلی تھی اور اس نے تھامے اور پٹی کی نگہداشت کی۔ لے ایک ملازم رکھ لی تھی جو گھر کے تمام کام کاج بھی کرتی تھی اسی ملازم کا شوہر بھی سرسری کے مکان میں ملازم تھا اور یہ دونوں ہنگامہ کے پچھلے حصہ میں ایک کٹھڑی میں رہتے تھے ان کے ساتھ انکی دو لڑکیاں اور ایک بچہ بھی تھا۔ سب سے بڑی لڑکی کا نام کوشلیا تھا اور سب سے کوشی کو تھی کہتے تھے۔ لڑکی سالوے رنگ کی تھی اور مجھے بہت پسند تھی اور اسے بھی مجھ سے باتیں کرنے میں بڑی خوشی محسوس ہوتی تھی اب میں ہوائے کے مکان پر تنگ اڑا کر آتا تھا اور ریڈی سائے کی چوٹی سنبھالے رہتا جب کبھی چنگا ہوا میں خوب اچھی اڑتی رہتی اور سائے کٹھڑی میں تو میں کوشی کو تنہا ہی دیر کے لئے جاتا بچہ اختیار اور وہ خوشی سے چنگا اڑاتی رہتی۔ لیکن ہوا سنبھالنے

سینا کے چمکے تہا کر سو دے آؤ یہ لویہ پتہ ——— اور ملازم کو کوشی کو بھی  
 دے ساتھ بازار سے گئی ——— ہر آئے نے خود ہی ہی دیر میں گئے گیم کے  
 دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں گیم کھا چکا تھا۔ میں نے کہا کہ بیٹھو اب کے نہیں  
 ہراؤں گا لیکن وہ جا کر صوفے پر بیٹھ گئی اور پھر کتنا میں پڑھنے لگی۔ مجھے اسے  
 ہر آئے کی فکر تھی۔ میں نے جا کر اس کی آنکھیں بند کر لیں۔ وہ کھڑی ہو گئی اور  
 پھر چانگ میں نے اسے اپنی آنکھیں پر ملا لیا۔ ——— وہ چہرہ ہی  
 میں نے دو واڑہ ہنہ کر دیا۔ ——— وہ چپ رہی۔ ——— اور پھر  
 سب کچھ ہو گیا۔ ..... اور پھر سب کچھ اس کو کوشی کے ساتھ بھی  
 ہو چکا تھا۔

دوسرے دن عجیب عالم تھا نہ میں ہوا سے نہ زمین سے نہ آسمان سے  
 اور نہ ہوا سے نہ زمین سے نہ آسمان سے نہ آسمان سے نہ زمین سے نہ آسمان سے  
 کئی بار وہ پلی میں کھڑا گیا۔ کئی بار میں ملا وہ الگ ہو گیا۔ نامعلوم  
 خود پر وہ مجھ سے نفرت کیے لگی اور میں اس سے غراہ غراہ کی نفرت نہ جانے  
 کیوں اس کے اندر میرے درمیان کئی پردے پڑ گئے۔ ایسے پردے کہ  
 جن کے آرا پانچویں دیکھتی تھی اور میں اسے اور ملنا نہیں چاہتا تھا کوئی  
 بھی اور نہ وہ پردے الگ بھی ہو سکتے تھے اور عجب تو اس پر ہے کہ ایسا  
 کوشی کے ساتھ نہیں ہوا نہ اس سے نفرت ہوئی اور نہ یہ جذبہ پیدا ہوا  
 کہ اس سے الگ رہا جائے۔ کچھ دن بعد حالات ایسے بدلے کہ میں  
 وہ شہر چھوڑ کر گھس اور چلا گیا۔

تین سال بعد اب میں جب پھر اسی جگہ آیا جہاں ہوا کے مکان تھا تو وہ  
 کچھ میں چاہتا تھا وہ نہیں ہوا۔ میں یہ جانے ہوتے تھا کہ اس وقت کے جہاں  
 اب ہوا کے میں کہاں ہونے لگے۔ لیکن جس طرح میں یہ چاہتا ہوں کہ میری اس  
 کی بات چیت ہو جائے وہ بھی چاہتی ہو وہ نہ ملنے جس طرح مجھے بدل دیتے  
 اسے بھی بد دیا ہوا اس کی وہ سنجیدگی اور مشقت وہ ہر کچھ میں مکان  
 میں دھن دھن تو ہر جگہ ہے۔ وہی تپاک، وہی فحشا، وہی بڑا خوش ہوا لیکن  
 جب ہوا کے میں تو اس کو دیکھتے ہی جیسے خیالات کے محل گر پڑے۔ ———  
 اس کی گود میں بچہ تھا اور چہرے پر وہی یالونی ڈیوہ ہلکے ہونے تھی۔  
 اور اب تو اس کے سر کوں کے پاس والی نیکریں ابھی بھی گہری ہو گئی تھیں۔  
 سنجیدگی میں ایک انوکھا تیار آگیا تھا مجھے بہت ناگوار معلوم ہوا اور وہ صاف  
 میں ایک اور دیر عرصہ کی عورت دکھائی دے رہی تھی۔ ——— اور مجھے  
 بکا یا عروس ہوا کہ اب مجھے نہیں اور اس میں کبھی میں نہیں ہو گا۔ کبھی نہیں

کبھی کسی شہر نہیں کی۔ میں نے ایک دن سے اس کا ذکر نہ ہر سنی اڑتی  
 ہوئی جنگ اس کے ہاتھ میں دیدی اور جب جنگ کے غرور کھایا تو بیچ کر  
 کھانے لگی۔ ——— یہ دور سے لویہ قدر نے تو مجھے درگ رہا ہے۔ ———  
 لیکن بے خوف اتنی تھی کہ ناگ سے نہیں چھوڑا اور چلتی رہی، میں مذاق  
 کر رہا تھا۔ اس لئے خود میں نے ہی نہیں، اس کی اس جراثیم پر سب ہنس  
 رہے تھے، کوشی بھی اور پڑی بھی اور میں بھی آخر جب اس کی آنکھوں میں  
 آنسو آئے اور جنگ ایک وقت ہر اٹھنا ہی چاہتی تھی تو میں نے اس کے  
 ہاتھ سے ڈولے کی روٹی پر اسے پڑانے لگا۔ ڈیر لوک، ڈیر لوک ———  
 جنگ اڑانے کے علاوہ ہم سب یعنی ہوا کے، کوشی، ریڈی  
 اور میں ٹوٹے چھپنے ہر کھیل بھی کھیل کر لے، جب کبھی کوشی چور بنی تو مجھے  
 ہی تو صوفائی اور ہوا کے چور بنی تو اگر میں نظر سے آتا تو وہ مجھ سے کرا  
 جاتی اور کدی اور کو جا کر چھو لیتی اور میں جب کبھی بھی چور بننا تو کوشی اور ہوا  
 سے سوا کسی اور کو نہیں چھوٹا تھا، یہ کھیل ہوا کے مکان پر ہی ہوتا تھا  
 اور جری اور جری تھی۔ ——— ایک دن میرے آنکھوں پر ریڈی نے ہر جری  
 کو کھانے پانی نہیں ہارے ساتھ کھیل کھیلنا یہاں گھر میں کون دیکھتا ہے۔  
 اور وہ ہنس کر چھری ہاتھ میں پھڑکے دوکان کی طرف چلے گئے یہ کہتے ہوئے  
 نرمی کھیلو بابا، ہمارا زمانہ کو گیا۔

اور اسی طرح کئی دن بیت گئے لیکن ہر ملے مجھ سے بے تکلف  
 نہیں ہوئی کہ میں سینا کے جایا کرتا، اس سے باتیں کیا کرتا، لیکن وہ اپنی  
 تانت چھوڑتی نظر نہیں آتی تھی۔ اس لئے یالوس ہو کر میں کوشی کی طرف متوجہ  
 ہوا کرتا تھا۔ ——— ایک دن ریڈی مجھے پڑ گیا کہ چلو کھیل دیکھنے۔ ———  
 ہمیشہ میں ریڈی سینا دیکھنے کی فرمائش کیا کرتا تھا اور ہر جری اسے میرے  
 حواس نہ کر دیا کرتے تھے کہ بے جا دیکھتی اسے کھیل دکھلا لائے۔ ——— اور  
 میں ریڈی کو اشارہ کر دیا کرتا تھا کہ ہوا کے کو بھی ساتھ لے لو، اگر وہ  
 انکار کر دیتی تو وہ خوب اس کا سر کھانا اور جنگ کرتا، یہاں تک کہ وہ چلنے  
 پھرنے ہی ہو جاتی لیکن اب جو ریڈی نے سینا کا کہنا تو میں نے بدایا میں نہیں آتا  
 لیکن کچھ کام ہے اور وہ ہر جری سے جو اپنے پاس ہی بھاڑوں کی کسی جنگ میں  
 فریاد نہ ہوتا تھا ہے تھے پوچھ کر لازم کو ساتھ لے کر سینا پنا گیا۔ ہوا کے کوئی  
 کہنا میں پڑ رہی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ ——— چلو کیم کھیل  
 کیا پڑ رہی ہو اس وقت۔ ——— اور نہ ہر جری دیکھتے ہوئے کیم کھیلنے  
 لاجب، ہر جری نے اپنی چھتری پہنچا دی اور ملازم کو کہا۔ ——— کہ ریڈی اسے



## سلمان الارشد فاروقی

سلسلہ ۷

# رقص

”اے تم کہ تمہاری یہ حالت پوشیدہ نہیں رہی اور اس نے اندازہ کر لیا کہ تم بھی اس کا حریف ہے اسی لئے اس نے یہ ضروری سمجھا کہ اس مسئلہ کو صاف کر لیا جائے اور یہ سمجھا کہ اس نے بظاہر بڑی لاپرواہی مگر نرمی سے پوچھا ”بھائی تم آخر بات کیا ہے؟ تم کیوں مجھے سمجھنے سے نظر اڑا رہے ہو؟“

”کچھ نہیں تمہارے گھبراتے ہوئے لہجہ میں جواب دیا۔

”نہیں نہیں کوئی ذکر کوئی بات تو ضرور ہے تمہاری اس فہرہ دگی اور خاموشی کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم بھی اپنے دل میں وہی جذبات رکھتے ہو جو میرے نہیں؟“

اور معلوم نہیں تمہارے کیسے یہ جواب دے دیا کہ ”تم غلط سمجھ رہے ہو سلم“

”تمہارے کہنے کے مطابق اگر میں غلط سمجھ رہا ہوں اور خدا کرے میرے لیے خلک غلط ہی ہوں تو بھی تمہاری یہ خاموشی اور فہرہ دگی اس بات کی غمازی کر رہی ہے کہ تم کسی شخص میں مبتلا ہو“

”انجمن نہیں سلم بھائی میں تو صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ تم اپنے اس ارادے میں کامیاب کیسے ہو گے؟ کیونکہ ہمارے خاندان میں آج تک کی بیوہ لڑکی کی شادی نہیں ہوئی اور آج بھی افراد خاندان یہ کہہ کر خاندان کی ہمتی اور عظمت کا دھندلہ رہتے ہیں کہ ہمارے یہاں کی لڑکی عمر میں صرف ایک مرد سامنے بکھیتی ہے خواہ اسے بیوگی کی زندگی دور و گرد زنا پر سے یا عبادت کر کے پس خاندانی نقطہ نظر سے جب یہ ایک مہیوبہ فعل ہے تو خال اور خالو آبا اس کو کئی صورت سے بھی جائز نہیں رکھیں گے وہ جان دے دینگے مگر یہ بھی نہ ہونے دیں گے اس کے علاوہ میرا یہ بھی خیال ہے کہ خود دل آرا بھی اب اس کے لئے تیلہ نہ چوگی کیونکہ وہ آج تک میرے روم کی پرستار ہے“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو تمہاری یہ سب کچھ سمجھتا ہوں مگر تم ہی بتاؤ کہ کیوں قالوں ہے کہ ایک نوجوان لڑکی کے جذبات کا اظہار ٹھنڈا دیا جائے اس کی پوری زندگی تباہ کر دیتی جاے عرف خاندان کے مصنوعی اور کھوٹے وقار کی خاطر جب اسلام نے بیوہ کی شادی کو مستحسن قرار دیا ہے تو ان بڑوں کو بھی کب حاصل ہے کہ وہ اسلام کے اصولوں میں ٹھیک پیدا کریں مستحسن فعل کو مہیوبہ نہیں یہ صرف مذہب ہی کی توہین ہے بلکہ خدا کے احکامات کو بھی ایک قسم کا چیلنج ہے دیکھ کہ دل آرا اس کے لئے تیار نہ ہوئی یہ ماننے لگے ہیں آمادہ نہیں ہوں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی خاندان کے ملکہ قوانین سے خوف زدہ ہو کر اس کی ہمت نہ کرے مگر میں اس میں ہمت پیداکرنے کی کوشش نہ ونگا اور اس کی اس خلاقیت پر ہمت کو بیدار کرنے کی کوشش کروں گا جو ایک لڑکی میں موجود تو ہوتی ہے مگر وہ غلامانہ کی وجہ سے اس کا کبھی استعمال نہیں کرتی اس کے علاوہ میرا یہ بھی انداز ہے کہ دل آرا عام لڑکیوں کے مقابلہ میں زیادہ ذکی اچھی ہے مجھے یقین ہے کہ چند دن کی محنت سے بعد تم ذہنی حیثیت سے ایک دوسرے کے بہت قریب ہو جائیگے اور پھر خاندان کے اس مصنوعی و تمار کے محل کو دھانا ہمارے لئے کوئی زیادہ مشکل کام نہ ہو گا“

”لیکن سلم! وہ میری پیش آج جی اسی طرح کر رہی ہے جیسی اس کی زندگی میں کرتی تھی“

”اوہ! یہ کوئی بات نہیں تم - ہندوستان ایک مذہب پرست ملک ہے یہاں ہمیشہ مرنے کے بعد انسان کی پوجا کی جاتی ہے مگر صرف چند دنوں چنانچہ ہمارے خاندانوں میں بھی یہ مردہ پڑتی ایک روحانی طرح رائج ہے لیکن حقیقت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں غلامانے سہارے وہوں کو نادت کر کے رکھ دیا ہے

ہم میں سے سوچنے اور سمجھنے کی تقریباً تمام صلاحیتیں مفقود ہو چکی ہیں ہماری زندگی ان تین کی عادی ہو چکی ہے جس سے کچھ لکڑی کی آگ کی اتنی فیصد فی حیوانیت تو بطور فیشن کے اپنے لکڑی ہروں سے محبت کرتی ہیں۔ لکڑیوں ہوں زمانہ بدنام جا رہا ہے لکڑیات و احساسات میں کبھی تبدیلی ہو لگا جا رہی ہے زندگی کی مدد میں تیزی سے بدل رہی ہیں پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ہماری معاشرت یا اس کا اثر نہ پہنچاؤ ہمارے فائدہ ان ہی میر شوری طور پر بدل رہے ہیں مگر یہ روایات کی قدامت سے متاثر ہو کر ابھی ہم اسے غامضانہ ایک دم سے ان کے دل کو ختم کرنے کی ہمت نہیں پاتے لیکن کسی دل کش حادثہ میں انقلاب کے بہشتیہ اب جا رہی ہیں، غامضانوں کے وہ پانچ فیصدی بزرگ جو حالات سے متاثر ہونے کے باوجود قدیم رسم و رواج میں تبدیلی پسند نہیں کرتے اس مال حرم صوفیہ کے ان کو اندیشہ ہے کہ اس معاشرتی انقلاب سے ان کا غامضانی جو دھرا مٹ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی اور ان کا کوئی اقتدار باقی نہیں رہے گا۔ پس دل آرا کی تشریح بھی ایک آئی تم کا سوال ہے؟ ان جو دھری ختم کے لوگوں کو خوش کرنے کی خاطر چلنے پر مجبور ہوئی۔ ہمارے یقین ہو جائے کہ پورے غلام سے کوئی اسے پریشان نہ کرے تو کچھ باغیہ سوانح فوارہ ختم ہو جائے گا لیکن جب تک وہ تاج میں شیت و تاج پہن کر رہے ہیں اس وقت تک وہ برابر اپنے آپ کو فریب میں مبتلا رہیں گے جو ہماری پوری زندگی ان کی غرضی محبت کے سہارے بنا رہے۔

”اسلم“ میں یہ بھی تسلیم کروں کہ تم دل آرا کی توجہ اپنی طرف منطقت کرنے میں سہا بہا ہو جاؤ گے مگر یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ تم خالہ اور خالو کو اس پر کیسے آمادہ کر سکو گے۔ جبکہ خالہ ماں اس فکر میں ہیں کہ خوراک کو تھرا دی زندگی کو سہارا دینا دیا جائے۔

”یہ مسئلہ ہے تو ذرا یہ اٹھا کر میں اس کا بھی حل سوچ چکا ہوں کہ ان پر وہ بڑوں کے انکار کی صورت میں دل آرا کو لے کر میں شاہجہان پور چلا جاؤں گا اور وہاں خاموشی سے اس کے حکم کی تعمیل ہو جائے گی جو دو زندگیوں کو ایک ساتھ زندگی کی اجازت دے سکتا ہے۔“

الحکمے ان جملوں کو سن کر قہر چکر گیا۔ مگر اس نے جلد ہی اپنے رونا درست کر کے آخری لفظ کہا۔

”کیا میں اچھا انسان اور مافی جان تو کسی قیمت پر بھی اس کے لئے تیار نہیں ہوں گے؟“

”تم تو تم بھول رہے ہو ان کی غلطی سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا خدا کا حکم ہے کہ میری جیکش کافی کامیاب ہے اور میں اپنے ماں باپ کا

حق سنا کر سنا چکی ہوں سو اب یہ کہاں باپ بیٹے کے لئے چوری جائیں گے یہ مسئلہ ناممکن ہے کہ ماں باپ پھر ماں باپ بن جائیں ہیں ایک دو سال گذرے کہ بعد ان کے خون ضرور خش مارے گا۔ اور قیامت میں وہ نہ صرف مجھے ہی سنا سنا کر لیں گے بلکہ اپنی سے بھی محبت کرنے پر مجبور ہوں ایش کے کیونکہ میں وہ لو جو ان پر لکڑی اور خیر خدا ہونے کی صورتوں سے شادی کر رہے ہیں ان کے مال باپ کی تو پھر سوچ کر ان کو معاف کر دیتے ہیں کہ

اور مجھ کو گپہ ہونا تھا وہ تو ہو چکا

پھر دل آرا تو میرے والد کی سبائگی کیسے کیا ان کو اس نہیں آئے گا اپنی بہن کی لڑکی پر بلکہ وہ تو یہ کہہ کر اپنے دل کو سمجھائے کہ اسلم کی غلطی ہو گئی مگر کوئی ایسی غلطی نہیں کی جو اسے معاف نہ کیا جائے اگر کسی دوسری یا بازاری عورت سے نکاح کر لیتا تو ہم اس کا کیا بھالیتے؟

”میں اسے بھی ملنے لیتا ہوں لیکن دل آرا کے مال باپ تو اس پر غلطی نہیں کئے بعد اس کا منہ ہرگز ہرگز نہیں دیکھیں گے اب کی فکر نہ اپنی رائے یہ حال کی کبھی رگ کو چھڑو یا تھا مگر اسلم نے اسی سنجیدگی سے کہا۔

”وہ نہیں یہ بھی ناممکن ہے جب میرے والد اور والدہ کی غلطی کی وجہ سے تو وہ خود ہم دونوں کو یہاں لاکر پھوپھی اور پوپھا جان کے قدموں پر گر کر بیٹھیں۔“

”سنا کر دیکھتے کیسے ہے ہیں اور غلطی بچوں ہی سے تو ہوئی ہے۔ اور پھر ماں جلدی سے کہیں گی کہ بہن اسلم کو کچھ پسند سے تو نے مکی ہوا اس کی مصلیٰ ماں تو تم ہی ہو تمہارا دل چاہے تو اپنے رے کا فقور سنا کر دو۔ رگہ کو لے آ اب وہ میری بیٹی ہے اس لئے میری خاطر اس کا یہ نہا خوشہ دو ٹکڑے منہ دے دے۔“

حبیب کا اور آبا نوراً اماں کی بات سناتے ہوئے پوپھا جان سے مخی طلب ہوئے۔

بھائی صاحب اگر آپ ان دونوں سے ایسا ملے تو ان میں تو ان کی غلطی کی میں معافی مانگتا ہوں خدا رسول کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ ان کو ملے کیجئے۔ دیکھئے میری اس سفید ڈاڑھی کا خیال کیجئے۔

اور اور حرم دونوں مشترکہ طور پر ان کے قدموں میں سر رکھ کے پڑے ہوں گے۔

”اُدھر پوپھا جان، بابا کی سفید ڈاڑھی کے خیال سے ٹکرائش ادا دیں یہ کہہ کر ہم دونوں کو اٹھا کر سٹے سے نکال دینے کو

”میں تو قسم کھا چکا تھا کہ تم دونوں کی عمر بھر صورت نہیں دیکھوں گا مگر بھائی میاں ہٹے ہو کہ مرزت تم دو لڑکی کی خاطر ہر دم مجھے سے معافی مانگ رہے ہیں اور ان کا حکم میں نہیں مانا سکتا ورنہ میری

کئی بھی اجازت نہ دیتی کہ تم وہ دونوں میرے جنازے پر آؤ گے

میرا بھائی بھی جانتا تھا کہ وہ دونوں کو اپنے سے پہنچا کر فرمائیں گی۔  
"اب یہ تم مجھ سے تو کہتے کیا میں انکار کر دیتی ہوں تو تم  
اس لئے غلط فہمی کہ جو کام ہلکے کرنے کا تھا وہ تم،  
دونوں نے ہم دونوں کی موجودگی میں خود ہی کر لیا۔ تم  
دونوں کو کیا معلوم کہ ان دو سالوں میں کوئی دن ایسا  
نہیں گیا جو میں تنہائی میں تم دونوں کے لئے نہ دینی  
ہوں اور خود مشید جن آرا کی شادی میں تو تم کے  
اے میری بچکیاں بندہ کہیں مگر ان بچکے خوف  
سے کبھی زبان پر ایک حرف نہیں لائی خود خورشید  
اور حسن اور اچیشہ تنہا اے لئے کڑا صحتی رہیں مگر  
پہلے کے ڈر کے مارے تیرا جاریاں خط تک لکھنے کی،  
بھرتی کر لیں۔"

یہ لکھا تم اس طرح مسکراتے تھے جیسے واقعی یہ سب کچھ آئندہ ہوگا  
اور تم نے انگوٹوں کے ساتھ اسلم کے یہ الفاظ سننے کی متحرک تصاویر کی طرح  
بھرتی گئے۔

"مگر بھئی اور کچھ اسلم نے بدستور سہا کرتے ہوئے سوال کیا۔  
"خدا تمہاری مدد کرے" قرآن روزی ہوئی آواز میں بہت پرک  
جواب دیا۔

"آمین!" اسلم نے اس تعین کے ساتھ کہا جیسے کلاس کا پیرا گرام بھی  
کلاس کے دوچار نہیں ہو سکتا مگر قرآن لفظ آمین اپنے دل میں تیری طرح پڑتا  
ہو جاتا ہر انگوٹوں ہوا۔

قرآن اسلم کے عواظ میں گرا کر گناہ گیا اس تعین ہو گیا تھا کہ اسلم کو کچھ کہ  
رہے وہ نہ پانی ہی نہیں بلکہ نعلی طور پر ہی اس کے کہے کھانا تھا کہ اسلم کی صورت  
میں اس کا کسی جھانپتی نظر آئی متعین کا اس چہرہ اس کی نظروں میں چھ  
تھا کچھ دیر کے توقف کے بعد اس نے راہ کر لیا کہ وہ دل آرا کو کم از کم اپنے ولی جیتا  
سے آگاہ کرے بغیر کسی لاک لپیٹ کے تاکہ اسے معلوم ہو سکے کہ دل آرا اپنے دل  
میں اس کے لئے کیا جذبات رکھتی ہے کیا اس کا معلوم دل اس کی محبت کی مصوم  
کرنے سے منسوب ہوا وہ بھی لکھ اس احساس نے قلمی بیگانہ ہے کیونکہ دل آرا کی

سبب غصہ کی وجہ سے وہ اس کے متعلق اس کی تک کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکا  
تھا بعض اوقات تو اسے یہ دھوکا دہنے لگتا تھا کہ دل آرا اس سے دانا  
محبت کرتی ہے مگر گھٹ گھٹ کر ہر چند میں گھٹے بعد وہ دل آرا کے فیراوری،  
افعال سے یہ تیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہو جاتا کہ اس کے دل میں اس کے لئے کوئی  
گنجائش نہیں ہے وہ ایک وہ کم بات سے متاثر ہوئے بغیر اس کی خاموش پیش  
کئے جا رہا تھا مگر اب اس کے لئے، جاننا ضروری ہو گیا تھا۔ اور اس کے جب  
شام کو اسلم تفریح کو جانے لگا اس نے دوسرا کہا کہ کہنے کے لئے میں چناہ  
لے لی۔ بڑی دیکھ وہ سوچتا رہا کہ دل آرا  
کس طرح بلائے مگر آخر آخری سے اس وقت کسی کام سے اس کے کہنے کے لئے  
سنگدزی اور اس نے موت کے اسے بلا ہی لیا گو دل آرا کو قہر کے آواز دینے پر مجبور  
ضرور ہوا مگر اس کے باوجود وہ اس کے پاس جانے سے انکار نہ کر سکی۔

قرآن بھرا ہوا مرد بچکر لڑتے ہوئے ہونٹوں سے یہ الفاظ کہا۔  
"دل آرا آج میرا زندگی کے اس فاکٹور میں داخل ہو گیا ہوں جس سے کچھ  
کبھی خیال بھی نہ تھا آرا دو معانی دل کے ہاتھوں ایک دوسرے کے حریف بن گئے  
میں اسلم کی پاس روپے، پیسے کے علاوہ ہمت بھرتے اس کے پروگرام اس قدر  
بلند ہیں کہ میں ان کو خواب میں بھی سوچا سکتا۔ نہ میرے پاس اس قدر  
روپے ہیں کہ میں اس کے ہاتھوں پر کچھ بات کا ادا ہو سکی کہ اس کے ساتھ ساتھ  
آج مجھے اس کا بھی احساس ہو رہا ہے۔ اس میں نظر آتا بڑوں میں دل کی بات،  
اسلم کی طرح زبان پر نہیں آتا کہ اس کو اپنے ہونے آئی صرف چند گھنٹے گذرے۔  
میں گوارا اس نے مجھے معاف کرے بتاؤ کہ وہ جہاں حصوں کے لئے تاب ہے  
اور میں باوجود خوش کے اسلم تو کجا کہ نہ کسی یہ جاننا صاف نہیں کہ اس کی سیری  
زیست کا اسلی مقصد ہے۔ یہ تو میں نہیں جانتا کہ اسلم تم سے کیا لگتا کہ اس کے گریہ  
اور شہ نہ رہے کہ تم اس سے متاثر ہو جاؤ گی ممکن ہے میں یہ خیال آئی ہی نہ لی کہ  
جناہ قائم کر لیا جو جس کا ہے۔ آج اس میں ہوتا ہے اسلم، پاس دو ہونے اس کے  
عواظ، اس لئے بلند ہیں کہ اپنی دولت کے بن بوتے پہ وہ فیذاہ اب کچھ ہونا سکتا  
ہے اور اس لئے وہ میرے ساتھ آج جا رہا اس کا ادا کر رہا ہے وہ تمہاری  
خدا ساری دنیا سے لے کر اس کے آواز ہے مگر میں اس اند میں اتھانی تھا بلکہ  
میں سو سناہیں سے جہاں نہیں آسکتا کیونکہ میں دنیا، روینا والوں سے کو تاثر  
میرے مفاد عواظ اسلم ہی سہا رہے ہوتے نہیں ہو سکتے۔  
ہاں یہ ضرور کہتا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے معلوم نہیں یہ وہ لونا جہاں ہے۔  
جو مجھے یہاں روکے ہوئے ہیں اپنی پوری کوششیں صرف کر رہے کہ تیرا کچھ



اچھا تو پھر یہی بنا دو کہ کیا تم مجھ کو پسند کرتی ہو؟  
اور دل آواز نے بھی بچی بچی آواز میں جواب دیا کہ آپ کو میں یقیناً پسند  
کرتی ہوں کیونکہ ————— ایک ایک دل آواز نے کچھ دیر رکتے  
کے بعد ہٹلا کے ہنسنے کہا —————

کیونکہ آپ میری عزیز ترین بہن کے ہونے والے شوہر ہیں۔  
قمر کے کانوں میں ایسی کسی نے سب سے گہرا ڈال دیا ہو۔

————— مگر میں تم کو بتانا چاہتا ہوں کہ تمہارا یہ خیال غلط ہے  
میں زندگی کی آخری سانس تک حسن آواز سے شادی نہیں کروں گا کیونکہ میں  
تم سے الہام محبت کرتا ہوں۔ ————— میرے لئے حسن آواز کی حیثیت صرف  
ایک بہن کی ہے۔ اور بہن بھی بیوی نہیں بن سکتی ————— اور قمر کا  
جملہ کھل جانے سے پہلے ہی دل آواز کو حسن آواز کی طرف متوجہ آواز سنائی دی۔

”چھوٹی آپا ماں آپ کو بلا رہی ہیں“

حسن آواز کی آواز میں رنجش نہ تھا بلکہ اس کے ہاتھ پر میری بری  
طرح سے کانپ رہے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ بری دیر سے کھڑی ان  
دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔ ————— دل آواز جو اس کے عالم میں  
بیٹھ کچھ کہنے لگی تھی اور حسن آواز نے قمر کے پاس روکی چند لمحوں کے سکوت کے  
بعد ایک حسن آواز نے قمر سے کہا۔

قمر صاحب سنئے۔ ————— حور سے سنئے ہیں آپ سے نفرت کرتی ہوں۔  
شدید نفرت۔ ————— اب اگر آپ چاہیں بھی تو میری زندگی کی آخری سانس تک یہ  
دشمنی نہیں ہو سکتا اور یہ کہہ کر وہ نیزی سے بھاگ گئی۔  
————— قمر حسن آواز کی اس جرئت پر ہونچکا ہو گیا۔

————— اور

اچانک اس کے ذہن میں بچپن کا وہ واقعہ گھوم آیا جب ایک نرمی سنا  
نے لاشی کہا کہ مارنے والے پر اس نیزی نے جھکیا تھا کہ باوجود کوشش کے وہ اس  
کی زد سے نہ بچ سکا اور چند ہی منٹ بعد سانپ آواز کا مارنے والا ایک ساتھی  
لٹھڑے ہو گئے۔ اس وقت اسے حسن آواز بھی اسی نرمی سانپ کی طرح نظر آ رہی  
تھی جس کا دل قمر کے جلوں سے اسی طرح ٹوٹ گیا تھا جیسے سانپ کی کمر لاشی  
کی ضرب سے ————— اور وہ گھبرا گیا اس

خیال سے کہ اگر کہیں حسن آواز نے اتفاقاً حال سے اس کی وہ تمام نفرت کو دہرا دی  
جو اس کے اور دل آواز کے مابین ہوئی تھی تو اس کا کیا خسر ہو گا۔ ————— بھیا اٹھ بیٹھا  
مناظر اس کے ارد گرد منڈلانے لگے اس روح فرسا تصور ہی سے اسے وہ ہشت

کے نقوش کو اپنے دل سے حرف غلطی طرح مٹا دوں مگر مجھے ہر خوشی کے بعد یہ  
محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ نقوش ان مٹے ہیں ان کا مٹنا میرے بس کی بات  
نہیں ہے میں منیر و حور کی جگہ منور لیتا چاہتا ہوں مگر تمہاری مدد کے علاوہ میری  
یہ بھی خواہش ہے کہ دنیا والے بھی اس کی منافقت ذکر کریں۔ ————— اور غلام جان کے  
چہروں پر بھی بشارتیں اور امانت ہو اس کے علاوہ یہ یہ بھی نہیں دیکھ سکتا کہ میرے  
ماں باپ کے زور و چہرہ کی کچھ بیویوں میں غمخوار یا اندوگ کی لگا۔ ————— یہ نمایاں ہوں۔  
اور کیسے ممکن ہے کہ یہ میں خود نہیں مانتا بسن تمہارے بغیر میں پن زندگی میں  
ایک خاص کی محسوس کروں گا میں خود کوئی دیر و فتنہ نہیں سمجھتا۔ ————— مدد سے جنت  
ہے مگر تمہارے بغیر ایک مسلسل غمش کا نام زندگی ہو گا۔ ————— وہیں نہیں سمجھ سکتا کہ  
زندگی کے ان گنت مصائب کے ہوتے ہوئے یہ کیا روایت کیسے بدداشت کر سکتا  
دل آواز نے ہنسنا بلکہ مشق کرنا نہیں اتنا دیر سے یہ اس لیے میں الفاظ ہیں جو میں  
تم کو ان کے ذریعہ سے محبت کا یقین دلا سکوں اگر تم یہ چاہتی ہو کہ میں الفاظ کے  
ذریعہ سے محبت کی خیالی سنت کا نقشہ کھینچ دوں تو میرے اکتان سے باہر ہے  
تم اس سلسلہ میں مجھے باگ ————— مجبور و محدود سمجھ لو البتہ مسلم ایسا کہ سدا ہے۔ —  
خوش نصیب مسلم ————— جس کی محبت کی خاموش چٹکار یوں نے چپکا چپکے تر  
کرنے کے بجائے بڑی عاجزی سے تمہارے دل کی گہرائیوں میں بھڑکنے شروع کر دیا ہو  
————— دل آواز اب ملک باگل نامہ میں گم سم کھڑی تھی مدد کے اس بند پر وہ  
چونک گئی اسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے بڑے زور سے اس کے چنگی لے لی ہو  
اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو قمر کی آنکھوں سے آنسو برہے تھے اور دل آواز کو محسوس  
ہوا کہ جیسے یہ جگہ غلام و صداقت میں سموئے ہوئے ہیں اور آنسوؤں کی تہ  
چڑھانے کے بعد پھر ان کو اس کے حضور میں پیش کیا آیا ہے۔ ————— وہی لے اچانک اس  
کی زبان سے نکل گیا۔

آپ رو رہے ہیں؟

”نہیں دل آواز نے اور آنسو بہانے میں فرق ہے میں صرف آنسو بہا  
رہا ہوں جو اب کسی شور و غل کے پرانے جاسکتے ہیں خواہ تم سامنے ہو یا نہ ہو۔  
روانے کے معنی تو یہ ہیں کہ دنیا کو پیچھے چھوڑ کر اپنے راستے پر بڑھ کر گیا جائے اور میں  
————— میں ایسا نہیں کر سکتا مگر میں اپنی محبت نہیں ہے۔“

————— مگر آپ نے ————— یہ کیسے سمجھ لیا کہ ————— میں —————  
میں ————— اس ممد و ممد خیر ہوں اور یہ کہتے کہتے اس کا سارا چہرہ گھٹنا  
ہو گیا۔

میری دل آواز ————— قمر نے خوشی کے مائے چرخ کر کہا۔

آزاد اینڈ لپنی سگانیر دروازہ سے  
۶ میں خریدیے

یوسف ظفر بی اے

بگڑ کر یہ تیری زلفِ دوپا کچھ اور کہتی ہے  
ادھر آنکھوں میں تسلیم و رضا کچھ اور کہتی ہے  
کہ اہلِ دل سے غم کی ابتدا کچھ اور کہتی ہے  
یہی مفسد تو مجھ سے بارہا کچھ اور کہتی ہے  
مگر عقل رسا اس کے سوا کچھ اور کہتی ہے

ہونے لگی۔ حسنؒ اور ایک شہر پر چھوٹی سی ناقابت اندیشہ لڑکی  
جس کو اس نے کبھی اہمیت نہیں دی، چند ہی لمحات میں ایک ایسی عظیم انسان،  
شخصیت سے بدل گئی جس کے چند جملوں سے اس کی زندگی کا نظام ہمیشہ ہمیشہ  
کے لئے ورہم برہم ہو سکتا تھا۔ اور دنیا کی اس کا دل چاہا کہ  
وہ جن آراء سے معافی مانگے اس کی خوشامد کرے اسے یہ یقین دنانے کی کوشش  
کرے کہ اس کا مقصد بہتر ہوگا یہ نہیں تھا کہ اس کی دل آزاری ہو، مگر اس کے  
معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ گویا وہ اپنے لیے ہوتا الفاظ پر شرمندہ، ہے اور عزت  
کے بعد ان الفاظ کا اثر تو خالص ہو جائے گا مگر بہرہ وہی سن آراء سے شادی  
۔۔۔۔۔ اور وہ اسی ہی اس وجہ رہا تھا کہ سلم اور حسنؒ آراء کے پیغمبروں نے  
اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ ان دونوں کو اس بے باکی سے پیغمبر نکلتا دیکھ کر  
وہ ہی طرح سے گھبرا گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ حق آمانے سلم سے تمام واقعہ  
دوہرا دیا ہے اور شاید سلم اس کی حماقت پر طنز پر پیغمبر نکلا رہے۔  
(باقی آئندہ)

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیکھئے۔

# حسن خیر

طلب کچھ اور ہے لیکن فنا کچھ اور کہتی ہے  
 ادھر انکارِ زیرِ لب شکستِ دل پہ آمادہ  
 اب انجامِ وفا مرگِ تمنا کے سوا کیا ہو  
 تجھے دادِ وفا دیتی ہو دنیا، مجھ کو حیرت ہو  
 ترا عذرِ جفا برحق مجھے تسلیم کج فہمی

تبسم طنہ: تفریح اور تنقیدی لطافتوں کا مجموعہ

## دامن گلچین

عصر نو کی ایک ایسی تصنیف جس میں لطیف مزاحیہ انداز میں زندگی اور سماج پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ دامن گلچین کے ہر صفحے پر مسکراہٹیں بکھری ہوئی ہیں مگر طنز و تنقید کے تیر و نشتر لٹے ہوئے۔ دامن گلچین میں مسائل حیات پر تبصرہ بھی ہے اور دلچسپ واقعات کا اظہار بھی۔ انسانی فطرت و کردار کی کمزوریوں پر ایک پھر دامن تبسم بھی چڑاؤ۔ سماج کی پیراہنوں پر اک بلند بانگ قبضہ بھی۔ حضرت مقرب دہلوی کا اسلوب انشاء تعریف و تعارف سے بے نیاز ہے۔ اپنے دہلی کی نکسالی زبان میں اس خوبی کے ساتھ۔ لطف و مزاح کے دریا بہا کے ہیں کہ دل و دماغ پر لٹہ سا چھا جاتا ہے۔ دامن گلچین موجودہ زمانہ کی بہترین تصنیف ہے۔ پہلا ایڈیشن چھپ کر ہائتوں ہائتوں میں گیا۔ اب دوسرا ایڈیشن تیار کر لیا گیا ہے۔

قیمت :- ایک روپیہ دو آنہ ( ۱/۲ )

## موج کوثر

حضرت کوثر چاند پوری کے افسانوی آرٹ کا شاہکار

”موج کوثر“ حضرت کوثر چاند پوری کے ذہنی تجربات۔ افسانوی کمال اور فنِ تخیل کا ایک ایسا کارنامہ ہے جس کا مطالعہ صرف مطالعہ کے بعد ہی اٹھایا جاسکتا ہے۔ ان افسانوں میں حقائق زندگی کو حد درجہ فن کاری کے ساتھ بے نقاب کیا گیا ہے، موج کوثر کی زبان موج کوثر کی طرح شستہ اور رواں ہے۔ اور ظرافت کی چاکشی نے اسے اور مزیدار بنا دیا ہے۔ ہر افسانہ زندگی اور صداقت کا شاہکار ہے اس افسانوی مجموعہ کا پہلا ایڈیشن چھپ کر ختم ہو چکا ہے اور اب دوسرا ایڈیشن طیار کر لیا گیا ہے۔ پہلی فرصت میں آرڈر بھیجئے ورنہ تعمیل نہ ہو سکے گی۔

قیمت

دو روپے فار علاوہ محصول ڈاک

مشہور پبلشنگ ہاؤس  
لئے کا پتہ  
اردو بازار دہلی

# ذہنی مریض سے

منظور احمد اکمل

دل کے رازوں کو چھپالے سے تو حاصل نہیں ہو گا کچھ بھی  
یہ تو ظاہر ہے کہ اظہار سے انگشت نمائی ہوگی  
لیکن اظہار زباں پر تو نہیں ہے موقوف  
اور غموشی کوئی سرہنگ بھی نہیں کہ رہیں راز و درون پردہ  
یہ ہی رستے ہوئے ناسور جو سینہ میں ہیں مدفون تیرے  
جب کبھی سر کو اٹھاتے ہیں کچل دیتا ہے  
اور سمجھتا ہے کہ حاصل ہوا مقصود تیرا  
خود خرابی ہے کہ کچلے گئے، مفتوح ہوئے  
اس طرح اور بھی ہوتے ہیں تو انا دن رات  
تیری یلغار میں قوت ہوا تو انا ہی ہوا  
عسزم ہو، شوق خود آرا می ہو!  
کچھ بھی ہو ان کو کچلنا تو نہیں ہے ممکن!  
یہ ترے ذہن کو لگ جاتے ہیں دیکھ بن کر  
تیری خود داری نے من شوریذہ ارادوں کے گلے گھونٹے تھے  
اور سمجھا تھا کہ زنداں میں گھٹ گھٹ کے یہ مرجائیں گے  
وہی پیشانی پہ بننے ہیں کلنک کے ٹیکے  
اور یہ احساس کہ "محبسرم ہوں" یقیناً ہے  
پھر کوئی عسزم نہیں، راہ نہیں دوست نہیں  
نا اچھڑکی کی اس فادائی تاریک سے بچنے کے لئے  
اپنے احساس سے دنیا کو منور کر دے

# حسین شکایتیں

عزیز احمد

آرزوؤں کے بے شعلوں کو بھڑکاتے ہو  
نیند بن کر مری آنکھوں میں سا جاتے ہو  
کتنے بے رحم ہو کتنا مجھے ٹڑپاتے ہو  
پاس آتے نہیں اور دور سے چھلکاتے ہو  
میری خوابیدہ تمناؤں کو چونکاتے ہو  
ایسی رات میں مجھے یاد آتے ہو ٹڑپاتے ہو  
کیوں تصور کے سہارے مجھ ٹڑپاتے ہو  
دید کی پیاس بجھاتے نہیں ترساتے ہو  
میری رگ رگ میں مری روح میں بس جاتے ہو  
داستاں گزے ہوئے عہد کی دہراتے ہو  
آکے آغوش تصور ہی میں چھپ جاتے ہو  
میری ہستی کے خیالوں پہ چھا جاتے ہو

خط میں شہزادے یہ لکھا ہے کہ یاد آتے ہو  
آنکھ لگتی نہیں اور رات گزر جاتی ہے  
رس بھرے ہونٹ ترستے ہیں نغمہ کے لئے  
مری اس مست جوانی کے بھرے ساغر کو  
گدگداتی ہوئی چلتی ہے جو یہ سرد ہوا  
بھینکی بھینکی یہ فضا اور یہ برسات کی رات  
ظلم کرنا ہی ہے مجھ پر تو سدا ظلم سہی  
ڈھونڈتی ہیں تمھیں ہر سمت نگاہیں مایوس  
سہ بدی کیف سا پاتی ہوں سکوں راتوں میں  
نوجوانی کے اُنگوں کی کلی کھلتی ہے  
رات کو پہروں کھلی رہتی ہیں باہیں میری  
کیف میں ڈوبی مسرت کی بہاریں بن کر

مجھ کو بلواتے نہیں اور خود آتے بھی نہیں

ناخدا بن کے مجھے راہ میں ٹھکاتے ہو

یہ اگر سچ ہے تو ہر ناز مجھے جینے پر  
آج ساقی مجھے مجبور نہ کر پیئے پر

## میرزا نصاریٰ بی بی

## شیر فگن قتل

ہوں تو ہندوستان کی ساری تاریخ مبالغے اور صریح دروغ گوئی سے پُر ہے لیکن اس مبالغے اور صریح دروغ گوئی سے جو کام منشا ہوں کے قتل کیا گیا ہے وہ واقعی قابلِ داد ہے۔ بانی مغلیہ فائدہ ان سے لیکر زوالِ حکومت تک کوئی بادشاہ ایسا نہیں جس کے قتل اور مومنین کرام نے اپنی قابلِ فخر عصمت کا نظا ہر وہ کیا ہو۔ ہندو مومنین تو خیر قابلِ معافی ہیں لیکن ان مسلمان حضرات کا کوئی کیا کرے جنہوں نے محض بعض وحش کی بنا پر غلط بیانی کی عمارت کھڑی کر کے پتہ گناہ بادشاہوں کو بنام کرنے کی ناکام کوشش کی ہے مغلیہ وہ رکے گئے جو مورخوں نے جو کچھ لکھ دیا اس کو کسی بھلے مانس نے جانچنے کی تکلیف ہی گزار دی۔ بابا اور ہمایوں کو تو فی میدان جنگ ہی سے فرصت ملی کہ ان کے علمائے تاریخ کے ہتھے چڑھ جاتے لیکن اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں اور اورنگ زیب کو ان حضرات نے خوب خوب نوازا ہے ان میں سے ہر ایک پر ایک نہ ایک الزام ایسا چڑھا جس سے رہتی دنیا تک طلباء تاریخ کو ایک دوسرے سے دستِ گر بیاں ہی رہنا پڑے گا۔ اس باب میں آج ہندوستان کے اس مشہور و معروف شہنشاہ کی زندگی کی ورق گردانی کرنا ہے جس کو جہانگیر کہتے ہیں۔ جہانگیر کے مدد و انصاف کو لوگ اگر یاد رکھتے ہیں تو صرف نور جہاں بیگم کے ذریعہ سے اور ملکہ کی شادی کے متعلق جو لطیفہ شہرہ ہے وہ تاریخ اور فیاض تاریخ جو کہ یہ تیل ہے مالا کہ تاریخ سے اس کو دور کا بھی واسطہ نہیں۔

نور جہاں کی پیدائش اوّل زندگی سے اور شہنشاہ جہانگیر سے شادی کی داستان بھی ایک قصہ .... من گھڑت اور زحمتی قصہ تاریخ میں شامل کر دیا گیا ہے۔ راجا درجہ ۵۷ اور دیگر انگریز مورخ مزے لے کر اس قصے کو بوجہ بیان کرتے ہیں کہ خواجہ ایاز بیگ، رفیاق بیگ، غربت اور افلاک بیگ اگر دیگر تمار یوں کی طرح مسواری کا طرہ پیر کے ہندوستان کی طرف روانہ

ہوا تو لڑی بہت جو کچھ پونجی ملے تھی اسے میں ختم ہوئی اور پھر قاتلوں اور غارتوں سے بچنے کے لئے جو ات تک اوت بہت پہنچی اس میں دن کی فاد کش ماطہ خاتون کے ایک بچی پیدا ہوئی۔ ماں باپ بہت خوش تھے کہ خود توراہ قیر قاتلوں کی امداد کے منتظر یہ تھیں یہ رات اور کچھ درندوں کے خوف سے چلنے کا ارادہ کر لیا۔ اماں اور وقت دونوں اس مصیبت کی ماری مال کو اپنی اپنی طرف بیک وقت کھینچ رہے تھے آخر چلے وقت کا طرہ بھاری رہا اور مجبوراً اسے بچی کو جس و خاشاک میں چھپا کر چھل بیابان میں ایک درخت کے نیچے رکھ کر سفر کا حرم کیا کچھ ہی دور گئے جو گئے کو ماتا کی ماری مال سے نہ لگیا اور وہ اپنے اور مرلے گھوڑے سے کوہِ میری پہنچی، میری بچی چلانے لگی۔ باپ کو مجبوراً لٹا پڑا۔ ایک درخت کے نیچے پہنچا تو دیکھا کہ ایک بڑا سیاہ سانپ بچی کے گرد ملے کے اس کی حفاظت کر رہا ہے اس کو اٹھا کر لے آیا اور مال کے دلے کر دیا یہ مصیبت تو وہ قافلہ ہواڑوں منزلے سے کرتا ہوا انشاں خراب لاہور پہنچ گیا۔ جہانہ طاق سے مرزا غیاث کو اس کا ایک پڑا نو مست مل گیا جس نے اس کو اکبر کے دربار میں پیش کیا اس کو شاہی محل میں ملازمت مل گئی اور غیاث کچھ ہی دن میں ترقی کرتا کرتا محل کا دار و دربار گیا و خیر بچی جس کا نام مہر النساء رکھا گیا تھا شاہی محل میں پیش رہی اور اعلیٰ علی کے ساتھ حسن صورت اور حسن سیرت دن و رات بگوتی ترقی کرتا ہوا مہر و عین پہنچ گیا بیان تک کہ چودہ سال کی عمر میں چچا جی کا چاند سوئی، تصویر کشی، شاعری اور مزاح وغیرہ میں مہر جو کہ شہزادہ سلیم کے بیٹے کے واسطے کامیاب ہو گیا۔ لیکن اکبر نے اس کی شادی نور علی علی قلی خان سے کر دی شہزادہ سلیم نے مہر کو دیکھا کہ وہ تخت نشین ہو کر کسی تہ تیغ یا اس حسینہ کو مائل کیے گا اور بادشاہ ہو کر مہر کے بچے جہانگیر کے لئے ہو گا لیکن کوشش کی جس سے مہر النساء عا میں ہو سکے اس کوشش میں اس نے علی قلی کو جنگی ہاتھیوں اور بھوکے شیروں کے ساتھ ہتھیار دیا اور شیر انکس نے ان کو خود اور درندوں کے کمرے کھڑے

کر دئے بہت سے جلاوطن کر کے ان کے لئے کوئی اس کے لئے سے بچا کر مایاب نہ ہوا  
لیکن صحت پر کسی کا بس نہیں تھا ان کے آخری سال کے گھر قریب الدین کے ہاتھوں  
قتل کر دیا گیا اور جیٹنگ کی تشابہاتی ڈھانڈھ جلد سوئم صنفو ۳۴۱۹ آتشاؤش  
اور بیولا افانڈا کھلے۔ ڈاؤ صاحب بہادر نے جو ایک تاریخ دان ہونیکا دعویٰ  
کرتے ہیں لیکن افسوس کہ اس قصے کو حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

اگر ہم دینا لہذا کی پیدائش ہمیں اور روحانی اور پھر اس کا آئینہ زندگی  
سما رہی مطالعہ کریں تو یہ تمام غلطی صحت پر اس نظر آتی ہے۔ ہا تھا تو وہ اس  
ہاں میں کہ وہ جہاں کا دادا خواجہ محمد شریف آغا سلطان بیہار کی وائی خواجہ  
کا وزیر تھا سلطان کی وفات کے بعد خواجہ شریف سلطان کے لڑکے خزانہ خاں باہمی  
وزیر رہا اور اس کی وفات کے بعد شاہ جہاں سب نے اس کا وارڈ بنی جگہ دی اور  
یہ بڑا وزیر بنا کر مسجد بادشاہ ۱۵۷۵ء میں خواجہ شریفین کر گیا اور اس کا بچکان کو  
بقول شخصیت کہ زندہ ہو کر گزرا حالات زمانہ اور عہدہ و اقارب کی زیادتیوں سے تنگ  
ہو کر اس کو کافر اذیات الدین محمد دو عالم طور سے غیاث بیگ کے ہم سے شہر ہو گیا  
اپنے دو لڑکوں محمد شریف اور ابوالحسن ایک لڑکا اور صاحب بیوی کو کفر و بدعتان  
کی طرف روانہ کیا یہ لوگ ایک بڑے سوداگر ملک مسود کے قاضی کی مخالفت میں  
صعک کر رہے تھے اور ان سے ہندوستان کا راستہ آنا تھا ملک تھا کہ اتنے بڑے  
قائد ملک نے اس مختصر خاندان کی جان و مال کی کل حفاظت کا ذمہ لیا تھا اس  
خطرناک راستے میں غیاث بیگ کے تمام موٹریں مر گئے۔ قندھار کے مقام پر عالم بڑی  
کے ایک بچی پیدا ہوئی ان کی زبانوں حالی سمجھ کر نیک دل ملک مسود نے ان کی پروردہ  
کی جاس کے قبضہ قدرت سے لی۔ ہندوستان پہنچ کر ملک مسود نے اپنے بیٹے  
کو ہندوستان کے حیل احمد شہنشاہ اکبر کے موبہ پیش کیا (اقتباس صفحہ ۵۵  
۵۵-۵۶ اور ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱) شہنشاہ نے میرزا غیاث کی قابلیت سے متاثر ہو کر  
اس کو اپنی ملازمت میں رکھ دیا وہ ایک واقعی قابل آدمی تھا اپنی قابلیت کی بناء  
تھی کہ اس نے ۱۵۹۵ء تک وہ تین سو منصب دار و کار کا دیوان  
کئی ہو گیا۔ ایک دوران میں ہزار شاہی جان ہو گئی اور سترہ سال کی عمر میں  
ایک ایرانی علی قلی شاہ سے اس کی شادی کر دی گئی۔ علی قلی خاں ایران کے شاہ  
سلیمان نے اپنی بیٹی کا سفیر تھا شاہ کے قتل کے بعد علی قلی ایران سے اپنی جان بچانے  
کے لئے غدار ہو گیا اور دولت و جن کی ہوا کھانا ہوا قندھار کے راستے سے عمان  
نہاں ہوا وہ عبدالرحیم خان خاں کا ملازم ہو گیا اور اپنی جان بچا کر اور  
دہلی کی بدلت خان خاں کے محل میں گھر رہا جس کے بعد اس کا ایک منصب  
رہا۔ ۱۵۹۷ء میں شاہ جہاں نے اس کو ملازم ہوا اور اس کو ملازم رکھا جس کے بعد اس

اس کی بڑے بڑے افسروں سے ملاقات رہائی کی کچھ وجہ بہرہ ہر النساء سے اس کی  
شادی ہو گئی بڑے ۱۵۹۹ء میں شہنشاہ اکبر نے میواڑ کی ہم پر شہزادہ سلیم کو دیا  
کیا اور علی قلی خاں کو شہزادہ کے ذاتی محلے میں شامل کر دیا یہاں ڈرا سوچے  
کہ اگر شہنشاہ نے ہر النساء کی شادی علی قلی خاں سے اس کو صرف سلیم سے بچانے  
لیئے کی ہوتی تو وہ ہر النساء کے شوہر اور سلیم کے رقیب کو سلیم کے ساتھ کیل کر دیتے  
ہو خصوصاً جبکہ شہزادہ شہنشاہ و حسد کی آگ میں علی قلی کو شہزادہ میں ختم کرنا تھا،  
اس ہم میں علی قلی نے وہ بہادری دکھائی کہ شہنشاہ شہنشاہ کی شہنشاہ کی شہنشاہ  
اس نے ایک لمحے کو ہلاک کیا جس کے محلے میں صاحب عالم نے خوش ہو کر بہادر  
علی قلی کو شہزادہ آغا خان خطاب عطا کیا۔ شہزادہ سلیم نے جب بنات کی تو علی قلی ان کے  
ساتھ تھا لیکن پھر اکبر سے لے گیا۔ تحت تسلیم ہونے پر شہزادہ نے علی قلی کی  
خطا معاف کر دی والی گروہ و سے اس کو بروان کا حاکم بنا کر بھیجا گیا۔

اس زمانے میں جنگاں بناؤں اور سیاسی شورشوں کا فکھ ہوتا  
ہوا تھا تاہم بچکان شہزادہ وہ بی بی جنت ہو کر خدیج کے خلاف طرح طرح کی  
سازشیں کر رہے تھے اور علی قلی بھی ایک دفعہ بنات کر کچھ تھا چنانچہ جنگاں کے  
تور تاراب الدین خاں نے اس پر بھی خاک کوٹ رکھا ہیں ڈالیں اور شہنشاہ کو آتش  
نیال سے اٹھا دیا اور سلطان سے صمد صا دو گیا کہ علی قلی کو دیہا میں حاضر  
کیا جائے اور اگر وہ کسی قسم کی حکم عدلی کرے تو اس سب سزا دی جائے مانع شہزادہ  
میں قطب الدین خاں بروان کی طرف۔ واندہ ہوا اور علی قلی کو دغا لیا گرفتار کرنے  
کے لئے اس کے لئے بلایا۔ اس دوران کو شیراز میں درن و دوڑیوں کو ہمارا لیکر گورنر  
ملاقات کے لئے آیا خیر میں داخل ہوتا ہی تھا کہ گورنر نے شیراز میں کی گزرتی رہی حکم  
دے دیا اور اس کو چاروں طرف سے گرنے میں لے لیا۔ علی قلی خاں یہ تہین ہوا  
ڈر سکا اس کا خلاف کھلنے لگا وہ قطب الدین کی نیت سے بھاگ گیا اور لاں پہلا  
ہو کر کہنے لگا "یہ کیا حرکت ہے تیری" قطب الدین خاں بات سمجھانے کے لئے اسے  
بڑھ کر علی قلی نے تلوار اٹھا کر اس کی پشت کا کرنا گورنر نے نگل ہوئی انتہائی کو ہاتھ  
میں لے کر قاتل کے قتل کا حکم دے دیا لیکن حکم پانے سے قبل سپاہی اپنا کام  
کرتے تھے اور کہ ایک ملازم امیر خاں شیرازی نے علی قلی خاں کے سر پر تلوار کا ایک  
بھیر پورا ہاتھ مارا کرتے ہوئے علی قلی نے تلوار جواب تلوار سے دیا اور امیر خاں اور  
علی قلی دونوں بھیر ہو گئے سپاہیوں نے علی قلی کو ہتک پڑی کر دیا اور قطب الدین  
کئی بارہ گھنٹے کے زیادہ زندہ در سہہ (مقتاح التواریخ صفحہ ۳۱۳)  
شہنشاہ کو پہنچا دیا۔ زیادہ عرصہ نہ رہا کہ ہریانہ بھائی اور ایک  
بہرہ دور سے کہ جس نے اور اس کے کو دے دئے تھے کہ بہرہ داری اور

کے شیر انگلیں کی اس حرکت کا اس نے قابلِ عنایت قرار دیا وہاں تک مصلوہ ۱۱۴  
اتھار مصلوہ ۱۱۵۔

ہر انسان ہر اس کی ٹیٹا ٹیٹا کیلیم کو رہا رہا میں پہنچا دیا گیا اور وہ سلطان  
سلیم کے محل میں رہنے لگیں۔ ماری مستندوں میں جہانگیر نے ہر انسان کو پہلی  
بار سینا بازار میں دیکھا اور ملاحظہ ہوا کہ ایک دوسرے کو دیکھا بھی نہ تھا  
دو سیاہ رنگہ کوہنوں کے بعد دیگرے اٹھائے کی کھائی کس حرج سے بین کوٹہ  
ہیں اور نظریں چار ہونے پر عاشق ہو گیا اور ماری کے اعتقاد میں پران کی شادی  
ہو گئی۔ واقعہ نامہ صفحہ ۱۱۶۔ موصاف جہانگیر کی۔ فردینش مخبر ۱۱۷۔

حالات دراصل یہاں رہا یہ ثابت کر کے کہ یہ کس طرح کی حالت میں۔  
نام نہاد تاریخ کار وہ تمام حصہ جس میں جہانگیر کا کتبہ کی حیات و  
میں ہر انسان پر عاشق ہو جاتا اور شہنشاہ کا شہزادے کی ستاروں کا خلیق کر  
مذا فیضات کو ہر انسان کی ملی علی سے شادی کرنے کا حکم دینا۔ ہر مانوس عاشق کا  
فہم کرنا کہ وہ تخت نشین ہونے پر سب سے پہلا کام چکر چکا وہ کسی دیکھی طرح سے  
جہانگیر کا حاصل کرنا ہو گا تخت نشین ہو کر مان خلیق کی جگہ قطب الدین مانا  
کو بنگال روانہ کرنا اور صرف اس لئے گورنر بنادینا کہ وہ ملی نشلی کا قلعہ پاک کر کے  
جہانگیر کو شہنشاہ کے پہلو میں لایا جائے اور اس عزم کے لئے علی قلی کا واقعی  
قتل کر دینا ایک گپ سے زیادہ نہیں جو تاریخ سے کوسوں دور ہے کوئی مستند  
موتی اس مستند گپ کو اس سے زیادہ سمجھنے کے تیار نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ  
جہانگیر غویہ حرکت کرنے کے بعد اپنی ترک میں اس کا ذکر کرتے لیکن اگر ان کا  
اتحاد اس واقعہ میں ہوتا تو اس تمام واقعہ کو ہی کیوں حذف کر جاتے لیکن  
شہنشاہ نے علی قلی کی فرمایاں بیان کرتے ہوئے اس کی شادی کا بھی ذکر کیا کہ  
مستند خاں اپنی تاریخ شاہ جہان کے زمانے میں محل کی سامراجی نے  
شاہ جہان کے اثر سے اپنی کتاب نامی اور یہ دونوں نور جہاں کے خلاف تھے پھر بھی  
انہوں نے اس گپ کا نہیں ذکر کیا۔ نہیں کی جملہ حمید لا چوری اور دیگر مؤرخین  
نے نور جہاں پر بہت کچھ لکھا لیکن کیس نہیں کہا اس نے اپنے شوہر کے خلاف  
سے شادی کر لی۔ ممکن ہے فردینش کی جگہ کو صاحب یہ لوگ راہنہ دہا ہوتے  
ہوئے کس طرح شہنشاہ کے خلاف برسرے لیکن ان ولایتی سربراہوں اور مؤرخوں  
کی بابت آپ کو کیا راستہ ہے جو ہر وقت اس والی کے واسطے کی تلاش میں رہتے  
تھے جس پر بیا بیا کھرا کر کے اور عزم ہستیوں پر چڑھ چکا ہے یا کسی سامان کا کرانہ کو  
دنیا کی غلوں میں گرا دہ تو اب سمجھتے تھے وہ شہنشاہ زادہ سلیم اور ان کی سوتیلی ماں  
کے مفرودہ تھکات پر حاشیہ لائی کر سکتے ہیں نور جہاں اور ان کے سوتیلی بچے

شاہ جہاں کے تعلقات پر صفحے کے کہہ سکتے ہیں لیکن کیس نہیں کہتے جہانگیر  
نے نور جہاں کے شوہر کو قتل کر کے اس سے شادی کر لی۔ کیوں؟ کیس ترکہاں  
یا نانا تھا وہ شیر انگلیں کی موت کے کچھ ہی عرصہ بعد بننے والی ہیں حاضر ہوا منصب  
یا بار و سار سے تعلقات بھی تھے سب کچھ سامی چوکا لیکن اس باب میں وہ بھی  
خاموش ہے۔ ہر طلاس رولور ایڈورڈ شیر کی اس زمانے میں رہا میں موجود تھے  
جبکہ نور جہاں طاقت کے درج پر تھیں اور پیچھے کی زبان جان کا ذکر تھا کیا یہ  
گوں بھی کچھ نہ سنتے؟ لیکن ایک نکتہ میں تاریخ خاں بھی اس زمانے میں موجود  
تھا اور پناؤ دیا دلی بھی اگر یہ مغربی ساحل پر سفر کر رہا تھا لیکن اس خوش آہند  
گپ کے مطلق کچھ نہیں کہتا۔ حالانکہ ربارا اور شاہی محل کے متعلق بہت کچھ لکھا  
ہے۔ آخر کیوں؟

مقابلہ یقین ہے یہ خوش فہمی کہ انہوں نے اس واقعہ کو نہ سنا ہو گا  
جہانگیر نے کوئی زبان کو قرض لگایا جو اس قسم کے واقعات جیسے نہیں سکتے  
اور پڑھ لیسے واقعات جن سے شہنشاہ کی اپنی ذات کا تعلق ہو۔ جہانگیر کے زمانہ  
حکومت میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے اہلکاروں نے بے شمار خطوط طے عنونوات کر  
اور دست احباب کو انگلستان لکھے۔ ان ذاتی خطوط میں ہندوستان کی سیاسی  
حالت اور دیگر واقعات کا ذکر موجود ہے لیکن ان میں سے کسی میں جہانگیر اپنی افہ  
کا ذکر نہیں کیا۔ خطوط میں سرکاری موت شاہ جہاں کی بغاوت و مہات فتن  
کی شرح تک بیان کی گئی ہے لیکن شیر انگلیں کا قاتل جہانگیر کیس نہیں کہا گیا۔  
ہر طلاس ہیریٹ جہانگیر کے کچھ ہی بعد ہندوستان آیا اور پھر مشرقی کچھ سال  
بعد واپس آیا ان لوگوں نے جہانگیر اور نور جہاں پر بہت کچھ لکھا ہے لیکن کیس  
نہیں کہا کہ شیر انگلیں کو جہانگیر نے قتل کر دیا اس کے بعد ہر نیر ہندوستان آیا۔  
یہاں کے معولی حالات سے کہ اس نے شاہ جہاں۔ جہاں آزاد روشن اور اوقاف  
لوگوں کے متعلق بہت کچھ لکھا لیکن کیس نہیں کہا کہ ہر انسان اسے سلیم پڑوے  
ڈالے اور جہانگیر نے نور جہاں کے شوہر کو قتل کر دیا۔

حقیقت اب کوئی بھی مستند موت نہیں جو اس جوٹ کو سچ  
کہنے کے لئے تیار رہے حالات خود بخود ایسی دلائی پیش کر رہے ہیں جن سے اس کی تردید  
ہو جاتی ہے آخر کیا وہ جتنی جس سے کبیر اپنے بیٹے اور ہر انسان کے درمیان مٹا  
ہو جاتا وہ انسان ایران کے ایک بہت اچھی حافظانے تھی اس کا باب و بار میں  
بہت ممتاز ہے پھر فائز تھا اور مغل شہنشاہ شادوں کے معاملہ میں اتنے تنگنا  
بھی نہیں تھے جو کہ اس شادی میں رونا دھنا کرتے پھر اگر فرزند کرنا چاہتے  
کہا کہ بے شادی نہیں ہونے دن تو یہ یہ کہ وہ بلستہ جو بچے نیا شاد بیگ



کو تسلیم کے حملے کیوں کریتے جبکہ وہ ہم مولد پر روا ہوئے تھے پھر ہم اپنے قریب  
کو ہرگز آنا مانا یا حملے تنہا کہ انہوں نے بڑھا یا خطاب دیا جاگیا۔ ردی محمد  
علیہ اور پھر حاکم پر دو ان تک بنا دیا۔ اگر جہاں غیر واقعی نور جہاں کو حاصل کرنا  
چاہتے تو ان کے لئے کیا مشکل تھا ان کے لئے اس کے لئے ہر ہزاروں ہر انسان  
میں کیجا سکتی تھیں۔ اتنے علائق اس کے ترکیب ہونے کی ان کو کیا ضرورت  
پیش آجاتی پھر نور جہاں خود ایک اتنی بلند خیال خاتون تھیں کہ وہ یہ جانتے  
ہوئے کہ جہاں غیر نجات کے مشورہ کو قبول کر لیا ہے ہر اس نے تسلیم ہونا قبول کر لیا  
کہا جاتا ہے کہ قطب الدین کو پچھلے سال کو وزیر میں اس نے بنایا گیا تھا کہ  
ہر انسان کو حاصل کرنا آسان ہو جائے یہ قطعی غلط اور بے بنیاد خیال ہے راہ  
مان شکہ اور شہنشاہ میں کافی کشیدگی ہوئی تھی اگرچہ کب سب کے استعمال پر  
ظاہر طور سے وہ ملے تھے تھیں وہ میں غبار ضرور تھا جہاں غیر صرف اس تو  
کی تلاش میں تھے جبکہ ان شکہ کو ملے دیا جاسکے اور وہ موقع ان کو ضرور کی  
بنا و تھ کے بعد ملے۔ اب ظاہر ہے کہ اس جگہ کوئی ایسا آدمی ماور کیا جاتا ہو  
شہنشاہ کی مرضی کے مطابق ہوتا چنانچہ قطب الدین کو بھیجا گیا یا شیراز میں  
برائیاوت کا مشہور روایتی کہا جاسکتا ہے لیکن اگر ہم حالات اور وقت کا منظر  
فائر وسط الدین کریں تو معلوم ہوگا کہ پچھلے اس وقت سب سے زیادہ خطرناک صوبہ  
تھا عثمانیہ البتہ بہت دور تھا اور دوسری اور زیادہ خطرناک صوبہ کہ تیار  
یہ صرف تھا۔ قریب میں عثمانی شہزادے بھی مرزا تھا ہے تھے ان حالات میں علی علی  
جھانکے خود تسلیم کو دعاوے کیا تھا۔ مشہور کوئی تعجب کی بات نہیں ہے قطب الدین  
کا تئیں ذاتی ایک نادر دل کا ساتھ ہے لیکن اس کا وہ دار و خود بھی ہے اس نے  
ایک ایک شیراز میں کو گرفتار کرنا کا حکم دے دیا جس سے وہ پھر گیا اور ملے میں ایک  
کامیاب وار سے گزر کا غامہ کرویا۔ نو جہاں کی تہوہری فاکت کے بعد لکھا اور بارہا  
ہم آنا تھا اور کہاں جاتی وہاں اس کے باپ بانی اور دو گئے عزیزان قاب ظاہر تھے  
پھر وہاں انہیں اتنی مشکوک نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے؟

اب سوال باقی یہ ہے کہ آخر یہ داستان بنی کیونکر۔

اس واقعہ کو نہ کہ مرثیہ لکھا گیا بلکہ شعر مبالغہ آمیز صمدی کے بعد جیسا ظہیر نے نو جہاں سے شادی کی تھی نو جہاں کا شوہر بن گئیں ہوا تھا اور اس کے کچھ ہی بعد شادی ہوئی تھی اس لئے اس تمام داستان کو یاد وہ پسپ بنا لے گئے وہ تمام واقعات چھپا کر رکھے جس کی رو سے جمایا گیا کہ اسلام نے اپنے باپ ہی کی زندگی میں ورنہ النساء سے ختنہ شمر دیا کیونکہ تھا نہ صداقت تیرہ فریقین نے کچھ لکھا کہ اس پر لفظ بیوہ لکھیے مگر قافیہ ناک اور کلمات سے نہ لے سکتے تھے۔

اختراع کے لیے علم ہر انسان کے ساتھ ساتھ کھلتا ہے ایک دفعہ پہلے کے لوگ انسان کو اپنے  
 انفرادیت کے لیے دیا وہ بھی کوئی نئی چیز اس محبت کو نہ سمجھ سکی اور محبت کی دوسری صورت ہے  
 ذکر و یاد بات کبیر تک پہنچی وہ دوسرے ناراض ہو گئے پھر جہانگیر نے قطب الدین  
 کی معرفت برائے کو حاصل کرنا چاہا تو شیر انگن کو معلوم ہو گیا اس نے استغفار کیا  
 اور اپنی جائیداد پر چلا گیا وہ فرود اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ جدت ملائی بھی کی  
 جب شیر انگن اور قطب الدین میں ہتھیار پائی ہوئی اور شیر انگن سرنے والا تھا تو ننگ  
 بجا کر وہ اپنے گونگے پہنچ گیا تاکہ اپنی شریک حیات کو تشکر کے اس کی ناموس بچا  
 تو اس کی ماں نے کہا کہ اس نے خود کشی کر لی ہے میں اس کا دم نکلیا اور غلامانہ التیاف  
 دہلی میں پیش منگو۔ ۴۴۶) یہ فریاد دیکھ عالم میں بھین گئی لیکن شہر میں صدی  
 کے پہلے نصرت ملک کسی تاریخ نے نہیں لکھا مگر اس کے بعد مورخ نے خوب غور و اجلا  
 اور طرح طرح سے ابھارا۔ اظہار ہویں صدی میں حضرت ڈاؤد دیگر مورخین نے اس کو  
 اور زیادہ درستی بخشی (تاریخ پنجاب - لطیف منگو۔ ۱۵۳) انیسویں صدی میں بہت  
 انفسل نے غامی خاں کے ہر حرف و لفظ کو محض اساتذہ فکر و فکر طبع آزمائی فرمائی  
 اور اس کے بعد ہندوستان کی تمام تاریخ نے اس کا پرچم لگایا اور فراموش کر دیا۔  
 یہ تھے وہ ذرائع جن کی معرفت انہوں نے ان کا تذکرہ کیا اور یہ شخص  
 نے بلا سچے سمجھے جہانگیر اور نور جہاں کو یہ نام کرنے کی کوشش کی جہانگیر شیر انگن  
 کے تین ملزمان کو قتل کیا وہ سرور دہان لکھنوی جہانگیر کے لئے رہتی دنیا تک باعث فخر  
 نام رہے گی بسا اے میں مورخین مسکرتہ کی بلیک ہولی کی طرح اس کی پہلی کھول دیا

7

دھولیا میں عبدالحی الصارمی جھونپڑی  
ایسٹ آباد میں :- غزان سنگھ بک سید  
اگرہ میں :- ملک راج سنگھ نیوز ایجنٹ، طوباج ٹاکنر  
جالندھر میں :- سنت رام کھنہ بازار کھنہ برون  
رائے پور میں :- حکیم سناک، اسٹال نزد بالوالا ٹاکنر  
شولا پور میں :- محمد قاسم نیوز ایجنٹ ۲۰۴ شکر پٹھ  
شاہجہانپور میں :- سید محبوب علی سادات پریس  
سرگودھا میں :- دلوان چند نارنگ ۔

ہمارے میں :- ملک معاققہ کو مال بازار سے خرید فرمائیے۔

## قادر نیازی

# نہ جانے کیوں؟

لا متناہی تخیل میں ڈوب جاتی ہوں۔ بیباک لکھنے ایک بار میرے کاؤں  
آؤہ ورنہ اپنی بہن کی اس اجاڑے لاکھ کو بھی دیکھ جاؤ جہاں وہ رہتا ہے  
اور جہاں اس سے رہتا ہے۔ "خورشید" خط پڑھتے ہی میں آبدیدہ ہو گیا  
چاہتا تھا کہ دفتر سے پندرہ روز کی چھٹیاں لے لوں اور خورشید کو ایک  
مرتبہ دیکھ کر آ جاؤں۔ آہ خورشید میری منہ بولی بن! —  
وہ سجاد ہی تھا جس نے مجھے خورشید سے منادی کی گویا تھا۔ یہ  
کوئی چھپے سالوں کی بات ہے جو نیک یا یک میسر ہو نہ ہوئی تھی، مگر یہ ہے  
سجاد کی وجہ سے میں نے خورشید کو بجا ہی کہا۔ مگر خورشید نے دیکھ کر  
منظر نہیں کیا میں نے بھی خورشید پر اس چیز کے ساتھ نہ ہو نہیں  
وہ اس دن سے وہ مجھے جیسا کہنے لگی اور آج تک ہم دونوں  
قریب ہو گئے ایک بھائی اور بہن کی محبت کے ساتھ ساتھ۔  
ہم دونوں تاروں کی چھاؤں میں دو رہاڑیوں پر بٹھ جاتے  
نکل والا کی ہنسی ہوتی شاخوں کے نیچے گھنٹوں گزر جاتے خورشید  
خوارات سے کہتی "بھیا! غالب نے کیا خوب کہا ہے۔  
"سایہ شاخ گل افنی نظر آتا ہے مجھے"

پھر وہ فوراً ایک نئی سی شاخ کو چاندنی میں منعکس کر دیتی۔ اور پھر ایک  
طبیعت دگر از قہر — یہ خوشگوار دن بوہنی ختم ہو گئے۔  
سجاد نے خورشید پر ہزاروں پابندیاں عاید کر دیں تھیں۔ ایک  
دن اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ خورشید طرزی کے ہمراہ اس آؤہ  
کے ساتھ نہیں گھم سکتیں وہ میرا دوست ہے صرف دوست اور  
شاہد ہے مجھے سے قاصر۔ ..... خورشید خوب روٹی دوسرا  
دونوں کی ملازمہ نے مجھے ایک خط لکھ دیا جس میں تحریر تھا "طرزی بھیا  
آپ بوسے پور چلے جائیں اور اپنی باقی ماندہ زندگی میں کچھ یہ تصور بھی

خورشید جس عالم میں اپنی زندگی گذار رہی تھی، سجاد اس سے  
اپنی طرح واقف تھا۔ وہ خورشید جس نے ادبی فن میں عمر کے بہترین  
سال گزارے ہوں یا یک غیر ادبی ماحول میں پھینک دئے جانے پر کس  
طرح اپنی حیات قائم رکھ سکتی تھی۔ وہ خورشید جس کے خواہاں تھے شریں  
بھی اس کے پاکیزہ مطالعہ کے مرمون منت تھے اور علی الصبح اس کی  
بیداری کا باعث "گیتا بلی" کی وہ نظمیں تھیں جو شاید گرد و دیو ٹیگور  
نے چاندنی لڑائی میں بیٹھ کر لکھی ہوں گی۔ رات کے مطالعہ کو ہم سے  
انکھیں سرخ، بال پریشان، چہرہ اترا ہوا، — وہ جسم کے ہر عضو  
میں مدد محسوس کرتی حالانکہ جہی اور چپا کے پتوں سے ڈھکا ہوا  
یستر تھکاپ اور کپڑے سے بسا ہوا غلاف اور معطر تیل میں ڈوبی ہوئی  
، شاید اسکے لئے موشن تھیں۔ ہر شب اس کے لئے تاریکی  
کے ساتھ شروع ہوتی اور کسی گہری خاموشی ہی میں تمام ہو جاتی اور صبح  
ہزاروں ملازمت کے ساتھ بلند ہوتی مگر خورشید وہیں تھی جہاں کل نہ  
جانے کب تک اور کہاں

اس زمانہ میں میرا تعلق شعبہ تصنیف و تالیف سے تھا دفتری  
اوقات میں کچھ ایسے تھے کہ مجھے خورشید کے ہاں جانے کا اتفاق ہی نہیں  
ہوتا تھا حالانکہ خورشید نے مجھے بار بار لکھا کہ۔ "بھیا اپنی منہ بولی بہن  
کو کم از کم ایک دفعہ ہی دیکھنے کے لئے آجیا کرو۔ اس کاؤں میں آخر میرا کون  
ہے۔ لیکن تو سبھی میں گھر پر بھی خورشید کا کوئی نہیں۔ مانو بیبا جب کاؤں  
کے گولے پلٹے ہواں بکھانے ہوئے دوڑ رہے ہیں اور کہیں دوڑ  
گھاٹ پر گاندکی ٹھٹھا اور محسوس ہو گیاں اپنی چھوٹی چھوٹی ٹانگیں بھر کر  
بیگے ہوئے آؤہی شاخوں پر ڈالنے ہوئے کچے راستوں سے دور  
نکل جاتی ہیں تو میری آنکھیں آنسوؤں سے بیگ جاتی ہیں، درمیں کسی

خورشید مغرب رہتی اور تمام دن اپنے داماطاوس گوار رہتی۔  
کھڑکی کے پاس استودہ رہتی اُداس اور ناش وہ ان سفید سفید بلوں  
سے نکلاؤں کو دیکھتی رہتی۔ بے پایاں تلکات میں جو ہو کر جی کر اُس  
کے سینے کا دودھ ڈھلک جاتا۔ چہرے پر نرا شک کے آثار نمودار ہو جاتے اور  
پہرہ جلتے اُس کی آنکھوں سے دو آنسو کیوں ٹپک پڑتے کوئی نشان  
چوہاں میں مکتا تھا۔ "نہ آیا من کامیت عمری بیت جمی ساری"۔  
خورشید ٹپٹپ اُٹتی مانا اُس کے سینے کا دودھ اُڑا زخم پھروں اگلے لگتا وہ  
بے تحاشا اپنے بستر پر گر پڑتی اور خوب سسکیاں بے ٹیکر دیتی۔  
اُن خورشید کی زندگی کس کشاکش اُلم میں بیت رہی تھی۔

میری بھی کہتیاں اجڑ رہی تھیں۔ کریم نگر سے میرے گماشتہ  
دست کہ "بڑے بابو اکرم نگر طلبا دُربارش مطلق نہیں۔ کھیت  
سو کہ رہے ہیں نکاؤں کے ندی ندے سب خشک ہو چکے ہیں" میں نے  
دست کو روک دیا۔ "دست بابو۔ سو کہنے دران کھیتوں کو جیسے  
جی ہو سارے نکاؤں میں اعان کر دو کہ اس سال کا لگان وصول نہیں  
کیا جائیگا۔"

کریم نگر میں دھوم مچ گئی۔ یہ خبر یوسف پور بھی پہنچی۔ سچا پھر  
ہونے لگا اور یوسف پور کے سارے کسان زمینیں چھوڑ چھوڑ کر کریم نگر  
آکر بسنے لگے۔ عباد پاگل پور کا تھا اور شاید آج اُسے پہلی مرتبہ اپنی آہٹاں  
بے قرار یوں کے ساتھ خورشید سے پوچھا "خورشید کیا کروں۔ جیسا کہ جس  
ہو رہا ہوں۔ یوسف پور اجڑا رہا ہے۔ سارے نکاؤں والے یوسف پور چھوڑ کر  
کریم نگر چلے جا رہے ہیں۔ کہو خورشید کچھ تو ابو۔ خورشید خاموش تھی مگر اُسے  
کہا "تم بھی نکان کیوں نہیں معاف کر دیتے۔ گویا عباد کا پیرا بہت بڑی  
آگ پر گر گیا ہو۔ وہ بیکار ہو گیا۔ حج کر گئے گا۔ ایسا نہیں ہوگا۔ ایسا ہرگز  
نہیں ہو سکتا۔ اجڑنے دو۔ کھیتو کو۔ حیران ہو نہ دو۔ میں انکان معاف  
نہیں کروں گا۔ یوسف پور اجڑا رہا ہے۔ اجڑنے دو۔" عباد کے دماغ  
پر غریبی کی کیفیت طاری ہو چکی تھیں۔ وہ دوسرے کمرے میں بدحواسی  
سے داخل ہوا اور اپنی پردہ کی بددق درست کرنے لگا۔ خورشید نے  
اُسے بڑھاکر بددق کو سنبھال لیا مگر بڑیکہ دیر تیرہ خالی آواز سارے گاؤں  
میں پھیل گئی۔ گاؤں والے سمجھنے لگے سو۔ دان پر گزریاں چھوڑا ہے۔ اُنوں  
نے بھی اپنے ہتھیار درست کر لئے۔ اب کیا تھا۔ یہ سب پوچھنے کے لئے

نہ کریں کہ کسی یوسف پور میں تہاڑی منہ بولی بین "خورشید بھی دہتا ہے  
اور میں جب تک بقیہ حیات لم ہوگی اسی سمجھوں گی کہ میرا بیٹا کریم نگر میں ہے۔  
اور اپنی زندگی ہنس بھٹی سے گزار رہا ہے۔ اب یوسف پور کریم نگر سے دس  
میل دور نہیں رہا بلکہ ہزاروں میل دور ہو گیا ہے۔ اب ہم دونوں شاید وہی  
مل سکیں۔"

یوسف پور سے واپسی پر میں نے سہارے سے ملنے کی بہت کوشش  
کی لیکن وہ قریب دُور کے دیہاتوں میں کسی کام سے گیا تھا۔ رات  
کو کریم نگر آ گیا۔ میری واپسی پر خورشید سسکیاں لے کر رو رہی تھی۔ میری  
بسی ہتھکنیں نم ہو گئیں اور ایک انتہائی یاس کے عالم میں یوسف پور  
سے لوٹا۔

میری ساری جاننا کریم نگر میں تھی جو چند گناشتوں کی نگرانی کے  
سپر دیتی تھی جب بھی جتنی رقم دُور ہوتی تھی کریم نگر کھسک رہا تھا۔ جب میری  
عمر پندرہ برس کی تھی میرے والد کا انتقال ہو گیا اور ایک برس کے بعد  
والدہ کا بھی۔ اب صرف میرے چچا سے جنہوں نے مجھے تعلیم دوائی اور  
بعد میں میری ساری جائیداد میرے سپرد کر دی کہ میں ہی خود اپنی جائیداد  
کا انتظام کروں۔ چچا نے مجھے بارہا کہا "طری شادی کر لو۔ یہ دیرانی  
تخریب کن" میں نے ہمیشہ انکار کیا نہ جانے کیوں۔ اسی طرح زندگی کے  
پچیس سال گزر گئے۔

سجاد کو پڑھا لکھا آدمی ضرور تھا مگر اُس نے نہایت مشکوک  
طبیعت پائی تھی وہ جب بھی کسی سٹار پر گفتگو کرتا تو نہایت مشکوک انداز میں  
چنا چنا کسی فوری مسئلہ کو بھی مدتی تصور کرتے ہوئے والد یا کرتا تھا۔ ایک  
سال یوسف پور میں بارش مطلق نہیں ہوئی۔ نکاؤں کے سارے کسان  
پریشان ہونے لگے مگر عباد نکان کی۔ صولی کے لئے دیہات دیہات گھومتا  
پھرتا اور صاف صاف کہتا کہ مجھے بارش سے کچھ مطلب نہیں۔ نکان دو۔  
ورنہ تہاڑی رہی ہے۔ اپنی چھ مہینہ کر دوں گا۔ اب دیہات میں سجاد سے  
متعلق چھ میگزیناں ہونے لگیں اور دوسری طرف غریب کسانوں کی  
کھیتوں میں فاک دھول کے باطل اڑنے لگے۔ خورشید نے "باؤ بہتیرا  
سبھا لاکہ ان غریب کسانوں پر رحم کرو۔ ورنہ نتیجہ کچھ اچھا معلوم نہیں  
ہوتا۔ عباد نے خورشید کے الفاظ کی پرواہ نہیں کی اور بدستور اُس  
نے پنجاب و تشدد اُٹھایا رکھا۔

# نغمات

## باسط بھوپالی

کچھ صلہ ہی نہ ملا عشق میں جل جانے کا  
 شمع نے لوٹ لیا سوز بھی پروانے کا  
 میری بالیں پہ مے واسطہ رونے والے  
 اب نہ جینے ہی کا موقع ہے نہ مرجانے کا  
 میرا مٹنا نہیں آسان محبت کی قسم  
 موت ہر نام تھے دل سے اتر جانے کا  
 حشر تک روئے گی دنیا کے محبت مجھ کو  
 سلسلہ ختم نہ ہوگا مے افسانے کا  
 جذب ہو جائیں تری ست نگاہیں دلیں  
 راز منجانے سے باہر نہ ہونیا جانے کا  
 اس طرح مجھ سے مخاطب ہے زمانہ جیسے  
 ہوش کی فکر بھی اک فرض ہر دیوانہ کا  
 ان کے اندازِ مسم کا ہے تقاضا باہٹ  
 عہد کر لیجئے مرم کے جسے جانے کا

کے رہا تو میں بھانوں پہل چکی تھی سسہا کی تلاش میں بہاوت کے نوجوان  
 بڑھے ادھرنے بھی رہنے لگے — پھر ایک دن آگیا ہوا — اور  
 خورشید پرہ ہو گئی۔

خورشید - اچڑی ہوئی خورشید جود بہاوت کی بہادری کو دیکھ کر  
 ابیں پوری طرح مسکرائی تھی ایک نئے غم سے متعلق کر دی گئی۔ اب اس کے  
 رابطہ دینے میں حزن و غم کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ نہ مسکراہٹ نہ  
 ہنسی، نہ تہمتہ۔ اسی بزرگی کے عالم میں خورشید کا بائیسواں سال شروع  
 ہوا۔ جبکہ عورت کا شباب اپنی انتہائی بلندیوں پر پہنچ کر مٹ جاتا ہے۔

تم شری رزگ کے طبل کے ایک ٹائپے میں چند گلاب کے  
 پھولوں کو لے لو اور خوب سل ڈالو۔ اور انہیں چینکے دو۔ — پھر جو  
 کیفیت تمہارے دل میں پیدا ہوا اسے کہنے کی کوشش کرو۔ شاید ان باتوں  
 کو تم کہہ نہ سکو گے۔ خورشید بھی ایک مہکتا ہوا پھول تھی جو مٹنے کے بعد  
 دُور پہنچ گئی تھی۔

بائیسویں سالگرہ پر مجھے اُس نے مدعو کیا تھا کئی مہینوں کے  
 بعد خورشید کی یہ تقریر مجھے ملی تھی۔ اور دل بھی نہیں چاہتا تھا کہ خورشید  
 کے کہنے کو ٹال دوں۔  
 میں پوسٹ پر جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

خورشید کا کاشا نہ جو "فردوس" کے نام سے مشہور تھا۔  
 ہزاروں ملاقات کو لے کر لے کر ایک آدس، بھول میں استلوا تھا۔ بیڑ میں  
 بزرگ خورشید میرا انتظار کر رہی تھی میں نے خورشید کو دیکھتے ہی کہا "بائیسویں  
 سالگرہ مبارک ہو" — "یہاں — آکھو" اور پھر فونکے اسنے اپنے سچے  
 چہرے پر نہ جھلنے کیوں گھونٹ کھینچ لیا۔

سنگولی میں قوم  
 ہمایوں نیوز ایجنسی صدر بازار سے ۶ ریس  
 خرید سرائیے

## گیت

منصور معجزی لکے

انکھیاں ملا کے ساجن دیکھو نہ بھول جانا  
 تم ہو تو میں سہاگن دیکھو نہ بھول جانا  
 ہر چیز سے سہانی جب تم ہو پاس میں  
 جب پاس تم نہ ہو گئے تو ہوں گے غم کے پیر  
 سونا لگے حاکم آگن ، دیکھو نہ بھول جانا  
 انکھیاں ملا کے ساجن دیکھو نہ بھول جانا  
 تم ہو تو میں سہاگن دیکھو نہ بھول جانا  
 تم ساتھ ہو جی تک بھاتی ہیں یہ مو آئیں  
 چپکے مٹا لئے بالم چھائیں گی جب گمشائیں  
 چھترے کا مجھ کو ساون، دیکھو نہ بھول جانا  
 انکھیاں ملا کے ساجن دیکھو نہ بھول جانا  
 تم ہو تو میں سہاگن دیکھو نہ بھول جانا  
 تم دھوکہ دے گئے تو جاگے گا کون کہنے؟  
 لگ جائے گا مگر ماں اک درو دل میں رہنے؟  
 نازک ہے من کا درپن، دیکھو نہ بھول جانا  
 انکھیاں ملا کے ساجن دیکھو نہ بھول جانا  
 تم ہو تو میں سہاگن دیکھو نہ بھول جانا  
 جب تم ہی دور ہو گے بھائیں گے کیا نظر لے  
 پا کر مجھے اکیلی چھتریں کے چاند تارے  
 دے گی نہ سونے کلپن، دیکھو نہ بھول جانا  
 انکھیاں ملا کے ساجن دیکھو نہ بھول جانا  
 تم ہو تو میں سہاگن دیکھو نہ بھول جانا  
 سنسار بھر میں یتیم میرے کو اک بھتی ہو  
 تم من کا ہوا جالا، نینوں کی روشنی ہو  
 جیون ہے تم کو ارپن، دیکھو نہ بھول جانا  
 انکھیاں ملا کے ساجن دیکھو نہ بھول جانا  
 تم ہو تو میں سہاگن دیکھو نہ بھول جانا

## طبقات ایم اے

# ہمارے تہذیب و تمدن اور اس کا تحفظ

کی پان اسلامی د  
جنگ و طغیان، ماحول کی خصوصیات اور مقامی تمدن پر زور دیا جائے خوش فہمی سے وہ تحریک ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی اور اسے ختم ہونا بھی چاہیے تھا تاہم اس کو اس کا نتیجہ کوئی بھی نہیں نکلا۔ اس لئے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ادب ہم اے محسوس بھی کرتے ہیں کہ یہ ایک فاش غلطی ہو گئی اگر ہم اسلامی تاریخ کے پیرو ہمارے کے رخ کی طرف نہ بڑھ کر اسے دوسری طرف موڑنے کی کوشش کریں اپنے کو اسلامی اخوت سے دور رکھنا ذمہ منقطع بلکہ بڑھ کر ہے خصوصاً موجودہ زمانے میں۔ برطانیہ کی نام نہاد سلطنت بے پروا ہے جس کی لشکر و ناکہاں بعض مصنوعی طور پر ہوتی ہے دھوکا کرتی ہے کہ وہ دنیا میں امن و امان اور آزادی کی فضا پیدا کرنے کی ضامن ہے۔ لیکن اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں نہ اس میں ذرا بہ ابر بھی صداقت ہے۔ ابھی جو جنگ عظیم ختم ہوئی ہے اس کے نتائج و اثرات ہمارے سامنے ہیں۔ سچا پوچھئے تو مسلمان اور صرف مسلمان ہی ایسا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ اسلام ہی اتنا دودھ جھٹکا ایک قدرتی ذریعہ ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ اگر اسلامی مذہب و تمدن کے ذریعے مسلمانوں میں اتحاد قائم کیا جائے تو وہ روحانی، حقیقی اور بالکل اتحاد ہو گا۔ جسے دنیا کی کوئی طاقت مٹا نہیں سکتی بالفاظ دیگر یہ اخوت اس آزادی اور جمہوریت کا ایک ایسا قلعہ ہو گا جس میں کوئی خارجی طاقت رخنہ نہیں ڈال سکتی۔

اسلامی برادری کے رکن ہونے کی حیثیت سے ہندوستان کے مسلمانوں

نے بھی تمدن کا ایک پیش بہا غور کرنے میں پایا ہے اس میراث کو سنار نے اور اسے پروان چڑھانے میں وہ زما دہاتی میں نمایاں حصہ لے چکے ہیں اور امید کی جاتی ہے کہ مستقبل قریب و بعید میں بھی وہ اسے ترقی دیتے ہیں۔ کوئی خدشات انجام میں گئے۔ ان کا سب سے اہم میراث یہ احساس ہے کہ وہ ایک شاندار تمدن کے مالک ہیں، عربوں کا فانی فلسفہ، اہل یونان کی فصیح و فطیح

دنیا کے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے مسلمان بھی سجا طور پر ایک قدم تہذیب و تمدن پر فخر کر سکتے ہیں اس تمدن میں ان کی شاندار تاریخ، ان کے بے شمار کلاسیک اور فنون، نیز نیلے سادہ و دلنشا، دنیا کے سیناست، دنیا کے معاشیات اور فنون لطیفہ میں ان کی نمایاں ترقیاں شامل ہیں۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ان ترقیوں میں شہ اسلام کا اثر عام ہے۔ اس کے اثر نے اختلاف میں ہوا الفت و موافقت پیدا کر دی و شیا کی مختلف مذاہب کے منتشر اور جھجھکے ہوئے کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ ان میں اخوت و محبت کی لہر دوڑادی اور ان میں ایسا اتحاد و اتفاق قائم کیا جس کی نظیر مٹی نہ صرف شیش بلکہ ناکھن ہے۔ اس دور کے مسلمان شیخ اسلام کے پرانے اور اسلامی تعلیم، اصول و احکام پر سختی سے کاربند تھے۔ اس لئے اہل غیر مسلمی ترقیاں بھی حاصل ہوئیں۔ یہ ضرور ہے کہ آج مختلف ملکوں کے مسلمانوں میں کچھ فرق ہے اور اس فرق کے فوفاغال ان کے تمدن، تہذیب و معاشرت کے آئینے میں نظر آتے ہیں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس اختلاف سے اسلامی اتحاد و یکتائی کی دعویٰ تاریک ہو گیا و صندلی میں دھوکی شروع اسلام سے جب تک عالمگیر اتحاد کی روشنی سے دنیا کے اسلام منور ہے اور اس نے کہیں مقام و ماحول کے اثرات کو قبول نہیں کیا

## مسلمانوں کا اتحاد

مسلمانوں کی جہاں تہذیب و اخوت مصنوعی یا جھیلی نہیں۔ اگر ہم دنیا کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کہ مسلمانوں کا اتحاد ایک سحر حقیقت ہے جس کا سینکڑوں مرتبہ جائزہ لیا جا چکا ہے اب اس کے ثبوت و شواہد کی ضرورت نہیں رہی۔ عرصہ ہوا کہ دنیا کے اسلام میں عام طبی رجحان تھا کہ اسلامی اتحاد و اخوت کا جذبہ بولوں سے مل کر رجوع ہوا۔ تاہم یہی نقطہ نکاسے انیسویں صدی

آنا دیکھتا ہے کہ وہ اپنا رائے اور مرضی کے مطابق تمام کام انجام دے سکتا ہے لیکن اسلام میں وہ ملی مسئلہ سمجھتا ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں فرد کی شخصیت اسی وقت تک قائم ہے جب تک وہ ملت اسلامی کے ساتھ ہے اور اسلامی اصول کے تقویٰ کا اقرار کرتا ہے اس ملت کا وہ ایک سرگرم کاکن ہے جس طرح فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ کسی صورت میں بھی ملت سے علیحدہ نہ ہو ٹھیکہ کسی طرح ملت بھی اس کے جائز حقوق کو نظر انداز نہیں کرتی۔ دوسرے مذاہب میں فرد اور ملت کا یہ رابطہ باہمی نام کو بھی نہیں ہے ان کے اصول اسلامی اصول سے مختلف ہونے کی حیثیت سے کامیاب بھی نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر عیسائیوں کو لے لیجئے ان کے یہاں مطلق کے دو مختلف معیار ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عیسائی ملکوں میں بھی عیسائیت کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔

## انفرادی حقوق

اسلامی ملت فرد کی عزت کرتی ہے اس کے وجود اس کی اہمیت کو بھی تسلیم کرتی ہے لیکن اس کو انسانی آزادی نہیں دیتی کہ وہ ملت کو چھوڑ دے یا اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائے اس نے اس کے لئے ایک ملی تعمیر کر دی ہے جس کے حدود میں رہ کر وہ ممکن حد تک زیادہ سے زیادہ بہرہ مال ملت کی عظمت کا اقرار اور اسلامی اصول کے تقویٰ کا اقرار کرنا اس کے لئے بہت ضروری ہے۔

فرد کو اسلام کی دی ہوئی نعمتوں میں ایک یہ بھی ہے کہ اسے مذہب کے معاملے میں پوری آزادی ہے اسے اپنی مرضی کے مطابق بغیر کسی شخص کی مداخلت کے خدا کی پرستش کر سکتا ہے ہندوؤں کے یہاں کج کاری ہے اور عیسائیوں کے یہاں پاوری۔ دوسرے مذاہب کے تعصب اور تنگ نظری نے فرد کو انسانی آزادی نہیں دی۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ کوئی شخص ہی کیوں نہ ہو اگر وہ اسلامی قواعد و ضوابط کا ماننا ہے تو وہ مذہبی احکام ادا کر سکتا ہے اس کے برعکس دوسرے مذاہب کے اکثر و بیشتر معاملات و احکام میں فرد کو دین دینے کا کوئی حق نہیں ہے اسلام نے ہر مذہب اور دین کے قہر کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ اس نے ایک جماعت کے اس دعویٰ کو مٹا دیا اور خدا کے سلسلے کی درمیانی کڑی کی حیثیت رکھتے ہیں باطل کہہ کر فرد کو ایک اعلیٰ مقام پر پہنچایا ہے۔ مزدت ہے کہ ہر مسلمان کو اس کا احساس ہو چکا ہے کہ دوسرے حضرات اس کے لئے کو انسانی اہمیت نہ دے سکیں یہ ایک حقیقت ہے

شرعی جس کا کس اندوختہ کی صورت میں ہندوستان میں بہت بے پائی، مسلمان اور غلام کی یادگار عمارتیں، عبادتوں کی ریاست اس میں قابل ہیں وہ خوبصورت گنبد اور جائے محراب غیر فانی یادگار ہیں ہونے کے علاوہ ثابت کرتے ہیں کہ مسلمان فرد اور اپنے اعتبار و عبادت، و افضل و وسیع المشریت ہے یہ روحانیت کی مدد نہیں تو لکھ لیا ہے کہ وہ ہندوستانی باشندوں کے مذہبی مسائل میں مداخلت کرنے کی بجائے ان کے مذاہب کی سلامتی اور ترقی کی خاطر خاص تدبیریں کرتے تھے ایک ایسے مذہب کے لئے جو ان کے ذہن سے بہت مختلف بلکہ اسکی مخالفت تھا۔ اگر ہم اپنے تمدن و تہذیب پر غور کر کے ان کا تجزیہ کریں تو معلوم ہو گا کہ اس میں چند خاص خصوصیات اور اصول ہیں جو دنیا کے دوسرے مذاہب کے اصول سے بالکل مختلف ہیں ان اصولوں پر مسلمان شروع اسلام ہی سے کام بند تھے اور چند اسلامی اصول کو ایسے میں جن کے مسلمان آج بھی سختی سے پابند ہیں ان کی مطابقت انہیں زریں اصولوں قائم ہے اور دنیا کی کوئی قوم ان معاملات میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

در اصل یہ اصول تعمیر اسلامی کی مستحکم بنیادیں ہیں۔

(۱) انفرادی خودداری

(۲) جہاد و مساوات

(۳) ملی و سیاسی جمہوریت

(۴) صداقت و شرف و تحسین

اسلام نامہ زندگی کے ملی قوانین کا اگر ہم اس کی ملی تعلیموں پر غور کریں جو روحانیت کے دقیق مسئلوں سے لیکر ضروریات زندگی کے چھوٹے چھوٹے مسائل کی تکمیلی ہوتی ہے تو ہمیں یہ اقراء نظر آئے گا کہ اسلام انسانیت کو، روحانی، اخلاقی اور جسمانی نمک لہنے کا مسد سے اکٹھے اور ان کے مطالعات پر پہنچانے کے لئے آیا تھا۔ اسلام ہمیں ان معاملات میں بھی تعلیم دیتا ہے جنہیں دوسرے مذاہب نے قوی اور معمولی باتیں سمجھ کر کوئی اہمیت نہیں دی اور نہ انہیں مذہب کے دائرے میں رکھنا ضروری سمجھا۔ اسلام کے قوانین اور اصولوں کی جامعیت، افادیت و اہمیت سے کسی غیر مسلم کو بھی انکار نہیں ہے کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ دوسرے مذاہب کے پیرو بھی اسلام کے نافذ کردہ احکام و اصول پر عمل پیرا ہیں۔ اسلام کا بنیادی قانون میں تعمیر اسلامی کا انحصار ہے یہ کہ زندگی چند مختلف حصوں اور ملکوں میں تقسیم نہیں ہو سکتی دوسرے مذاہب کی تعلیم کے خلاف اسلام ہمیں سکھا کہ ہم اپنی زندگی کو جامع و مکمل سمجھیں۔ دوسرے مذاہب میں ایسے مسئلے ہیں جن میں ایک ملک کو پوری

دوسرے پختہ مسلمان کے سے حقوق کا اقتدار ہو جاتا ہے اور دوسرے مسلمان اسے اپنا سمجھتی سمجھتے ہیں اسے اسے حقوق حاصل ہو جاتے ہیں کہ تبدیل مذہب سے پہلے وہ ان کا خیال بھی ذکر کرتا تھا اگر اس کلمہ نگاہ سے مسلمان یہ دوسرے کریں کہ وہ دنیا کی ترقی یافتہ جمہوریت پسند قوم ہیں تو یہ بھی انہیں ہو چکا۔

## اسلام میں عورتوں کی مرتبہ

اب عورتوں کو لے لیجئے غیر مسلموں کا عموماً اور عیسائی یا یوں کی خصوصاً مسلمانوں پر یہ اقرار ہے کہ انہوں نے اپنی ملت میں خواتین کو ایک بہت ہی نیچا درجہ دیا ہے لیکن یہ اقرار اس کی زبان سے کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا جن کی عورتوں کو مسلمان عورتوں کی طرح اودھاق حق بھی حاصل نہیں ظاہری نصیحتیں اکثر غریب میں ڈال دیتا ہے اور یہ ناممکن نہیں ہے کہ ہم باطل کو حق سمجھ لیں۔ سچ تو یہ ہے کہ غریب کی نام نہاد آزاد عورتوں کو حق و حرکت کا آزادی کے سوا کوئی آزادی یا حق حاصل نہیں۔ سب سے پہلے اسلام ہی نے عورتوں کو آئنا حق دیا کہ وہ جائیداد کی وارث ہو سکیں مگر یہ روپ کی عورتوں کو آئنا حق بھی حاصل نہ تھا کہ وہ وارث جائیداد ہوں۔ آج چودہ سو سال کے بعد ان کی انھیں ملتی ہیں اور ابھی حال ہی میں مغرب کے چند حکمران خواتین کے اس جائز حق کو تسلیم کیا گیا ہے لیکن اس میں بھی بہت کمی رکھا گیا اور شہرہ آفاق خواتین کی وجہ سے یہ حق اکثر مشروط ہو جاتا ہے۔ علاوہ ان کے مسلم خواتین جائیداد وغیرہ کسی بھی ذریعہ سے ان کے معاملات میں انہیں اتنی آزادی ہے کہ ان کی مغربی بہنوں کو وہاں میں بھی نصیب نہیں ہو سکتی۔ اور اس مغرب عورتوں کو ایک ناگوار حیثیت دیتا ہے کہ جس کو ایک برابری عورت پرست چاہتا ہے لیکن یہ غلط اور محض غلط ہے۔ ان کے مسائل میں بھی بہت کمی اور سال یعنی ۱۹۷۰ میں وہاں کی خواتین کو ووٹ دینے کا حق دیا گیا اس سے بڑھ کر کیا اور کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ یوروپ کے اکثر ملکوں میں ایک شادی شدہ عورت انہی عورتوں کے چکر پر دستخط کے اسے بھنا بھی نہیں سکتی اور ان کے مسائل اور جائیداد کی مسئلہ اور اس سے پیدا ہونے والی پیچیدہ مسائل اور یوروپ اور دوسرے غیر مسلم ممالک کے نصیبیت و تعلیمیت کا باعث ہیں وہ شادی کو ایک کھین سمجھتے ہیں وہ اس میں کوئی خاص حکم قول و غیر کو غور نہیں سمجھتے وہ اس غریب میں مبتلا ہیں کہ کوشش اندوہان ایک مستقل و مستحکم رشتہ ہے جس کا کوئی ناہت مشکل ہے حالانکہ اس غلط نظریہ کے بہت خطرہ کا یہ سمجھتے

کہ مسلمان کو کچھ یوں امداد پاروں کے ناقابل برداشت ظلم سے نجات دلانا ایک انقلابی امر ہے اس کے علم چنانچہ راج میسویں صدی میں بھی دیکھتے ہیں کہ مسلم ہی ایک رہا مذہب ہے جس میں بھاریوں اور پاروں کا ظلم عام کو بھی نہیں ہے۔ یہیں انھوں نے اس میں بھی ہے کہ اسلام کے اس احسان کا احساس بہت سے کسانوں کو بھی نہیں ہے اور یہ دیکھ کر بے حد تکلیف ہوتی ہے کہ اسلام میں بھی ایک روحانی جماعت پیدا ہوئی ہے۔ طغ کی بات ہے کہ اس جماعت کے مختلف خاندان کے افراد میں تسلسلہ وار تسلسلہ وار سب روحانی طاقت منتقل ہوتی رہتی ہے۔ ایک بیٹا جو اپنے باپ کی پسند خلافت کا وارث ہوتا ہے روحانی حیثیت سے بھی اس کا خلیفہ ہے جس کی جماعتیں آج بھی موجود ہیں لیکن یہ ایک نگر حقیقت ہے کہ اس نام نہاد روحانیت کو عام آدمی کے لیے مسلمانوں کی کسی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا اور خاندانی فیزیشہ و پرپروں کے اشارتہ عرفان کو لکھ رہا ہے جو باطل میں۔ وہی ہیں جن کا عقیدہ باطل ہے اور جنہیں اپنے حقوق کا احساس نہیں ہے۔

## مساوات اسلامی

اسلام نے صرف افراد کے حقوق کی تشریح کی ہے بلکہ ان کی محافظت کا ذمہ بھی لیا ہے۔ ایک ایسی ہی عمارت بنا دی ہے جس کی بنیادیں افراد کے حقوق ہیں کیا اس کے کوئی انکار کر سکتا ہے کہ سب سے پہلے اسلام ہی نے مساوات اور جمہوریت کی بنیادیں عمارت تشریح و تعریف بیان کی۔ اسے وقت میں جگہ دنیا کی دوسری قومیں تقریباً آدھی تھیں اور مساوات و جمہوریت کے خیالات ان کے دماغ و فکر میں بھی نہ آ سکتے تھے سب سے پہلے مسلمان ہی اس مساوات پر ترقی سے کام لے رہے تھے اس مقصد کی تکمیل کا آلہ مسجد ہی جس میں مراتب و افراق و امتیاز نہیں اور جہاں مرتبہ و دولت و غیرہ کے فرق کو مٹاتے ہوئے ایک ہی صف میں اسیر و غریب، بادشاہ و رعایا، بزرگ و ادب کے نمازیں اکا کرتے ہیں ہو سکتا ہے کہ آج ملت اسلامی میں بھی دولت، حیثیت یا مرتبہ کے لحاظ سے جماعتیں ہوں لیکن اس قسم کی جماعتیں بہت زیادہ نہیں برائے نام ہیں کیونکہ مسجدوں میں مکمل مساوات کا خیال رکھا جاتا ہے اور وہاں کسی کو روٹی کے لیے یوروپ کے کلیساؤں کی طرح کوئی خاص جگہ مخصوص نہیں ہو سکتی مسلمانوں کے ملی تعلقات پر اس مساوات کا بہت زیادہ اثر پڑا اس کا کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ اسلام میں عورتوں کا مسئلہ نہیں ہے یا کم از کم چندہ سماج کی طرح ”بھوتنا“ یا بیچ قوم نہیں ہیں وہ خود چاہے وہ کتنا ہی بیچ قوم سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو مسلمان ہونے کے بعد



دعوت میں آپکے ہیں یا یوں سمجھ لیجئے کہ عیسائیوں کے یہاں ذل و شہرہ کا پس میں غریبین وقت کے لئے عارضی معاہدہ کرتے ہیں اور دونوں کی مرضی سے معاہدہ نہایت آسانی سے ٹوٹ سکتا ہے شادی کے متعلق ہمارے دن کے نقطہ میں مسلمان زمین کا فرق نہ ان سب واقعات کے پیش نظر سمجھا اور بہت بجا ہے کہ جہاں ملک و اقوام کے حقوق کا تعلق ہے ہم مغرب کو بہت کچھ سکھائے ہیں اس سے کچھ سیکھ نہیں سکتے۔

## صداقت کی تلاش اور واداری

اسلام کے دوسرے اصولوں میں صداقت کی تلاش اور واداری تھا اہم ہیں یہ کہنا بہت بڑا ظلم ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں نے اسلام طواغیت کے ذریعہ پھیلا یا ہے اور ان میں رواداری نام کو نہیں جھپٹت ہے حقیقت اس کے برعکس ہے مسلمانوں کی ایک ہزار سال کی حکومت کے بعد بھی یہاں ہندو اکثریت میں ہیں اور مسلمان اقلیت میں۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے دارالسلطنت اور قاضی خاس تھے دسیاسی مراکز میں بھی ہندو بہت زیادہ ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمان طواغیتوں کی سلطہ پالیسی یہ تھی کہ ہندوستانی باشندوں کے مذہبی مسائل میں ہرگز مداخلت نہ کی جائے یہی وجہ ہے کہ آج ہندو ہندوستان میں بہت زیادہ ہیں اگر وہ چاہتے تو ہندو مذہب کو صحیح ہندوستان سے حرف غلط کی طرف مٹا دیتے کیونکہ آئندہ وسطی کے مسلمان باؤشا ہوں گے لے یا ممکن نہ تھا لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اسلام نے ان کو ایسی تعلیم دی تھی اگر وہ ایسا کرتا تو ان کا پھیل اسلامی رواداری کے معانی ہوتا۔ ہندوستان میں بھی مسلمانوں نے صدیوں حکومت کی تعجب کی بات ہے کہ آج وہاں حرف عیسائی قوم آباد ہے اور صرف چند کھنڈر اور ٹوٹی ہوئی عمارتیں جو استعمار زمانہ سے بچ گئی ہیں مسلمانوں کی عظمت و فتوحات گذشتہ کی یاد دلاتی ہیں۔

اسلام میں کوئی شرط کی کونسل: COUNCIL OF TREATY نہیں جس کی وجہ سے اسے غلامت ہو۔ مذہب اسلام سے انکار کرنے کی صورت میں نہ کبھی کسی کو مشرور دی گئی نہ ہلاک کیا گیا۔ مسلمان عام طور سے مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کرتے تھے۔ اسلام کا مقصد دنیاوی امور نہ تھے بلکہ مختلف مذاہم و اعتقاد کے گئے تھے۔

## اسلامی تعلیم اور اصول

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ وہ کون سے اسباب تھے جن کی وجہ سے دنیا کی مختلف

قومیں اسلام کی طرف پھرنے لگی تھیں اس کا جواب ہے کہ مسلمانوں نے کسبِ علم کے طور پر اپنے اچانک مذہب پھیلانے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ اسلام کے محاسن اس کی تعلیم اس کے اعلیٰ اس کے روشن کئے ہوئے قوانین نے لوگوں کو دیر مدہ بنا لیا اور یہ مقبول قاضی و عام ہو گیا۔ پس میں اور دنیا کے دوسرے حصوں میں مسلمانوں کی قومی درسا ہیں تھیں جہاں ہر قسم کے علوم و فنون کی تعلیم دی جاتی تھی یہ وہ مراکز تھے جہاں سے اسلامی اصول و تعلیم کی اشاعت و شاعت ہوئی تھی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جب اسلام نے علم و ادب کی روشنی پھیلائی تو مذہب میں جہالت کی تاریکی پھیل گئی ہوئی تھی اور یہ مسلمان ہی ہیں جنہوں نے یہ انان اور دم کے علم و ہنر کو دنیا کے دوسرے اقوام تک پہنچایا اگر وہ ایسا نہ کرتے تو وہ جوام ہمارے ہمیشہ کے لئے ضائع ہو جاتے۔ رسول اکرم نے تعلیم دی تھی کہ وہ علم حاصل کریں اس لئے انہوں نے یہ انان اور دم کے علم و ہنر کو مشرور نہیں کیا بلکہ ان میں ترقی کی حلاکت و فساد مسلمانوں کی محنت کا نتیجہ تھے اگر وہ غیر مسلموں کے علم و ہنر کو حاصل نہ کرتے تو یہ اسلام کی تعلیم کے خلاف ہوتا۔ اسلام کی اس سپر سٹرنے دوسرے اقوام میں بھی اکتفا علم و ہنر کی اسپرٹ پیدا کر دی ہے اور آج دنیا میں جتنی تحریکیں بھی مشرور ہو رہی ہیں چاہے وہ ہندی ہوں یا کچھ اور ان میں اسلامی اسپرٹ ضرور ہوتی ہے۔

اگر مسلمان اپنے شاندار اسلامی اور قدیم تہذیب و تمدن پر فخر کریں تو یہ جانتے ہیں کہ وہ مسلمان جو ہسپانیہ کے کاموں میں علم و ادب و ہنر اور سائنس کو ترقی دینے میں بہت محنت و مصروف تھے وہ مسلمان جنہوں نے یورپ کی بیداری.....

(RENAISSANCE) کی بنیاد ڈالی تھی وہ مسلمان جو علم و ادب کے دیوانے تھے اور جو اکتسابِ علم کے لئے تکلیف و مصیبت برداشت کر کے دور دراز سفر کرتے تھے وہ مسلمان جو سیاست وال بھی تھے اور جنہوں نے عرصہ دراز تک مختلف مذاہم پر نہایت کامیابی کے ساتھ حکومت کی وہ مسلمان جنہوں نے فن تعمیر میں کمال حاصل کیا اور جن کی یادگاریں دنیا کے طول و عرض میں ایسی عمارتیں ہیں جن کی مثال نہیں مل سکتی۔ وہ مسلمان جنہوں نے سمندر اور دریاؤں کے بے انتہا مصائب کے باوجود جہاز رانی میں بے نظیر کمال حاصل کیا ان میں چند ایسے اولیائے کرام اور شایخ عظام بھی تھے جنہوں نے اپنے خلافت اور اپنی صلح علی (UNIVERSAL LOVE) کی نیک تعلیم سے لوگوں کے دلوں کو وہ دیا اور اسلام کی نشر و اشاعت کی خصوصاً ہندوستان میں اولیائے کرام نے اسلام پھیلانے میں بڑی مدد دی یہی لوگ اسلام کے علم بردار تھے جن کے انحال و احوال سے ہمیں سبق حاصل کر کے ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

در اصل پاکستان کا مقصد مسلمان قوم کی جدوجہد ہے اپنے حق و عدالت

**اجمیر میں قوم**  
 نذیر محمد اکیٹ سرنگر روڈ  
 عبدالغفور بک سیلر گڈری بازار  
 محمد ولی بک سیلر فیض احمد روڈ  
 یوفین منزل سے  
 ۶ آنے میں خریدیئے

اور چلتی تھیں وہیں کو محفوظ رکھنے کی اس شاندار مافیہ قدیم تمدن کے  
 ہیں یہ احساس ہو رہا ہے کہ ہندوستان میں ہر ایک مختلف اور ملیح قوم کی حیثیت  
 سے ہیں۔ یہ ایک کماؤ دوسری قوموں سے ہمارا اتفاق و اتحاد نہیں ہو سکتا بنگال  
 بہار اور سبکی کے حالیہ فسادات، غارتگری اور قتل و غارتگری سے بھی یہی  
 ثابت ہوتا ہے ہندوستان جس دور سے گزر رہا ہے اور مسلمان دشمنی پر مبنی  
 قومیں جس طرح اتری ہوئی ہیں وہ انظرین العین ہے۔  
 لیکن ڈیڑھ سو سال پہلے کے مسلمان اب بھی بے فکر ہیں جس کی کوئی فکر نہیں ہو  
 سکتا اگر ہم دشمنوں کی جال اور ان کے حملوں سے محفوظ رکھ کر اپنی انزویت  
 تمام رکھ سکیں تو پاکستان کے مسئلہ کی جد و جہد کرنی پڑے گی ہو سکتا ہے  
 کہ روکتے میں بہت سی دشواریاں ہوں اور ہمارا سفر خطرناک اور صبر آزما ہو  
 لیکن ہمیں ہماری کامیابی یقینی اور لازمی ہے۔

## آثر جلیلی

شیرازہ حیات پریشاں ہے ان دنوں  
 ہر روز غیرت شب ہجراں ہے ان دنوں  
 افسانہ حیات کا عنوان ہے ان دنوں  
 وہ زیر بار خار مغیلاں ہے ان دنوں  
 مانوس کوہ و دہشت بیابان ہے ان دنوں  
 نا آشنائے سنبل و رجاں ہے ان دنوں  
 اس پر گمانِ کلبہٗ احزاں ہے ان دنوں  
 وہ زیرِ مشقِ صرصر و طوفاں ہے ان دنوں  
 جو جو رکھی ہے شاملِ اجاں ہے ان دنوں  
 مدارِ اوجِ تختِ سلیمان ہے ان دنوں  
 مصروفِ شکوہ غم دوراں ہے ان دنوں

## ان دنوں

دل شکوہ سنج گردشِ دوراں ہے ان دنوں  
 ہر شب حریفِ طولِ قیامت ہے بالیقین  
 اک یاس بے نہایت و اک رہنمائی کے کنار  
 تھی جس پر کل نزاکتِ گلبرگِ تر گراں  
 وہ دل کہ صبرِ رنجِ حزن و عشق تھا  
 خلاقِ رنگ و نور کبھی تھی جو چشمِ شوق  
 وہ سینہ تھا جو مشرقِ خورشیدِ لازوال  
 بادِ بہار صبح جسے ناگوار تھی  
 منے لگا ہے ذہن سے پندارِ برتری  
 اقلیمِ دو جہاں کو جو گردِ آستانہ تھا  
 کیا پوچھتا ہے مشغلہٗ بائے آثرِ ندیم!

# چلمن جو نیاں نک ہی ہیں چلمن

رفیق غازی سیالکوٹی کے افسانوی ادیب شاہکار جبکہ ہر حرف سے جوانی، زندگی، فطرت، جشن، ادا، نزاکت خیال ادبی لطافت اور پاکیزہ فن کاری کی پریاں جھانک ہی ہیں ہمیشہ ہدایت شاہ باؤس کی تازہ ترین پیش کش ہے۔ ان افسانوں میں سماج پر گہری تنقید، زندگی کا نفسیاتی تجربہ اور فن افسانہ نگاری کی حقیقی تکمیل پہلو پہلو نظر آتی ہے۔ آنسوؤں میں مگر مسکراہٹوں کی توس و فزح رنگین مسکراہٹیں ہیں مگر آنسوؤں کے موتیوں سے لبریز یہ سالنامہ عک کی یادگار

## افسانوی شاہکار

زندگی اور صداقت لبریز، کتابت معیاری طباعت نفیس اور خوش نما گہ دو پوش کنقہب منظر اشاعت پر آنے والا ہے

قیمت

فی جلد دو روپے (دعا)

مکتبہ کاپتا

مشہور پبلشنگ ہاؤس اردو بازار دہلی

میں جھوم رہا ہوں تو جہاں جھوم رہا ہے  
میکد علم واد او خنخانہ شعرو شبا کے چھلکتے  
ہوتے  
پیمیں  
گردش میں آئے گئے

ہر پیمانہ۔ ادب و انشا کی کشادہ ناز سے لبریز ہے ہندوستان کے مشہور شاعر افسانہ نگار ادیب حضرت مہاراجا القادی جی کا افسانوی مجموعہ کا ہر افسانہ نفسیات انسانی کا آئینہ۔ فن افسانہ نگاری کا شاہکار۔ علم و ادب کا جواہر پارہ۔ ترتیب و تدوین کا اسلوب بیان کے اعتبار سے بے نظیر ہے۔ ان افسانوں میں زندگی ہے لطافت، ہے واقعت پسندی ہے اور سماج کے دل کی دھڑکنیں ہیں۔ ماہر کی زبان اردو سے معطی کا دلنیز نمونہ ہے۔ اس مجموعہ میں ماہر القادی کا افسانوی آرٹ پوری تکمیل کے ساتھ نظر آتا ہے۔ طباعت نظر نواز کتابت نظر فریب اور ترتیب نظر افروز ہے۔ کیا آپ کتب خانہ اب تک اس انمول ادبی تحفہ کو

محروم ہے

قیمت

فی جلد دو روپے (دعا)

# سلوٹیں

## اشعر ملیح آبادی

تم نے پھر مجھ سے کیا ہے وہی بے ربط سوال  
”تم جب آتے ہو مے پاس۔ مجھے دیکھتے ہو  
میں سمجھتی ہوں کہ غم ہو گئے۔ ہنسو گے شاید  
تم لگے چپے۔ فسرہ سے نظر آتے ہو  
سلوٹیں سوچ کی ڈالے مجھے پشیمانی پر  
میں سنوں۔!! مجھ کو بتاؤ کہ تمہیں غم کیا ہے؟

میری دنیا میں مسرت کی کرن بے معذم  
بے بسی چار فسرے مجھے جکڑے ہو ابھی  
یہ مرے گرد روایات کہن کے حلقے  
یہ رسومات کی ہر بات میں طبعی چالیں  
گردِ اوہام میں لپٹی ہوئی اندن دنیا  
مجھ سے دیکھے نہیں جاتے یہ زمانے کے چلن  
سوچتا ہوں کہ بدل جائے یہ فساد نظام  
اور اس رات کی تابندہ سحر سے پھوٹے  
سکراتی ہوئی ہستی ہوئی اک سرخ کرن

ہاں مری منوں و غمخوار! محبت کی آئیں!  
بارہا تم نے کیا مجھ سے یہ بے ربط سوال  
اور کچھ سوچ کے ہر بار میں خاموش رہا  
اب سنو!! تم کو بتانا ہوں مجھے غم کیا ہے

آج تک میں نے کئی بار محبت کی ہے  
نوجواں پاک انگلیں مے دلیں بھی اٹھیں  
آہ لیکن یہ زمانہ!۔ یہ زمانے کے خدا  
سب نے ہر بار مے عشق کو بدنام کیا  
اور انجام!! وہی یاس۔ وہی تنہائی  
اور اب شدتِ احساس ہے ہوں نالہ لب

تم سے مل کر مجھے تسکین تو ہو جاتی ہے  
پھر بھی میں سوچتا ہوں سوچتا ہوں مہم  
پھر نہ یہ پاک محبت کہیں رسوا ہو جائے  
جس کا انجام جدائی ہو۔ فراموشی ہو  
تم نہ افسردہ ہو! شکوہ نہیں مجھ کو تم سر  
سلوٹیں ہیں مے ماتھے کی۔ تفکر کا نشا  
آتشِ زیست کے پھڑکے ہوئے شعلوں کا دھواں

## انتظار

## الطاف پرواز

آج کا دن بھی اسی طرح گزر جائے گا  
 آج کے دن بھی کسی کو نہیں آنا ہے  
 آج بھی میرے مقدر کو ستم ڈھانڈے  
 لذت و درد کا شیرازہ بکھر جائے گا  
 ایک منصوبہ خیالات میں مرجائے گا!

پاٹ کر تیرہ خلاؤں کو پسی آتی تھی  
 اپنی آغوش کو کھولے ہوئے مانندِ نسیم  
 سکراتی ہوئی بل کھاتی ہوئی میری ندیم  
 خواب بن کر مے ماحول پہ چھا جاتی تھی  
 شمع بن کر مے لمحات کو چمکاتی تھی

بار بار وقت کے جھونکوں پہ بھائے ہیں چراغ  
 بار بار ٹوٹتے دیکھے ہیں تارے میں نے  
 پائے ہیں سرمئی آئینے کے اشارے میں نے  
 جھلکایا ہے کئی بار مرا کج و مبالغہ  
 ہاں مگر آج نہ پاؤں گا نسیمی کا سرخ

اُس کے حالات بدلتے ہوئے دیکھ تو نہیں  
 کون سی مصلحت تازہ نے آگیرا ہے  
 اس کے احساس پہ چھایا ہوا اندھیرا ہے  
 اطلاعات سنبھلتے ہوئے دیکھے تو نہیں  
 تیرے سینے سے نکلنے ہوئے دیکھے تو نہیں

سوچتا ہوں کہ بدل سکتی ہے تقدیر نظر  
 پھر نسیمی مرے ماحول پہ چھا سکتی ہے  
 روح، پھر گیتِ مسرت کے سنا سکتی ہے  
 شب کے پُرہوں مکان سے نکل آئے گی سحر  
 یا ابھی دور رہے گا مری آمہوں سے اثر

(۶)

غنی خاموش ہیں افسردہ پھولوں کی قطار  
 آج کا دن بھی اسی طرح گزر جائے گا

## شام سویرا

## شام سویرا

رونی جب گنگنائی تو غریب کی رباعی کی جنت میں کھوجا...  
اور وہ سوچتا عورت بھی غریب کی ایک رباعی ہے۔ جو اسے شہری  
و۔ تنوں میں ایک جنت آباد کرتی ہے۔ ایک خوبصورت سی جنت۔  
پھر ایک دن دوپہر کے سنانے میں دو نیکمری سے لب واپوٹے  
اور آواز جیسے درد بہت دور صبح کی ہلکی ماندہ روشنی اور ہلکی ہلکی تیرگی  
کے درمیان کسی مندر کی گھنٹیاں بج آگئی ہیں۔ یا حسین ساز پر کسی  
رقاصہ کے پاگل۔ یہ وہ آواز تھی جب رونی نے اپنے بالغانہ پناہ  
کہا تھا ”آپ بہت پریشان رہا کرتے ہیں“ اور جلد اس طرح ادا کیا  
گیا تھا جیسے وہ دونوں بڑوں کے ملاقاتی ہوں۔

’آپ؟‘ ... وہ چونک پڑا۔

’جی میں! اس نے مسکراتے ہوئے طنز یہ کہا۔

’میں آپ کا نام پوچھ سکتی ہوں‘ مسکراتے ہوئے لبوں نے سوال  
کیا

’جی مجھے راشنی کہتے ہیں‘

’اور مجھے رونی‘ پھر دوپہر کے سنلے میں وہ دور چلی گئی۔ اور  
چوڑیوں کی لاچوٹی جھونکار۔ اس کے کانوں میں بہت دیر تک بجتی رہی۔  
اس کے بعد اس کی دوسری دنیا تھی اور وہ! ... وہ دنیا جو اس  
نے آنکھوں کی محبت سے بنائی تھی۔ اس سے بنائی تھی۔ جذبات و تحلیل سے  
بنیاد رکھی تھی۔ اُن کتنی مقدس تھی اس کی دنیا۔ اور وہ مقدس آنکھیں  
آئینہ دیکھتے وقت اس کا جی پاگاہ اپنی آنکھوں کو بوسہ دیدے۔

اس کی محو کی ہستی ہی۔ وہ سوائے رونی کے۔ کچھ بھی نہیں  
سوچ سکتا تھا۔ رونی اس کے لئے مستقل اور اہم سورج بن گئی تھی  
رونی اس کے لئے ایک دنیا تھی۔ ایک جنت اور ایک حسین کامریہ

زندگی کی ایک اندھیری شام تھی۔ گہری تاریکی گنگنائی ماندہ  
جیسے فلفلہ زدہ ہندوستانی نئی نیلی کالی آنکھیں نغمہ میر جلتی ہوں۔ اور یہ  
گرمش کرتی ہوئی محسوس تاریکی کے دیواروں کے مابین دوچہرے دنیا  
گیا ہوا۔ دنیا تاج ہری تھی۔ دن سے رات۔ رات سے دن۔ لیکن اس  
کی خوشیوں کا نشانہ کامرائی کا سورج کعبہ کا ڈوب چکا تھا اور وہ  
یونہی آنکھیں بھاڑے گہری تاریکی میں گم شدہ روشنی حسیات  
ڈھونڈتا رہا۔

وہ صبح اس کی زندگی کو سیرا تھی جب رونی اس کی زندگی اور  
خبات کے آفت پر زریں چاند کی طرح طلوع ہوئی۔ وہ زندگی کی ڈگر  
پر مدحبت ”حسن“ کے جام لئے وہ ڈھٹا رہا۔ وہ جانتا چاہتا تھا آخر محبت  
وہ کس ہے کیا؟

بہت دیر بعد وہ اس نتیجے پر پہنچ سکا کہ تباہ حسن کے سینے  
میں محبت کی ٹرک ہوئی ہے اور محبت کے سینے میں حسن کی! ... زندگی  
کے ایام میں حسن سورج کی کرؤں میں فنا ہو جاتا ہے۔ دن اور رات اسے  
کھلبلتے ہیں۔ زمین اسے اپنے آغوش میں سمیٹ لیتی ہے۔ لیکن محبت  
ایک لافانی غے ہے۔ اس لئے وہ محبت کا پر۔ سارا اندھا ہو جانے کے  
بد بھی آنسوؤں کے پھول حسن کے دیو تپا پھیا اور کرتا رہا۔

رونی اس کے مکان کے مقابل کمرے کے حیر پر دوں سے  
جھانکنے والی ایک حسین لڑکی جس کی آنکھوں میں اتنی تابانی تھی جیسے  
ستاروں کی دنیا آبلو ہے۔ اور وہ چاہتا ان ستاروں کی دنیا میں فنا ہو جائے  
ان آنکھوں کی گہرائیوں میں ڈوب جائے۔ وہ آنکھیں بہت دیر تک  
اس کے ذہن و احساس پر چھائی رہیں۔ وہ چاہتا کہ ان آنکھوں کی  
روشنی اس کی آنکھوں میں منتقل ہو جائے۔



## امید رضوی

## سوزِ ناتمام

رخصت لے دوست کہ ہنگام سفر آئی گیا  
 زلیست و شوار بہر گام ہوئی جاتی ہے  
 زندگی رہسہ بھرا جام ہوئی جاتی ہے  
 پھیر لے اپنی نظر چھوڑ دے میرا دامن!  
 دور جانا ہے مجھے شام ہوئی جاتی ہے  
 رخصت لے دوست کہ ہنگام سفر آئی گیا

مجھ سے مت پوچھ کہ اس دنیا میں کیا دیکھ لیا ہے  
 کیا سناؤں تجھے انسان بزم ہستی  
 یہ غم و دور کی محفل یہ جہان بستی  
 جو رو بیداد کے ہونٹوں پہ سناک ہنسی  
 بزم انسانی پہ چھایا ہوا یہ ابر سلال  
 زندگی کھلی ہوئی، غیسروں کی ٹھکرائی ہوئی  
 رنج ناداری کی ماری ہوئی بزم انساں  
 نیم جاں فاقوں سے انسان غموں کے پیکر  
 یہ مناظر یہ سسکتی ہوئی زندہ لاشیں  
 یہ بکتے ہوئے بچے یہ سسکتی مائیں  
 یہ ٹھٹھرتے ہوئے انسان یہ مجبور بشر  
 یہ گدگدایوں میں راہوں کے کنارے انساں  
 پائے انساں میں غلامی کی یہ زنجیر گراں  
 یہ زباں بندیاں ہر گام پہ انسانوں کی  
 جو رو بیداد کا یہ ہر طرف آئین و نظام  
 ذرہ ذرہ پہ یہ تصویر غلامی کے نقوش  
 لبِ مظلوم پہ فریاد کا سیلاب عظیم  
 یہ اُمتِ نازا ہوا طوفان جہاں سبالی سکا  
 زرد و کمزور نقامت سے جو انان وطن  
 سر بازار یہ لشتا ہوا تاج عصمت  
 ہر طرف شور ہے اقوام کو غارت کر دو  
 کشتی بے جان سی لاشیں ہیں گزر گاموں میں

میں نے کیا کیا یہاں کھو یا یہاں کیا پایا ہے  
 کیا بتاؤں میں تجھے حاصل دنیا کیا ہے  
 رنج و آفات کی دنیا یہ دکھوں کی بستی  
 خون آشام دردوں کی یہ بیداد گری  
 ارتقاے بشریت کا یہ مایوس زوال  
 غم و آلام کی چادر میں یہ کفنائی ہوئی  
 صبحِ اُسر پہ چھائی ہوئی شامِ حرماں  
 زندگی مردہ صد سالہ سے جن کی بدتر  
 بھوک کی ماری بکتی ہوئی زندہ لاشیں  
 دکھ کی ماری ہوئی آلام زدہ بیوائیں  
 ہر قدم ٹھوکر میں اٹھاتے ہوئے مقبور بشر  
 غربت و درد کے افلاس کے مارے انساں  
 موزن آنکھوں میں اشکوں کا یہ دریادواں  
 شہر بھلے ہوئے۔ اشکال میں ویرانوں کی  
 قتل و غارت کے یہ برست سے پھیلے ہوئے دم  
 چہرہ زلیست پہ یہ مرگِ دومی کے نقوش  
 لب کشائی پہ یہ باندھی دستور قدیم  
 اور ہر چہرہ مرقع سا پریشانی کا  
 بادِ افلاس سے مچلے ہوئے غنچہ دہن  
 مہندم ہوتا ہوا راہوں میں قصرِ عصمت  
 بند انسانوں پہ دروازہ راحت کر دو  
 کتنے خوابیدہ فنا نے ہیں خرابیوں میں

ایسی رحلہ گزر گئے۔ گزرتا ہے تہجے  
 دُوب کر پستیوں میں چہرے اجڑنا ہے بے



# دو نظمین علی احمد بیگ بہار نو اقبال خلیلی

زندگی کا پھول

آسمان کے نیچے میری زندگی اک پھول تھی  
اس پتیری دھوپ کی چند گھیر لوں کیلئے  
کھل گیا یہ پھول لیکن جلد ہی مرجھا گیا  
لیکن اس برباد و ویراں گل کی اک پنکڑی  
آج تک رکھتی ہے سینے میں وہ گرمی دھوپ کی  
انتظار کی تھکن

جب ترے آنے سے ناامید ہو جاتا ہوں  
ایک اک کمرے بالآخر ٹوٹ جاتی ہر ہر اس  
گہری ہجرت میں میری یاس کی تاریکیاں  
اور کچھ بوجھل سا ہو جاتا ہے دوش زندگی  
اک عقیقہ و سر و حیرت دل پہ چھا جاتی ہے اور  
نبض کی آتی ہریوں آواز میرے کان میں  
جیسے رقاصہ ماندہ پاؤں میں گھنگرو کی لے

رہیں حسرت و اراں بنا کے چھوڑ دیا  
تری نگاہ نے عنوان بنا کے چھوڑ دیا  
مری حیات تری کم نگاہیوں پہ نشا  
ہر اک خلش کو رک جاں بنا کے چھوڑ دیا  
وہ درد کون و مکاں جس کی تاب لانہ سکے  
اسی کو دل کا نگہاں بنا کے چھوڑ دیا  
ترے تبسم رنگیں کا عکس کیا کہنا  
کلی کلی کو گلستاں بنا کے چھوڑ دیا  
جہن سے پوچھے فصل بہار کی قیمت  
گلوں کو چاک گریباں بنا کے چھوڑ دیا  
جمالِ جلوہ گہ ناز ہم بھی دیکھ آئے  
نظر کو شمعِ شبتاں بنا کے چھوڑ دیا  
مذاقِ عشق تری وسعتوں کی عمر دراز  
لہو کی بوند کو طوفاں بنا کے چھوڑ دیا  
نوازشِ نگہ ناز کو حسد رکھے!  
فریب خوردہ اراں بنا کے چھوڑ دیا  
ملا کے ان سے نظر اور کیا ملا اقبال  
یہی ہوا کہ پریشاں بنا کے چھوڑ دیا

## فاطمہ بیگم (سرسین) منشی فاضل

# کہاں سے کہاں؟

آنکھوں میں نہ بھری گئی جیسے اس کا سب کچھ چین لیا گیا ہو۔ زندگی کا سہارا تو ذکر  
بھینک دیا گیا ہو۔ وہ دُجالے کتب تک گھر لے کر پڑاوتہ رکھے سر جھکائے، دُقی رہی۔

بہت دن بیت گئے تھے آج بھر محمد عیسیٰ کا چاند نہ مگر ادا تھا۔ وہ وہ  
کی درجہ صاف سفید چاندنی شاعر کے تخیل کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ آئے جگہ ہے  
اور عطر سے بے جوتے ہوئے جوتے پہلوں سے اکھیلیاں کر رہے تھے۔ آج  
پھر اس کے دل میں ایک بوک سی اٹھی۔ دل تڑپ گیا وہ چین ہوئی دلی ہوئی  
چنگاری ہو چکی کر اگ بن گئی۔ پڑی پر تہ کی یو سوان کی گھٹائیں کر دل پر چھا  
گئی اور آنکھوں سے بھادوں کی جھڑی لگ گئی ہلے وہ کہاں گیا۔ باری دنیسا،  
سوئی ہو گئی۔

پوچھ لگے اس نے پھول چنے تھے وہ بخود ہی اور اور فست کی میں فاضل  
سے نہ لکھ رہی تھیں پر کچھ گئے اور اس کو خبر نہ ہوئی کسی کی یاد نے اس کے دل کے تار  
کو بُری حراج چوڑا دیا تھا بہت سی باتوں کے اس کو خوب رُلایا تھا۔  
بیجاری سہاگ نے اس رات کو ہلکے دمک دھچکا کی۔ اس کی مدد بھری  
آنکھوں میں کوئی سکرا کر کہہ رہا تھا۔ دیکھو سہاگ میں پڑی ہوں سا دھو جوں۔  
مجھ سے کیسا پریم؟ پر میرے دل میں بھی ایک کو نا ہے اس میں ایک بہت ہے  
جاتی ہو کس کا بت؟

پھر اس نے سوچا کہ پڑی نے اس کو دھو دیا۔ آنکھوں آنکھوں پر لگا  
کیا دھو کر کے اور دلکش باتوں سے دل بھرا کر بھول گیا۔ تو میں اس کو کیوں یاد  
رکوں۔۔۔ اکیوں اپنے دل کو اس کی یاد اور غم کے لئے سونپ دوں میں  
بھی اس کی یاد کو کھل کر پھینک دوں گی جب اس نے میرا دل کھلا ہے  
لیکن دل کو اس تکلیف اور بھٹکتے بد بھی داس کو نہ بھلا سکی ہے  
جب مند میں پھول چڑھائی گھاٹ کے پاس دالے پتھر پھی پھول رکھی ہو کر دھو کر

دل چاہتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن  
بٹینے نہیں تصور جاناں کئے ہوئے

سو راج کی کرن بیٹھنے سے پہلے صبح کے سہانے وقت میں سہاگ  
پتھر کی ٹھکیں چوٹی تھالی میں پھولی اکھ کر مند میں گئی کہ اپنے دیوتا کے جوتوں  
میں سیرت کی تدبیریں کر کے نکلیں وہاں پہنچ کر اس کا دل اور فود سے دھڑکنے  
لگا۔ مند میں اداسی چھائی ہوئی تھی اور وہیں ماؤنا پورا دیا پکے چکے بے جا ہاتھ  
اس کا پڑی سا دھو آج بال نہ تھا۔ اس نے سناپتے ہوئے ہاتھوں سے پھول  
چڑھائے اور وہ بہت دھیرے دھیرے بائنگلی جیسے اس کے پر میں من بھگے ہوئے  
تھے اس کے دل میں ایک ایک کی اٹھی اس نے سوچا کہ اس کا دھو کی فاطمہ بیگم  
اس نے تو کہا تھا کہ اب وہ کہاں ہی رہ کر اپنے بنائے والے کو یاد کرے گا۔ پھر اس  
نے اپنا وعدہ کیوں بھلا دیا؟

شام جگمگ میں کسی طرف چلا گیا جو پھر اچلے گا۔ یہ سوچا اس کی اس بند  
وہ روز دس ہوئے رات اور بھاری قدوں کے ساتھ گھر واپس آئی۔ آج اس کا  
دل اس تھا نہ چلنے کیوں؟ وہ دن بھر نہ لیٹے پڑی رہی مال کے کہا بھی کر بیٹ  
کھا نا کھائے لیکن اس نے اہمیت خراب ہونے کا بہانہ کر دیا۔

شام کو وہ پھر گھر سے لے کر گھاٹ پر گئی۔ اب تو خود اس کا پڑی سا دھو  
واپس آگیا ہو گا۔

لیکن اب بھی مند رنسان تھا اور گھاٹ بھائیں بھائیں کر رہا تھا اور یا  
چکے چکے بے جا رہا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے سسکیاں لے رہی تھی۔

اس نے سوچا خدا مذہبوں نے اپنے چنے ہوئے انجیل میں چھپایا ہو۔  
وہ خوں کے جھنڈ میں دھوڑا تھا شام وہاں بیٹھا ہو۔ مند کے اس پاس چہ  
دیکھ ڈالا لیکن سب بیکار وہ اداس ہو گئی اور پڑی پڑی چہری جی آنکھوں  
سے آنسو بہنے لگے دل میں ایک دم چین کر دینے والا کسک اٹھی دینا اس کی

تسکین جوتی کو اب اس نے اکی کو پایا جس سے اس کا پریم پریم کرتا تھا کسی لگ نہیں ہوتا جو ملے وعدے نہیں کرتا، ہر وقت ہر دم میں شریک رہتا ہے۔

ایک بیمار خرس شام کو وہ مندر میں بھول چلا کر ادا اپنے پریمی مادھوک پتھر کے اس کو دھوکہ بھول چلا کر اپیل کے درخت کے نیچے بیٹھی جلا اور اپنے ہلنے دھلنے کی یاد میں بھولتی ہوئی تھی۔ اس کا کھوپڑا ہوا سو۔ اس کا بھو بھوکا رہی اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اس نے پکارا سہاگ! میں ہوں سہاگ سہاگ نے آنکھیں کھول کر دیکھا اس کے سامنے اس کا کھوپڑا ہوا پریم کھڑا تھا، آنکھوں میں وہی یاد وہی بونٹوں پر وہی میٹھی سکاڑھٹ۔ سہاگ ٹرپ گئی، اس نے کھینچے ہٹے کہا۔ پریم! اب مجھے کچھ نہ یاد دلاؤ، میں نے سب کچھ پالیپے میں بہت نوش ہوں میری زندگی اور میرا دل سکون اور اطمینان سے بھر پور ہے۔ اب تم چلے جاؤ نا تھ۔ اور مجھے اپنی جھوڑو۔ اس کے بعد سہاگ نے آنکھیں بند کر لیں اس کے پریم نے پراس کو پکارا لیکن اس کا بچھپنے حقیقی محبوب کے پاس ہلنے کے لئے بچھڑے کی تیلیاں توڑ کر اڑ چکا تھا۔

ظ۔ طاقت کہاں کہ دیکھا احساں اٹھائے

## ”قوم“

منظر نگر میں :- آزاد نیوز ایجنسی  
املیر میں :- شاہ محمد نیوز ایجنٹ لکٹاں چوک  
پشاور میں :- سری چند کمپور بازار صداقت کشن ایجنسی قصبہ خونی بازار  
لکھنؤ میں :- ایس ناصر علی نیوز ایجنٹ رسی بٹان  
راپڑ میں :- کشمیر بکڈ پو، سر لوٹا بکڈ سال کوٹ روڈ  
ناگپور میں :- حبیب نیوز ایجنسی موہن پورہ  
گوجرانوالہ میں :- سنشل نیوز ایجنٹ  
آگرہ میں :- جیتی بکڈ پو سیب کا بازار  
مالیر کوٹلی میں :- محمد ابراہیم نیوز ایجنٹ  
غازی پورہ میں :- قاسمی بک ایجنسی  
پونا میں :- ایس اندیوسف نیوز ایجنٹ کوہ میں خرید و بیع

صاف کرتی اور اُن کو کے ہار چھاؤ۔ میں تو اس کا پریمی پریم لینا دیتا تھا۔ ہوا بند ہوئی تو اس کا سینکڑوں سے بنایا ہوا کھانچا کھانچا لگتا تھا۔ رات میں وہ نہانے کیا کشتی تھ جیسا آسمان پر بھروسے بھروسے بادل اُٹے ہوا کے جھونکے لگا کول کھلانے لگے تو وہ اپنی بانسری لے کر دور چلا جاتا اور پہاڑ کی ایک چٹان پر بیٹھ کر بجانے لگتا، اپنا معلوم ہوتا کہ زمین و آسمان اس کے قدموں پر سر جھکا رہے ہیں اور دُعا جا رہے بھرے نغزوں کے اثر سے مفرط ہے اگر صبح کھاتے مندر تک آئے میا دیو پر جوتی تو وہ ایسی نظروں سے سہاگ کو دیکھتا ہے کوئی کہتا ہو معاف کرنا دیو نہیں تکلیف ہوتی۔

سہاگ کو وہ پہلی بار غت ہی بہت عزیز تھا جس کے نیچے بیٹھ کر وہ کی روٹی بناتا تھا۔ وہ ٹی کے پوتے کو دراز سینکڑوں سے لپ پوت کر چٹا کرتی وہ جب دل بہت بھڑاتا آنکھیں پونے ہو جاتی تھ تو وہ چلے پر سر لگے لپٹی چلا پر دلی کی یاد کا رخصتا نا۔ آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگتے اس کو کچھ تسکین ہوتی اور وہ محسوس کرنے لگتی کہ اب وہ اپنے پریم سے قریب ہوئی اب وہ اس کے پاس ہے جیسے یہ مسکراتا میا چاند لیکن اسے پکڑ کھنکھناتا ہے کون تاروں تک پہنچ سکتا ہے! پس اس کے خیال سے خوش ہوئے اور سمجھ لے کہ یہ تاروں بھرا آسان اس کے اچھل میں ہے۔

اب یہ زندگی اپنی نہیں، دی ہوئی چیز ہے۔ اس کا کیا اختیار! مالک کی مرضی جیسا ہے رکھے۔

وہ اسی طرح میٹھی ذلیلہ لیا کیا سوچ رہی تھی جیسے ماری دنیا کو بھول گئی تھی اس نے کھانا بنا یا اور نہ ریا سے پانی لانے لگتی آنکھوں میں ٹوٹے سا بچا ویسے ہی کھاتا تھا، بچا رہے بھی نہیں کر کے کہہ رہا تھا کہ اس کا بچہ جھیر میں لٹکا دے لیکن وہ ماری سدھ بدھ بھولی ہوئی تھی جب جی اندر رکھی ہوئی وہ وہ کی ہانڈی لگا کر بھاگی تو وہ چوٹلی اور اندر رکھ دین چلی۔ سڑ سے ٹھوکر کھاکر وہ گرتے گرتے بچی۔

اب اس کا خدا کی ریاوت میں بہت دل لگتا جس کو وہ سو نہاٹنے میں اس کا پریمی سلوحو اسے مل گیا تھا وہ خدا سے محبت کرتا تھا اور خدا سے کھانا نہ اپنے محبوب کے محبوب سے محبت کرتی؟۔ خدا نے ایسا کرتی کہ وہ اس کو سکھاتا وہ اس کی رات کو اپنی طرف لکھنے لے اس کے دل کو اپنی محبت سے بھر دے۔ اس کو اب دکھانے کی پروا تھی کسی بات کی نہیں میں کے درخت نیچے پڑتی رتی اس کی بے چینی اور ٹرپ اب کم ہو گئی تھی اس کو اس خیال سے

ناصر انصاری

# درد گائے

بادِ افوار سے پُر ہیں ستاروں کے ایانِ  
کھینتی ہے شاہراہوں پر شگفتہ چاندنی  
پڑ گئی ہے جان سی مروّخس و خاشاک میں  
تیز دھاک کی طرح بہتی ہے موجِ زندگی

رقص فرما ہیں فضاؤں میں گھنیری بدلیاں  
نقّرتی بجلی چمکتی ہے افق پہ بار بار  
بام و در اوڑھے ہوئے ہیں ٹکڑے کی ردا  
دامن موجِ ہوا میں ہے طرب آگیں پھوار

یوں ترا حسنِ سادہ و معصوم  
میرے تخیل سے نکھرتا ہے  
کوئی نقاشِ کورے خاکے میں  
جس طرح شوخ رنگ بھرتا ہے

کیف میں ڈوبی ہوئی ہے سائے عالم کی فضا  
نیلگوں آکاش پر ہے مسکراتی کہکشاں  
جھانکتا ہے اک درتچے سو سنہرا ماہتاب  
دیکھتا ہوں فرشِ پر انوار کا سیلِ رواں

بس نے زکادِ درد کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو  
کون آیا پھر مرے دلیں بہاروں کی طرح  
کھنچتی پھر مری تیرے شبی کو چاندنی  
آرزوئیں مسکراتی ہیں ستاروں کی طرح

دل کے پردے پہ رقصِ سرِ ماہی  
اے حسینِ مُطر پہ تری تصویر  
جس طرح شام کے دھند لکوں میں  
نکھرے تاروں کی کانپتی تنویر

پوری اور کچھ یوں کا ڈٹ کر اتنے کیا۔ وہاں سے دلی دروازے ہوتے ہوئے منگوں والی درگاہ پہنچے۔ نذیر کے بھائی مسعود غالباً پہلی دفعہ دلی آئے تھے۔ دور ہی سے غراروں نکلے دیکھ کر کہنے لگے مسعود: یہ کیا پیسہ ہے؟

نذیر: درختوں اور بانسوں اور پتیوں پر نکلے لٹکار کے ہیں۔ یہاں لوگ منٹ مانتے ہیں۔ اور جب مراد پوری ہو جاتی ہے تو نکلے چڑھا دیتے ہیں۔

مسعود: بے شمار نکلے ہیں۔ کیا ٹھیک ہے۔ اور یہ چکدراشکر کیسے ہیں جنہر کا نہیں ٹھیکرتی۔

قاسم: یہ تانے کے ہیں فلمی دار۔ صاحب استطاعت لوگ تانے کے بھی چڑھاتے ہیں۔

مسعود: اور کوئی رات بے رات آن کر لے جائے تو۔ یہ جاگہ ٹوٹتی آباہی سے دور ہے۔

منصور: چورہ کو منٹ مراد کی چیز ہر گاہ نہیں ڈالتے۔ یہی بات ہے جو اب تک کوئی شکارچی نہیں ہوا

درگاہ دیکھ داکھ کر یہ لوگ پرانے قلعے گئے۔ وہاں سے ہاپوں کا مقبرہ۔ درگاہ حضرت نظام الدین اویا دیکھتے ہوئے منصور کے مقبرہ پہنچے وہاں سے سید مے قلب صاحب گئے۔ سب سے پہلے کھانا کھایا پھر روٹ کے نیچے آکر ہری ہری گھاس کے فرسٹ ٹیلیں پر بیٹھ گئے اور ذات باری کی عینیت گری کا تاشہ ہر روپ میں دیکھنے لگے۔

عورتیں رنگین لمبوسات میں جیسے ازنی خلیاں برسات میں ہر طرف طہوہ پر اور سنگ حیات رقص کرتی بھر رہی ہے کائنات ان لوگوں کو یہاں بیٹھے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ منصور نے کہا۔

منصور: ۱۔ لوہہ آگے

نذیر: ۲۔ کون آگے؟

منصور: ۳۔ حقائق

قاسم: مولوی حقائق؟ کہاں ہیں؟

منصور: وہ رہے وہ سانے

نذیر: چلو دل لگی رہے گی

منصور: کوئی ایسی ویسی بات نہ کہہ بیٹھا۔ ہمارے گا۔

اتنے میں مولوی حقائق قریب آگئے۔ منصور اور نذیر نے ہیک آواز "آداب عرض ہے" کہا۔ حقائق بغیر جواب دینے وہیں گھاس پر بیٹھ گئے۔ اور کہنے لگے۔

حقائق: تربیت کا مقصد ہے، تربیت کی غامی ہے۔ سب دوست ان کا منٹ کھٹے لگے۔

حقائق: تربیت۔ تعلیم۔ تجربہ۔ انسانی زندگی کے لئے لازمی چیزیں ہیں۔ مگر سب سے پہلی چیز تربیت کی۔ تعلیم اور تجربہ یہ بعد کی چیزیں ہیں۔

حقائق کی تربیت اچھی ہوگئی تو تجربہ اس کی زندگی سدھرتی۔ منصور: ۱۔ تو حضور ہم پر خفگی کا کیا سبب ہے ہم نے کیا کیا؟

حقائق: ۲۔ یہ کہاں کا اخلاق ہے کہ دور ہی سے "آداب عرض" کا جوتا میرے مغز پر دے مارا۔ کھڑے نہیں ہوتے ہاتھ نہیں ہٹایا

بس ایک گولہ سادے مارا۔ "آداب عرض ہے" اچھ، تربیت ملی ہوئی تو سلام علیکم کہتے۔ یہ "آداب عرض" کیا بلفہ ہے۔ جو نکلے "آداب" نذیر: حضور آج کل تو مہذب لوگ سب ہی "آداب عرض" کہہ

کرتے ہیں۔ حقائق: ۱۔ مہذب لوگ سڑکی ہوئی پھلی اور کیڑے بڑا ہوا پیسہ بھی تو کھاتے ہیں۔ عورتوں کو نفل میں لے کر ناچتے بھی تو ہیں۔ شراب بھی تو پیتے ہیں۔ مہذب۔ ہونٹ۔ مہذب۔ بچھڑی صدی،

منصور: ۱۔ حضور! ہمیں تو بچپن سے ہی سکھایا گیا ہے کہ بڑوں کا ادب کرنا چاہیے اور ادب عرض کرنے سے، اظہار ادب مقصود ہے۔

حقائق: ۲۔ کس نے سکھایا ہے۔ پچھتر فیصدی! "آداب عرض" سکھایا ہے! کیا معنی ہوئے "آداب عرض" کے۔ یہ عرض اور طول کیا ہوا ہے؟ لغو۔ واجبات۔ بے معنی۔ سدھ ہی بات کہو "اسلام علیکم" کہ سلامتی ہو تم پر اور وہ سراج اب میں کہے "علیکم السلام" اور یہی تم پر بھی سلامتی ہو۔ سچان اللہ کسی پیاری پیاری باتیں میں کیسے کہتے

بول ہیں۔ جب ہی تو کہتا ہوں تربیت۔ تربیت! تربیت کی خرابی تو تربیت کا کال ہے۔ تانگے والا ہے تو تربیت سے کورا۔ نہ ہاتھ دکھانا ہے نہ منہ سے بکنا ہے۔ سر پر چڑھا کے چلا آ رہا ہے۔ موٹر والا ہے تو

تربیت سے عاری۔ ۳۔ زور شور سے مارن دیتا ہے کہ آئے ہو اس نائب۔ ہو جاتے ہیں۔ آدمی پھل پڑتا ہے۔ سائیکل والا سے تو بھڑا کر

لئے جا رہا ہے یہ گنتی سب جانتا ہے نہ بیک ہا نہ تھا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک تیرہ چلا آ رہا ہے۔ اور پھر ذرا سی بات کہہ دو تیس چڑسا کر لڑنے والے کو مستعد۔ پکھتر فیصدی۔  
"حضور اجازت دیں تو کچھ عرض کروں" نذر نے دڑتے دڑتے کہا۔

حقائق۔ مندرجہ ذیل۔

نذر۔ یہ حضور بار بار "پکھتر فیصدی" کیا فرمایا کرتے ہیں؟ حقائق۔ جانتے ہو انسان کسے کہتے ہیں؟ اچھا انسان کو چھوڑو۔ انسان آج کل میں ہی کہاں۔ یہ بنا آدمی کسے کہتے ہیں؟ نذر۔ آدمی؟ آدمی تو سب ہی ہیں۔ یہ کیا اور اور ہر پھر ہے ہیں۔

حقائق۔ ہونہار اور اور ہر پھر ہے ہیں۔ ان میں کتنوں میں آدمیت ہے؟ کیا مہیار سے مہیار۔ پاس آدمیت۔ کونسی مٹی پر آدمی کو پکھتر موی؟ یا جس کو پکھتر آدمی کہیں دیکھی آتے ہی آدمی سمجھ لیا۔ پکھتر فیصدی۔

نذر۔ اب میں کیا عرض کروں۔

حقائق۔ آپ کیا عرض کریں گے میں ہی عرض کرتا ہوں۔ آپ لوگ سائیکلوں پر آئے ہیں۔ جی۔ شہر کے بازاروں میں سے گزرے ہیں۔ کیا دیکھا آپ نے۔

منصور۔ کوئی خاص بات نو دیکھی نہیں۔

حقائق۔ دیکھتے کیا خاک! ہن گے ہوئے ہیں آنکھوں کی جگہ۔ ارے میاں آنکھوں سے کام لینا سیکھو۔ انیس بن نہ سمجھو یہ کام کی چیزیں ہیں۔ تم سائیکلوں پر چلے آئے سیدھے بغیر کسی وقت کے منصور۔ انکی نذر کی سائیکل سے تو ایک سببہ الجھ کر گرا مگر چیز بگڑی جو نہ پھٹ نہیں لگی۔ اور میری سائیکل سے رکشا لڑ گئی۔

حقائق۔ تو یہ مہیاری اور میاں نذر کی بے پرواہی ہوگی۔ نذر۔ (جلدی سے) وہ سببہ آنکھیں بند کر کے سڑک کی ایک سمت سے دوسری جانب بھاگا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ یہ ایک دم سے اس طرح بھاگے گا۔ میں نے بہت کوشش کی مگر وہ ہپٹ میں آ ہی گیا۔ اس میں میرا کیا قصور؟

حقائق۔ اس میں نہ تمہارا اور قصور تھا نہ بچے کا۔ کیونکہ تم نے

کوشش کی اور سچا نہ سکے اس لئے کہ تمہیں سان دگن بھی نہ تھا کہ بچے یوں بے تحاشا بھاگے گا۔ اور سب سے بے قصور تھا اس لئے کہ آخر بچہ ہی تھا۔ قصور بچے کے باپ کا ہے کہ اگر وہ ساتھ تھا تو بچے کی انگلی کیوں نہیں پکڑ رکھی تھی۔ اور اگر ساتھ نہیں تھا تو اس تصویر میں اس کی ماں بھی برابر کی شریک تھی جس نے یہ سوچ کیا کہ بس پیدائش نے کر دیا اب پالین بچے دے۔ پکھتر فیصدی! اور وہ رکشا کا کیا قصور؟ منصور۔ حضور میں تو اپنے باپ سے جا رہا تھا۔ وہ رکشا والا موٹر سے بچنے کے لئے وائس پر آ گیا اور سائیکل سے لڑا دی۔

حقائق۔ نہ تمہیں اتنی توفیق ہوئی کہ اتر بیٹے کیونکہ تم تو قسم کھا کر بیٹے کے چاہے غمی بھڑھو اتر کے ہی نہیں دیں گے اور رکشا اور تو پھر رکشا والے ہی ہیں۔ اور ایک رکشا والے پر کیا منحصر ہے۔ جسے دیکھو فرعون بے سامان بنا ہوا ہے۔ تانگے والا تانگے پر لایا بیٹھا ہے جیسے بادشاہ تخت پر۔ ارے چلا جا رہا ہے۔ روکتے مکان میں نہیں لیتا۔ موٹر والا ہے تو موتی بننا نہ پاسے ہرے۔ ان زور زور سے بجایا مگر کیا بھال خود قرار ملی کر دے۔ پکھتر فیصدی۔

نذر۔ حضور یہ بے رحم سے لکھتے تو کہاں ہوتے ہیں۔ اور دلی میں خبر نہیں کہاں کہاں سے آن مرے ہیں۔ نرے گنوار۔

حقائق۔ سے پڑے۔ کبھے، جاہل، گنوار، ہونہار اور مہیار سے پڑے لکھوں ہیں۔ کتنا آدمی ہیں؟ ذرا میں جی تو سنوں۔ قاسم۔ پڑے۔ کبھے، تو تو ایسی حرکتیں نہیں کرتے۔

حقائق۔ یہ پھر پوچھتا ہوں تا تو آدمی کسے کہتے ہیں؟ پکھتر فیصدی! تم یہ سمجھتے ہو کہ بی۔ اے۔ ایم اے پاس کر لیا تو آدمی بن گیا جی چار پائے بردگنا بے چند۔ یہ کون ہیں صاحب؟ وکیل جیسا ہیں۔ یہ کون ہیں؟ سیشن جی ہیں۔ یہ کون ہیں؟ پروفیسر صاحب ہیں۔ یہ کون ہیں؟ طوطی مند ادیب زماں مولوی فاضل جناب فلاں فلاں بی اے ہیں۔ بس تم نے سمجھ لیا کہ آدمی کیا انسان ہیں کسی سے منس کر بولے اخلاق سے باتیں کیں۔ تم سمجھ بیٹھے کہ بڑے اچھے آدمی ہیں۔ کیا بات ہے۔ خاندانی ہیں۔ ان لوگوں کو بڑھو سمجھ کر بڑھو تو معلوم ہو گا کہ ان میں سے آدمی ہیں۔ اور کتنے آدمی کی شکل کے جانور منصور۔ حضور ہم تو سیکڑوں آدمیوں کو جانتے ہیں جو مجھ اخلاق دایتا ہیں۔ اہم میں تو انہیں انسان ہی سمجھتا ہوں۔ انسان۔

چقائق ابھر رہی انسان ہاں انسان تو آج کل ناپید ہی ہے۔ مجھے آدمی دکھاؤ آدمی۔

منصور:- اب آپ کو کیونکر سمجھاؤں؟  
چقائق:- سمجھاؤ نہیں دکھاؤ۔ اچھا تباؤ کسی کا نام لو۔  
منصور:- ایک تو مرزا رفیع الدین صاحب ہی ہیں۔ اتنے بڑے عالم فاضل۔ عالی مرتبہ ادیب۔ بے مثال انسانہ نگار۔ بڑے پائے کے شاعر اور آسودہ حال رئیس ہونے کے علاوہ اخلاق ایسا کہ سچ بھی چلا جائے تو بھیجے پہلے جاتے ہیں۔ معلوم ہی نہیں جوتا کر یہ انسانہ شخص ہے۔

چقائق:- ہر جگہ اچیز کو سونا نہ سمجھ بیٹھو جنک اسے کسوٹی پر نہ کس لو۔ یہ میں مانتا ہوں کہ اس نئی نثری دنیا میں اب بھی پچیس فیصدی آدمی موجود ہیں مگر بقیہ فیصدی آدمی کی مشکل کے جانور ہیں۔ بڑے جانور۔ بہر حال اتنا ضرور کہتا ہوں کہ جن لوگوں کو تم آدمی سمجھ رہے ہو اور جن کی اپنے دل میں اس قدر وقعت رکھتے ہو، بہت ممکن ہے کہ اگر انہیں غور سے پڑھو تو ان میں سے بہتوں کو جانوری یاد۔

تاسم:- تو منصور کیونکر پڑھیں؟  
چقائق:- پڑھنے کے بہتر سے طریقے ہیں۔ مگر میں نے تو ایک اصول بنا رکھا ہے۔

نذیر:- میں بھی وہ اصول متا دیتے۔

چقائق:- سنو! اللہ پاک نے آدمی میں جذبات کا سمندر بھرا ہے اور ہمیں گناہوں بھری دنیا میں چھوڑ دیا ہے اور تا کید گردی ہے کہ خوریں دیکھو مگر عاقبت کی خوروں کا خیال کر کے ان کے پاس تک نہ پہنچو۔ شراب دیکھو، مگر شراب طہور کا تصور دل میں جا کر آگے بڑھ جاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ تیرا اوجھار کی خاطر ذوق نہ چھوڑو۔ خواہشات دنیا بے شمار اور انواع و اقسام کی ہیں۔ سب سے دامن کوئی کہاں تک بچا سکتا ہے۔ ایسا کرے تو فرشتہ ہی نہ ہو جلتا ہے۔ مان نبی اور پیغمبر لیے ضرور تھے مگر ان کے خاص جمل دو مارے تھے۔ بہر حال میرا اپنا تو کہا یہ ہے کہ جو ایک آدمی لغزش کے سوا سب برائیوں کو چھوڑ چلا میری رائے میں وہ انسان ہے۔ اور آدمی ماننے کے لئے تو میں نے

گئے پچھنے دو ایک اصول مقرر کر رکھے ہیں۔  
منصور:- میں بھی بتا دیجئے ہم بھی پرکھ کر اسی کو دوست بنائیں گے۔

چقائق:- دوست بنانے کے لئے تو بس یاد رکھو یہ دوست آں باشد کہ گیر دوست دوست در پریشان حالی و در ماندگی آزمائش کے طور پر ہی کچھ روپیہ قرض مانگ دیکھو اور وہ یہ "زری طلبی سخن در این است"

نکے تو سمجھ لو کہ خالص دوست ہے۔

منصور:- اور آدمی؟

چقائق:- جس میں غرور نہ ہو اور جس کی بات وزنی ہو اس میں سب کچھ آگیا۔ یعنی جو وعدہ کر کے پورا کرے کسی کو ملنے کا وقت دے تو اس وقت گھر پر موجود رہے کسی کے پاس جانے کا اُسے وقت دے تو پہنچ جائے کسی سے کتاب پڑھنے کو لے تو وقت پر اس کو دے وغیرہ وغیرہ۔ مگر کسی کی بات وزنی نہ ہو جھل کر ڈنوس ہے تو وہ چاہے شراب پئے، رندی بازی کرے، مایا بلا سے۔ ہم اسے انسان تو نہیں کہیں گے۔ مگر مان آدمی سمجھیں گے تو تم بھی کیا یاد کرو گے تمہیں ایسی کسوٹی بتائے ہیں اور ایسی تراؤ دیتے ہیں جس پر پرکھ کر اور جس میں قول کر تم انسان اور آدمی اور آدمی کی شکل کا جانور معلوم کر سکتے ہو۔ مانے چچا سعدی کیا خوب فرمائے ہیں سہ

انسان:-

آن کس کہ بداند و بداند کہ نداند  
اسپ خر و خوشش بہ افلاک رساند

آدمی:-

داں کس کہ بداند و بداند کہ بداند  
اونیز خسرو لنگ بہ منزل برساند  
جانور بہ شکل آدمی:-

وانکس کہ نداند و بداند کہ بداند  
در جہل مرکب ابد الدھسہ رساند  
اچھا میں نے تم لوگوں کے ساتھ اپنا بہت ساقی تہی وقت ضائع کر دیا۔ اللہ

ادارہ

# ہماری نظر میں

چندستان کی ہر دلعزیزی کا بین ثبوت ہیں آغا سرخوش نے جہاں منہاں  
نظم و شعر کے تنوع کو ملحوظ رکھا ہے بالکل اسی طرح کتابت و طباعت میں بھی  
پوری خوش سلیقگی کا ثبوت دیا ہے۔ ان کی شاعرانہ اور ادبیات پرانی کی جانچ و بینائی کی محنت  
بہت کم ہے۔ سالنامہ حریم کے مکتوب۔ مدیرہ بیگم سلیم الدہلوی

نگراں نسیم الدہلوی،

صفحات ۴۲۲، مکتوبات قیمت عا

حریم شریف خواتین کا ایک پاکیزہ رسالہ ہے جو عام شہوانی رسائل  
سے بہت کچھ شرفی تہذیب و اخلاق کا علمبردار ہے اس کے افسانوں میں  
بھی اس کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ یہ دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ خواتین  
کو مغربی تہذیب کی ہلاکت آفرینوں سے بچائیں۔ چنانچہ سالنامہ کے  
افسانے بھی اسی پاکیزگی کا نمونہ ہیں۔ نظموں میں اصلاحی پہلوؤں کو زیادہ  
جاگرتا گیا ہے اس کے علاوہ کشیدہ کاری کے چند اچھے اچھے نمونے  
شائع ہوئے۔ خواتین کی ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی  
گئی ہے۔ غنائی معلومات انگریزی کے اعتبار سے یہ سالنامہ خواتین کے لئے  
ایک قابل قدر مجموعہ ہے۔

روحِ مسلم مصنف ظریف دہلوی، ناشر مشہور پبلشنگ  
ہاؤس دہلی۔

صفحات ۸۴، مکتوبات قیمت عا

زندگی و رنجِ دالم کا مجموعہ ہے مگر ہوش مند روتے کم ہیں اور  
مسکراتے زیادہ۔ ظریف دہلوی بھی اسی اصول کے پابند نظر آتے ہیں۔ وہ  
زندگی کی تلخیوں کو بہت زیادہ محسوس کرتے ہیں مگر ان تکالیف کو دور  
کر نہیں بلکہ شمس بہنس کو بیان کرتے ہیں معاشرتی کمزوریوں پر طنز کو

سالنامہ سانی دہلی۔ ادارہ شاہ احمد حسن مسکری،

صفحات ۸۶، مکتوبات قیمت عا

رسالہ سانی کو اردو کے رسائل میں ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے  
اس کے منہج خاص خصوصیات کے حامل ہوا کرتے ہیں چنانچہ زیر نظر سالنامہ بھی  
اسی رعایتی انفرادیت کا حامل ہے۔ اسے جدید اور قدیم اثر پر دانوں کے  
خیالات کا ذہنی شکر بھی کیا گیا ہے اگر ایک طرف جوش ملیح آبادی، احمد  
دویم قاسمی، جاشار اختر، میراجی، یلین شغائی، سلام پھلی شہری، یوسف  
ظفر، رام چند سنگھ، و شامتر عادل، صدیق بیگم اور اختر الایمان جیسے  
بیاد فطرت اور حساس فنکار مشہور ہیں۔ تو دوسری طرف رشید احمد  
سدیقی، عبدالعزیز فطرت، عبدالمصطفیٰ پال، مرزا فرحت اللہ بیگ، حجاب امتیازی  
امین حوس، ذولفقار صدیقی جیسے چمکتے نگار حضرات کی شمولیت اس کی  
افادہ حیثیت کو بلند کر رہی ہے۔ کافذ کے اس جوانی دور میں ایسے حکم کشا  
مبارک اور نیم سالنامہ کی اشاعت پر ہم ادارہ سانی کی خدمت میں دلی مبارکباد  
پیش کرتے ہیں۔

سالنامہ چندستان دہلی۔ مدیر آغا سرخوش قزلباش،

صفحات ۵۸، مکتوبات قیمت عا

یہ رسالہ اپنے پہلے ہی شمارے سے ترقی پسندانہ رجحانات کو پیش کر کے  
ترقی پسند عقلمندی میں کافی مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ چنانچہ زیر نظر سالنامہ  
کے صفحہ میں بھی یہی روح کارفرما نظر آ رہی ہے۔ نگینے خالوں میں،  
شوکت تھانوی، جوش ملیح آبادی، جانشانہ اختر، مجنوں گدگدھوری،  
معین حسن بجنی، الطاف مشہدی، اثر ملیلی، حبیب اشعر، محبوب  
امتیازی، سبک مراد آبادی، صاحبزادی امیر، ماہر القادری وغیرہ کے نام



# دلالتی گھڑیاں گھٹن

جس گھڑی کا مدت سے انتظار تھا اگر کسی نے آپ نے پہن سنے وہ گھڑیاں بہت تھوڑی مقدار میں آگئیں۔ یہ گھڑی کی خوبصورت مضبوط اور مدت تک چلنے والی گھڑی ایک ایسا نایاب تحفہ ہے کہ جس کی مثال نہیں ملے گی۔ نام کی سچی ہزوں کی مضبوطی کی گارنٹی ہے۔ گول ٹیپ میں موجود ہے۔ بنائے والی گھٹن نے یہ تعریف کی ہے کہ چتر برگر نے سے بھی نہیں تو اتنی ٹائم برابری دیتی رہتی ہے۔ اور سفید پالش نہایت چمکدار کیا گیا ہے جس کو دیکھ کر آپ گھٹن کی تعریف کئے بغیر نہیں رہتے قیمت فی گھڑی مع اسٹراپ اور گھٹن بکس مرینہ کچسپس ۲۲ روپے ہے۔ محصول ڈاک تیرہ آنے (۱۳) علاوہ ہے۔  
نوٹ۔ جو لوگ نیلا سے منگائیں۔ وہ پوری رقم مع ڈاک خرچ ہدیہ یعنی آرڈر روانہ کر دیں۔ نہرست تیار نہیں ہے۔

بی۔ کے برادر سٹینڈ کو (گھڑیوں کے مشہور تاجر) فولاد خان سٹریٹ (کو۔ ڈی) دہلی

# دانتوں خون آنا

اس مرض کو پائیریا کہتے ہیں۔ کبھی مسوڑھے سے سوجھ جاتے ہیں اور منہ سے دلو آنے لگتی ہے۔ اور یہ گندہ رطوبت منہ کے اندھا کر بہت سی سوزی بیماریوں کا شکار بنادیتی ہے۔ آپ کے دانتوں سے خون گرگھا ہو مسوڑھوں میں سوجن اور درد رہتا ہو تو

## لوٹھہ امین

دوا استعمال کریں خون آنے کو روکنے میں اکیسری اثر دکھاتی ہے۔ اور مسوڑھوں کے زخم کو جھکر پائیریا کے مرض کو قطعی دور کر دیتی ہے۔ ڈاکٹروں نے بھی اس دوا کو پائیریا کے مرض کے لئے اکیسری مانا ہے۔ ایک شیشی ایک مریض کے لئے کافی ہوتی ہے۔  
قیمت فی شیشی (دو روپے آٹھ آنے) (نچر) ہے۔ محصول ڈاک تیرہ آنے (۱۳) علاوہ ہے۔

اکیسری دوا حنا: کلارسل۔ بکس نمبر ۱ (کو۔ ڈی) دہلی

آنکھ کی تمام بیماریوں کو دور کرنے والی ڈاکٹر لائی ڈراپ {نظر کی حفاظت کے مینائی کو تیز کرتی ہے}

کیل چھاتیوں۔ مہاسوں اور بدکشا  
داغوں کا مکمل علاج

بیکری

بیوسرین سینٹ

بیوسرین سنو

بیوسرین ہیرائل

اپنے شہر کے جنرل مرچنٹ کے  
خرید فرمائیے

بہنوں کا محبوب غلط ہے مگر اس میں بھی وہ قہقہوں کا امتزاج چاہتے ہیں چنانچہ  
ان کے مجید روح تبسم کے پرخوس ہی زیر غنم موجود ہے اسی کے ساتھ ساتھ  
انہیں نے زبان کی نرمی و لطافت کا بھی خیال رکھا ہے اور مگر طرح ان کا  
خاص کام مازاری ابتذال اور سوقیانہ مذاق سے بالکل پاک و صاف ہے۔  
نکبت گل مصنف۔ وقار ای۔ ناشر پرنٹنگ پریس لاہور یا سکر  
صفحات ۲۸ مصنفات قیمت ۴

وقار ای کے کلام کا مجموعہ جس میں روحانی پابندیوں اور قیود  
کا بطور فاس خیال رکھا گیا ہے۔ اشعار میں بے جلی اور والی بھی مبعصا تم وجہ  
ہے مگر نہ کہ نئے تقاضوں کا بھی شاہ۔ فانی محسوس نہیں کیا اسی لئے وہ  
ابھی تک ہرق تبسم اور ان معاذ اللہ کے نور کھدھندوں میں اُبھے  
ہوئے اور اس قسم کی شاعری کا پناہ سہ راہ حیات مجھے ملے ہیں۔ کتابت و  
طباعت بہت عمدی ہے اور اسی عدم توجہ کی بنا پر اچھے کافے استعمال کے  
بارہ داس میں کوئی مین پیہ انہیں ہو سکتا ہے۔

طرو زندگی۔ مصنف نسیم انہو نوی۔ ناشر نسیم بکڈ پریس  
صفحات ۲۶۶ قیمت

نسیم انہو نوی کی پہلی تخلیق ہے جس کا یہ دوسرا ایڈیشن حرمیم دین  
کے بعد شائع ہوا ہے جس میں ایک لکھی لڑکی کی زندگی کو پیش کیا گیا ہے جو باغ  
نظر اور پرش مند ہونے کے باوجود حالات کے اعتبار سے ایک ایسے غلط ماحول  
میں پڑ گئی جہاں اس کا دم گھٹ جانا چاہیے تھا لیکن اس مشرقی خاتون نے  
ان تمام صعوبات کو خندہ پیشانی سے برداشت کر کے اس جہنم کدہ جنت سے  
بلدیا ناول کی روانی اور بے مدد کش ہے یہاں تک کہ بعض بعض جگہ پلٹنے  
والے کے آئینوں آنے میں بھڑائی دے رہے ہیں یہ کتاب اس قدر اہم ہے کہ  
ہندوستانی نوجوان شریفین ہو بیٹیوں کے لئے اس سے زیادہ اچھا اور  
کھلا پالیسیزہ تحفہ نہیں ہو سکتا۔

تائیں۔ مصنفینہ موجود۔ ناشر شاید جات خود  
صفحات ۲۸ مصنفات

تائیں ہندوستان کے نو عمر شاعر منصور و مجر کے حسین اور دھار اور  
گیتوں کا دلکش مجموعہ ہے منصور کے گیتوں میں دس دوسرے کے ساتھ ساتھ  
خفایت بھی بدرجہ اتم موجود ہے اور زندگی کی نئی قدروں سے بھی بھرپور  
حد تک ہم آہنگ ہیں اور یہی چیز ایسی ہے جو شعور کے بلند مستقبل کی طرف  
اشارہ کرنے میں مدد و معاون ثابت ہو رہی ہے کتابت و طباعت بہت

معمولی ہے اگر ذرا اس پر غور کریں تو کتاب کو چار چاند لگ جانے کی  
غرض کتاب میں ناشر کی طرف سے جو قیمت درج نہ ہوئے وہی قیمت ایک آگاہ  
پیدا ہو جاتی ہے۔  
دراپن کلچر میں مصنف، مقرب و ملوی۔

ناشر مشہور پبلشنگ ہاؤس دہلی  
شعامت ۹۲ اصوات قیمت ۴

یہ مجموعہ ان ذہنی صفحات کا جو مقرب و ملوی نے ماہنامہ  
مشہور میں لکھے ہیں، نامہ ہے کہ اس کے صفحات کسی خاص موضوع کے  
مذہب نہیں لکھے جاتے ہیں۔ بلکہ مسائل حاضرہ پر ایک قسم کا وقتی طنز ہوتا  
ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت بھی کم ہو جاتی ہے  
اس لئے موضوع سے متعلق نظر میں اس طنز نگارش پر غور کیا جاسکتا ہے۔ اس  
بہان میں طنز نگارش کا سوال ہے۔ اس میں مصنف کامیاب ہے کیونکہ  
اس نے وقتی مباحث کو دلکش زبان میں لکھ کر طنز کا اس خوبصورتی سے استعمال  
کیا ہے کہ قاری کی دلچسپی بھی قائم رہتی ہے اور مزاح کی پابندی کے ساتھ ساتھ  
مقصد بھی فائدہ مند نہیں ہوتا۔ اگر مصنف کسی خاص موضوع پر ایسا انداز سے  
قد فرمائی کریں تو ہماری رائے ہے کہ وہ اس سے زیادہ کامیاب ہو سکتے ہیں

**جملہ ناشرین کتب**  
اور اخبارات و رسائل کے لئے ایک صحیح  
اطلاع ہوگی کہ ہمارے ہاں دفتری کا  
کام عمدہ اور سستا اور رعایت کی پابندی کی  
ساتھ کیا جاتا ہے۔

**رشید دفتری**  
مالک

دہلی بک بانڈنگ ہاؤس اور بازار دہلی

ایک  
مرتبہ ضرور استعمال کیجئے



مشین اور ہاتھ کی سلاخی  
کیواسطے سوت کا گولہ پچک

استری مارکہ

اپنے قسیری دوکاندار

سے

طلب کیجئے

بلکہ محض مطبوعہ فارم کو  
تراش کر خانہ پڑی کر کے  
بجود بیچے جو اسی دستکار  
میں کسی دوسرے صفحہ پر ہے



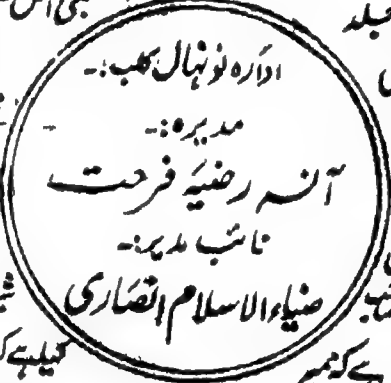
ہر سال کی نو  
فروری کی نو  
کلیں کا ہر سال  
کلیں کی نو

مل جائیں گے اسلئے ایسے صاحب عرض ہے کہ وہ کلب کے  
قانون سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کریں کیونکہ لوگوں  
بجود میں گنہگار بن جائیں گے والدین اس قسم کی چیزیں بند  
نہیں کرتے اور آپ صاحبان یہ بخوبی جانتے ہیں لیکن افسوس  
بھی اس قسم کی باتوں سے گریز نہیں کرتے۔

عرض کیا اور بیٹو!  
اسلام علیکم۔ فروری کا ہر چہ تو آپ صاحبان نے پڑھ  
لیا ہو گا اور تعجب بھی نہ ہو گا کہ یہی تو مدیر صاحب نے وعدہ کیا  
تھا کہ ہر ماہ حاضر ہوگی اب پھر کو تاہی کر رہی ہیں لیکن اس کی

بہت حضرات ممبری کی سفارش کئے  
مجھے خط لکھتے ہیں کہ عرض ہے کہ میری  
سفارش سے ممبر نہیں بن سکتے بلکہ میری فارم  
پر کر کے دفتر قوم بھیج دیجئے۔ آپ کو بلا لنگ و

وجہ صرف یہی تھی کہ میں بوجہ مصروفیت جلد  
ایڈیٹر مل و فیروزہ لکھنؤ دفتر قوم نہ روانہ کر سکی  
حتیٰ کہ فروری کے پرچے کی کتابت بھی ہو گئی  
اس بات کا بہت افسوس ہے کہ میں وعدہ  
کرنے کے باوجود بھی آپ لوگوں کی کوئی خاص  
خدمت نہ کر سکی۔ فروری کے پرچے میں ضیاء



شعبہ ممبر بنالیا جائیگا بعض بیٹوں نے سوال  
کیلیہ کہ فروری کے پرچے میں جو تجاویز شائع  
ہوتی ہیں اسپر لوگ کیا اس طرح عمل کریں تو اس سلسلہ میں  
عرض ہے کہ نہیں یا تو اپنی انفرادی رائے سے تحریری طور پر  
ادارہ نو نہال کلب کو مطلع کریں یا اگر ہو سکے تو آپس میں سے کسی ایک  
کے مکان پر جمع ہو کر اس پر وگرام یا شلہ لکھ لیں۔ نیز ممبران سے  
اسی سلسلہ میں عرض ہے کہ اسی پرچے میں تمام ممبران کے پتے شائع  
ہو رہے ہیں پرچے ملتے ہی فوراً آپس میں ملکر اپنے جمع ہونے کے  
مقام سے ادارہ کو مطلع کریں تاکہ اپریل سے یہ کام باقاعدہ شروع  
کر دیا جائے یا بصورت دیگر تجویز سے ممبران کلب کی بغیر رضائے  
کا اعلان کر دیا جائے۔ اچھا اب رخصت جاتا ہوں۔

کی تجاویز نظر سے گزری ہوگی لہذا عرض ہے کہ ممبر  
بننے کے لئے آپ صاحبان صرف خط لکھنے کے لئے مخصوص فارم  
پر کر کے بھیجیں۔ دوسرے فارم قبول نہ کئے جائینگے۔ اب یہ  
عرض ہے کہ بہت سے بھائی اور بہنیں اپنے مضامین جو  
رسالہ قوم میں شائع کرنا چاہتے ہیں میرے پاس روانہ کرتے ہیں۔  
ان صاحبان سے عرض ہے کہ وہ ہر ماہی فدا کر اس قسم کے مضامین  
مدیر قوم ہی کے پاس بھیجیں اور میرے پاس بھیجنے کی تکلیف  
گوارہ نہ کریں۔ چونکہ میں تو صرف کلب کی مدیر ہوں۔

بہت سے بھائیوں کو خط و کتابت کرنے کا بہت شوق  
ہے۔ ان بھائیوں سے عرض ہے کہ اگر وہ اپنے اس شوق کو صرف  
لوگوں ہی تک محدود رکھیں تو بھی انھیں بہت سے قلمی دوست

آلہ رضیہ فرحت مدیرہ نو نہال کلب ہاتھ مرقم

## پندرہ خریداروں کی شرط منسوخ

آپ کو یہ پڑھ کر یقیناً خوشی ہوگی کہ نوہال کلب کی ادارت کی امیدواری کے لئے پندرہ خریدار بننے کی جو شرط لگائی گئی تھی بہت ممبران کلب کے اصرار پر اسے ختم کر دیا گیا ہے اور اس طرح ہر شخص جسکی درخواست اس راج تک دفتر قوم میں موصول ہو جائے ادارت کا اُمیدوار ہو سکے گا نیز وہ ممبران بھی جن کے قدام ممبری ۲۵ اپریل تک موصول ہو جائیں گے الیکشن میں ووٹ دینے سے حق دار ہونگے۔

لڑنے کے لئے ایک خاص پریشانی کا سبب بن گیا ہے کلب کے لئے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے طے کیا گیا ہے کہ اس مرتبہ ادارہ نوہال کلب صرف دو افراد پر مشتمل ہوگا یعنی مدیر اور مدیرہ نیز مدیر کا انتخاب نوہال بھائی اور مدیرہ کا نہیں کریں گی اور اسی طرح ہر قسم کی معلومات حاصل کرنے کے لئے نہیں ہمیشہ مدیرہ سے اور بھائی مدیرہ سے خط و کتابت کریں گے۔ اگر آپ کے دل میں بھی نوہال کلب کا مدیر یا مدیرہ بننے کی خواہش ہے تو جلد از جلد امیدواری کی درخواست دفتر قوم میں روانہ کر دیجئے اور اگر آپ بھی تک کلب کے ممبر نہیں ہیں تو ممبری قلم بھی ۲۵ اپریل تک روانہ کر دیجئے۔

(ادارہ -

## ہماری ڈاک

نائب مدیرہ صاحبہ!

س۔ (۱) مجھے افسوس ہے کہ میں نے وہ ہنوں کے پاس خط روانہ کئے لیکن ان میں سے ایک نے بھی جواب نہ دیا کیا انھوں نے مبریتہ وقت قدام پر فرض نہیں پڑھا تھا انکے نام میں

ممبری پر توجہ دینا چاہئے۔

۱۹۲

س۔ (۱) بہن رضیہ میں چاہتی ہوں کہ ایک نظم بتیے ہوئے دونوں کی یاد سالانہ قوم میں شائع ہو جائے خواہ کلب کے صفات میں ہوا یا اس کے علاوہ کیا آپ اس سلسلہ میں میری مدد فرمائیں گی

سعیدہ خاتون صدیقی

ج۔ ان بہنوں نے فرض ممبرہ پڑھا تو ضرور ہوگا لیکن عمل نہیں کر رہی ہیں آپ ایک ممبرہ اور خط لکھئے انشاء اللہ ضرور جواب دیں گی

ورنہ

ج۔ بہن خیال تو نیک تھا لیکن سالانہ آپ کے ہاتھوں میں ہے یعنی وقت عمل چکا۔

س۔ مجھے اپنا سبق اکثر یاد نہیں رہتا کیا آپ اسکی وجہ بتا سکتی ہیں۔ (افتخار حسن از مراد آباد)

ج۔ میرے بھائی دل لگا کر آپ بتی یاد نہ کرتے ہونگے ورنہ دنیا میں کوئی ایسا کام ہے جسے انسان کر نہیں سکتا۔

س۔ آپ کے مضامین جو اکثر دوسرے رسالوں میں بھی شائع ہو چکے ہیں سنئے ہیں کیا میں انھیں آپ کے زور قلم کا نتیجہ سمجھ لوں۔

(ایس ۲۷ قادری)

ج۔ جی نہیں آپ ان سب کو بڑے شوق سے اپنے زور قلم کا نتیجہ سمجھ سکتے ہیں۔

س۔ بہن رضیہ کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ مسلمانوں میں اخلاقی فرض کیوں جاتا رہا (طیبہ خاتون)

ج۔ کیا آپ کو بھی کسی بہن نے دھوکہ دیا ہے یعنی آپ کے خط کا جواب نہیں دیا؟ یا اخلاقی فرض سے آپ کی مراد کچھ اور ہے تشریح فرمائیں۔

س۔ بہن رضیہ میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ اس مرتبہ بھی کوئی لڑکی مدیرہ بنے گی لیکن آپ کے علاوہ

۲۔ میں کلب کا ممبر بن کر بہت خوش ہوا اس سلسلہ میں ضابطہ جواب

راستگارانہ احمد علوی

# فارم لمبیری نونہال کلب ماہنامہ "قوم" دہلی

تاریخ 1947  
فرغی نمبر ۱۰۰: (۱) اپنے والدین اور بزرگوں کا کثرت گناہوں پر ہمیشہ بڑی محبت سے پسند  
(۲) ہر ایک سے، اخلاق سے پیش آئے گا خواہ وہ ملازمی کیوں نہ ہو (۳) اپنے ملک کے ممبران کا کیا دوست  
پہلی کیے گا (۴) کسی نونہال کو اگر کوئی کلب کا ممبر بنی دوست کی حیثیت سے خط لکھیں تو اس کا جواب  
اور اگر جواب نہ دیا جائے تو معقول عذر کے ساتھ یا دیگر مطلع کرے گا۔ (۵) کوئی مضمون کہیں سے نقل کرے  
نونہال کلب میں شائع کرنے کے لئے نہیں بھیجے گا۔ بلکہ ہمیشہ خود لکھے گا۔

## جناب ایڈیٹر صاحب نونہال کلب ماہنامہ "قوم" دہلی

بڑا ہر کام سیر نام نونہال کلب کے ممبران کی فہرست میں شامل کر دیجئے میں نے مذکورہ بالا قواعد پر عمل  
میں فرما کر تم کو بھیج کر ایک ممبر کی حیثیت سے اس سب کی پابندی کروں گا۔

نام \_\_\_\_\_ ولدیت \_\_\_\_\_ سن پیدائش \_\_\_\_\_  
تعمیل \_\_\_\_\_ مکمل پتہ \_\_\_\_\_  
رہنما (خود اپنے نام سے) \_\_\_\_\_

نوٹ:۔ نونہال سے کم از کم دو سال سے زائد عرصے کے لئے نونہال ممبر بننے والے ہوں گے تاہم اگر ان کا حق  
یاد دہی ہو تو معقول اور دلچسپ انداز میں دیکھ کر صورت بھیجی ہو۔

۱۹۲  
س رسالہ قوم، بتکا چار سال تھا لیکن چند ماہ سے دیکھا جا رہا  
ہے کہ اس میں فلمی خبریں بھی آ رہی ہیں کیا اس کو بھی شمع بنانے کا  
ارادہ ہے ادارہ کو معلوم ہونا چاہئے کہ بڑے کا نام قوم ہے  
(علیم حکمت اللہ آباد)

ج۔ آپ کو بہت شدت سے احساس ہو رہا ہے لیکن بجائے کھانسی  
کے ناخن لیجئے آپ قوم اور شمع کا مقابلہ کر رہے ہیں لیکن یہ نہ  
دیکھا گیا کہ اس میں بھی کبھی عشاق کے خطوط اور بیسودہ اور غزل  
سوالات ملے ہیں یہ فلمی صفحات کا سوال تو جناب وہ تو ایک  
بے لاگ فلمی تبصرہ ہوتا ہے۔ بقول مدیر قوم  
اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش  
میں نہ ہر بلا مل کو کبھی کہہ نہ سکا قفس  
آئسہ رضیہ فرحت مدیر نونہال کلب ماہنامہ قوم دہلی

ج۔ اگر پیشین گوئی غلط ہو جائے تب؛  
۲۔ نیکی اور پوچھ پوچھ پس جھٹ پٹ کھلا دیجئے۔  
س۔ بہن فرحت آپ کا نام تو بہت ہی عمدہ ہے اور کام دیکھ کر تو  
مجھے بہت ہی خوشی ہوئی (پردین کو فردہلی)  
ج۔ کام کے سلسلہ میں عزت افزائی کا شکریہ البتہ نام تو آپ کا  
بہترین ہے کیونکہ آپ ہیں کو فرحت جسے صرف جتنی لوگ حاصل کر سکتے  
ہیں اور میں فرحت جسے ہر کوئی حاصل کر سکتا ہے۔  
س۔ اس وقت تب کہ ہم ہندوستانی ہریانے کے لئے جس سرادھندگی  
حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہیں کھٹیا ۵۰ خرید رہے ہیں کی  
قید کیوں لگائی گئی (نور قریشی جاندھر)  
ج۔ بجائی صاحب پندرہ فرید رہانے کی شرط رائے دینے والوں  
کیلئے نہیں بلکہ امیدواروں کیلئے ہے اور آپ کو معلوم ہونا چاہئے  
کہ الیکشن میں بطور امیدوار کھڑا ہونے کے لئے صاحب ایک رقم لائے  
بطور ضمانت جمع کر لیا جاتی ہے تو آپ بلا اس شرط کو ضمانت سمجھ لیجئے؛

## بقیہ ڈاک

س۔ ضیاء صاحب

رسالہ رتن کا پتہ تحریر فرماویں۔

ع۔ قوم کے کل خریدار کتھے ہیں کہیم احمد از حیدر آباد کن

ج۔ دفتر رسالہ رتن جنوں کشمیر مل فرمائیے آپ کا کیا ارادہ ہے۔

س۔ کیا آپ میل ممبری بھر تحریر فرمائیں گے۔

ع۔ جہن آنسو ضیہ کا پتہ تحفہ میں ملے دے رفیق عکین

ج۔ فہرست ممبران میں ملاحظہ ہو

ع۔ آنسو ضیہ فرحت بنت خان صاحبہ لطافت حسین علوی

(چهار بنگلہ پورپال)

س۔ بہن فرحت اور بھائی منیا

ع۔ آپ دونوں کتب کو اس پرانے یعنی باغیچہ صفا اور حمانی

صاحبہ والے زمانے کی طرح کیوں نہیں چلا رہے۔

ع۔ لڑکیوں کے لئے کتب ممبر بننے کے سلسلہ میں آپ نے کفر

کی کیا قید لگائی ہے۔

ع۔ آپ نے کتب کے مستقبل سے کیا سوچ رکھا ہے آپ

اس سے قوم کو کوئی فائدہ بھی پہنچ سکے گا یا صرف نقص

کہانیاں ہی ہوتی رہیں گی۔ محمد میر پشاور

ج۔ عزیز محترم وہ کونسی کمی ہے جو آپ کو موجودہ زمانے میں

محسوس ہو رہی ہے ذرا تشریح فرمائیے۔

ع۔ جو لڑکوں کے لئے لگائی ہے۔

ع۔ فرویدی کی پرچہ میں نو نہال کتب کا ادارہ یہ ملاحظہ

فرمائیں اور پھر تحریر کریں کہ آپ اس سلسلہ میں ہمساری

کیا مدد کر رہے ہیں۔

س۔ آپ اگر مناسب سمجھیں تو نو نہال کتب میں کچھ مضامین

سائنس سے متعلق شائع کر دیا کریں۔

ج۔ کچھ آپ کا مطلب یہ کہ ہم صبح سے شام تک سائنس سے متعلق مضامین

لکھا کریں حضور والا آپ ہی اس سلسلہ میں پیش قدمی فرمائیں۔

## ”سلفی ایک“

(بلوچستان کی سیاحت)

فوٹو بن کیلئے نہایت کارآمد ثابت ہوئی ہے اس کے علاوہ

بھی ہر قسم کے کام میں لائی جاتی ہے۔ روانی میں تیز مدد ملے اور

خوش رنگ ہے۔ ایک درجہ کا خرمادار ہمیشہ کے لئے اس کا مستقل کام

بن جاتا ہے۔ تجربہ شرط ہے۔

المشیتھ۔ اپن ٹریڈنگ کمپنی کراچی گنج محل

## قائد اعظم کا تازہ ترین فوٹو

بیروٹا پیریدہ زیب فوٹو ایڈیٹنگ

سائز ۶x۴ پانچ روپے فی کاپی محمولہ ایک علاوہ

سائز ۸x۶ نو روپے فی کاپی محمولہ ایک علاوہ

سائز ۱۰x۱۲ بیس روپے فی کاپی محمولہ ایک علاوہ

اس کے علاوہ رنگین و سیاہ ہر قسم کے فوٹو تیار کئے جاتے ہیں

اور تجارتی ڈیزائن و پاک بنائے جاتے ہیں۔

فریڈ فوٹو آرٹسٹ

کلاں محل دہلی





۱۹۶  
 ٹریچر آدمی تقلید و تہذیب پرستی کے میدان میں تھیں۔ شوق کے صبا  
 زنگار گھوٹے کو بے رنگم سب ریت چھوڑ دیا۔ اس کا مطلع نظر صرف  
 یہی تھا کہ دنیا کی ہر عسوق ترقی کے راہ پر گامزن ہے اور ہر فرد آزادی  
 کا طلب کار ہے تو میر، کلیدوں کسی کی نکادہ ترجمہ کی محتاج اور کسی کی  
 دست نگر نہ کرتا ایک مکنا نام اور غلامانہ زندگی بسر کرتا اور  
 اپنی باتوں سے قریباً کو چراغ غازی بجائے شمشیر غازی بنادیا۔ واقعی یہ  
 ترقی قابلِ لب ہے۔  
 اسے کاش! ہماری ہنسیں آزادی کے مفہوم کو سمجھ سکیں۔

پہرہ تم کمار

## ٹوٹا ہوا نیل

ایک شخص کے موٹی تالاب میں پانی پی رہے تھے ایک نیل  
 کو اس نے پانی میں پشاب کرتے دیکھا تو جنت اس کو یہ کہتے ہوئے  
 ذبح کر دیا کہ ایسا نیل بھی کس کام کا جو ٹوٹا ہوا ہو

استادِ حامد دنیا کے گول ہونے کے کوئی تین ثبوت  
 بتاؤ؟

حامد۔ حضور! ایک تو آپ کہتے ہیں، دوسرے ابا کہتے  
 ہیں اور تیسرے کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

سید رضی الدین احمد  
 پٹنہ

فونہال کلب کے میسر بنکر ایڈیٹری کے انتخاب میں  
 حصہ لیجئے۔

## دنیا نئی بسائیں

۱۔ اک جنت اس جگہ سے زالی  
 سُندر، پریمی، بھولی بھالی  
 سکھ امت ہر سانے والی

اس کے ساگر میں نہریں

آؤ!

دنیا نئی بسائیں

۲۔ ایک ہو اس ساگر کا سفینہ

ایک ہو اس منزل کا زینہ

یکساں مرنا، یکساں جینا

گھل مل کر سہا ایک ہو جائیں

آؤ!

دنیا نئی بسائیں

۳۔ گورے، کالے، سچے، جھوٹے

موت کا رہزن سب کو نوٹے

جانے کب یہ رشتہ چھوٹے

قدت کے سب مل گئیں

ہو!

دنیا نئی بسائیں

اعجاز احمد لغاری لاہور

## رہبر

صبح کا وقت تھا۔ میں کالج کا کام ختم کر کے "قوم" پڑھ  
 رہا تھا۔ رفیق میرے ٹکٹوں والے البم میں لکھیں دیکھ رہا تھا



کو کر کے کھانسی میں ہی رہا۔ نوکری لیے کو کیا خاک ملتی سب سے  
کو رہا جواب دیا کہ میں کوئی ہنسنے والا ہوں تو کو کر سکی رہیں۔ آخر  
لیو س ہو کر ایک طرف کو چل پڑا چلتے چلتے ایک مذی راستے  
میں آئی +

ایک طرف سٹلٹن، بہادر کا نکسار، قسم قسم کے بھلدار  
درخت رنگ رنگ کے پھول کے پھول بھلدار دکھائے تھے ساتھ  
بڑی کی دیکش آواز، رچی بھلکیا، گھر سے ستایا ہوا تو تھا ہی  
وہیں ایک بزرگ کے درخت کے نیچے بیٹھ تہنیا شروع کر دی  
ایک پاؤں مذی کے پانی میں رکھا، دوسرا درخت کی جڑ پر اور ایک  
دوسرے جڑ کے قریب ایک سوراخ میں پانی ڈالنا شروع کر دیا  
اس طرح پانی ڈالتے ڈالتے اسے کافی عرصہ گزرتا گیا۔

آخر ایک دن اس سوراخ سے عجیب قسم کی آواز آنے لگی وہ  
کچھ سمجھا گیا۔ اور پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک  
خوفناک آواز ہانپنا کرتا ہوا باہر نکل آیا۔ رچی نے منہ سے چیخ نکال  
لگتی اور وہ خوفناک وجہ سے ایک طرف کو بھاگ گیا۔ آواز دھا بھی  
دوڑ کر اس کے قریب آیا اور بولا۔ مانگو کیا مانگتے ہو تم نے مجھے  
جادو کے اثر سے چھڑایا ہے۔ آج مجھے تمہارا پانی پہنچا ہے  
اور میں جادو کے چنگل سے باہر نکلا ہوں۔ بتاؤ تم کیا چاہتے ہو۔  
رچی حیران ہو گیا کہ میں تو دو سال سے پانی ڈال رہا ہوں  
اور اسے اتنی طلب اس کے دل سے کچھ خوف و ہراس دور ہوا  
اٹھ بیٹھا اور ہمت کر کے بولا سوئے دیوتا۔ میں بہت مصیبت  
ہوں گھر سے نکالا ہوا اور خیل سے دھککا گیا ہوں۔ دو سال سے  
میں یہاں بیٹھ کر تہنیا کر رہا ہوں کہ شاید الیو میری بات سنے  
اور میری مصیبت کو دور کرے تو مجھے وہ چیز دے جس سے مذی  
آرام سے گزرسے۔

اثر دیا بولا۔ اچھا میں تمہیں ایک سنگ دیتا ہوں جو ہر کو  
تہنیا ایک دوپہر دیا کرے گا یہ کہ اگر آڑو دھاروں کے اندر

جیا اور تھوڑی دیر بعد فاپکا آیا اور ایک سنگ رچی کے کھاتے میں  
دے کر بولا۔ سہ صبح نہا دھو کر ایک صفات چوکی پر بیٹھ گیا کہ داد  
اسے سجدہ کر کے کہا کرو دیوتا۔ دوپہر دوپہر

رچی سنگ کے کربل پڑا۔ راستے میں ایک گاؤں پڑتا تھا رچی  
نے دل میں کہا کہ رات میں گزرا دھار میں کو چل پڑا دھار سنگ کو  
ازمانے پھر۔ شام ہونے والی تھی وہ ایک سرے میں اتر پڑا۔ صبح  
ہوئی اس نے آڑو ہاکے کھنے کے مطابق ایک چوکی پر سنگ کو رکھ دیا  
اور سجدہ کر کے کہا دیوتا۔ دوپہر دوپہر۔ جو نہیں اس نے یہ کہا سنگ میں  
سے ایک چھوٹا سا آدمی نکلا اور ایک دوپہر رچی کے کھاتے پہنچ گیا  
اور غائب ہو گیا۔ سبائے کا لک یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا وہ بیکر  
کر اس کی بھی رال ٹپک پڑی۔ اس نے تو بھیا کر ایک دھار سنگ میں  
رکھ دیا اور رچی والا سنگ خود اٹھا لیا۔

رچی وہی سنگ اٹھا کر کربل پڑا اور راستے میں پراخوش  
آرام سے گزرتے گی خیال بلاؤ بکاتا ہوا چلا کہ اب میں چوں کہ نکلا  
وہ دن کو نکلا۔ آخر گھر پہنچا۔ بیوی بھی سنگ بہت خوش ہوئی۔ اگلی صبح  
رچی نہا دھو کر چوکی پر بیٹھ گیا اور سجدہ کر کے بولا۔ دیوتا۔ دوپہر دوپہر۔  
پھر دوسری دفعہ کہا، پھر تیسری دفعہ لیکن دیوتا وہاں ہوتا تو رہتا۔  
رچی بکلیں جھانکنے لگا۔ سمجھ گیا کہ سرے والے والا ڈالنا نہیں گیا ہے پھر  
ترجمی نظروں سے بیوی کو دیکھا جو کھیتی لگائے سنگ کو دیکھ رہی تھی  
آخر بیوی سمجھ گئی کہ یہ اسے دھوکہ دے رہا ہے پھر کھل گیا۔ ایک کھڑ  
اور مار مار کر گدی پٹلی کر دی۔ بھٹو۔ بدھاد دھوکہ دیا  
ہے ہیں۔ کم بخت تہ نہیں کہاں رہا تھا اور سجدہ سجدہ چل کر کہاں  
چوکی پھر میں پہنچا اور برتن سے اسی سوراخ میں پانی  
ڈالنا شروع کر دیا عرصہ دو ماہ کے بعد وہی اثر دھا بھنکارتا ہوا نکلا  
اور بولا۔ کہو کیا چاہتے ہو۔

رچی نے ساری سرگزشت کہہ سنائی اور وہ سنے آئے  
ایک سنگ اور دوپہر دیتے ہوئے کہا کہ لو یہ ناگ دیوتا کا پوتہ

## حج ملزم

حج (ملزم سے) اٹھکو عمر قید کی سزا دی جاتی ہے۔  
ملزم۔ حضور! مجھ پر رحم کیجئے۔  
حج۔ خاموش! زیادہ بولے تو دو تین سال اور بڑھا دوں گا۔  
صاحبِ قاروقی  
مالیر کوٹہ

## ”انڈیا“ اینڈ ”جرمنی“

(ماخوذ)

عسریز نو ہمالا!

آج ایک لطیفہ یاد آیا ہے ذرا دلچسپ اس لئے سونپا  
کر کیوں نہ اسے نو ہمال کلب کے صفحات میں شائع کر دیا جائے  
اور ہو۔ آپ تو اس لطیفہ کو سننے کے لئے بے چین ہو گئے ہیں چھا  
تو سنئے:-

آج سے کوئی ۴۰ سال پہلے کی بات ہے ایک ہندوستانی  
اڑی جن کا نام تو کچھ اور تھا لیکن آپ متوڑی دیکھ کے لے ان کا  
نام..... ان کا نام.....  
مستشرقین تصور کریجئے۔ ہاں تو میں آپ کو بتا رہا تھا کہ آج سے  
چالیس سال پہلے اشرق نامی ایک صاحب پرچن پرچن تھے جن  
قیام پذیر تھے اور کیونکہ کافی عرصے وہاں رہتے تھے جس نے  
جرمنی زبان خوب اچھی طرح جانتے تھے اور ان کی چند بیویوں کی  
بنابرواں کے باشندے بھی ان کو وقت کی نگاہ سے دیکھتے  
تھے ایک روز قہوہ خانے میں ان کی ملاقات ہوئی کہ ایک ہندوستانی ہے  
ہوئی۔ بمولن ہونے کی وجہ سے دونوں میں خوب دوستی ہو گئی

سنئے۔ یہ ہندوستانی نے کہا کہ سراسے میں ایک گرجا کی طرف  
جائیں گے۔ یہ سن کر اس نے ایک سوچ کا مظاہرہ کیا اس میں سے  
ایک سوچ نکلی کہ اگر چہ ایک سوچ میں یہ خطا اور غم دور ہے  
کہ سراسے میں ایک سوچ ہے یہ دور وہ چھٹا کر چپ میں  
ڈال دینا کہ کدو کہنے کے لئے دینے کا کچھ نہیں اس طرح سراسے  
والا تنہا ہے دانسہ آجائے گا۔

چمکے، یہی طرح کیا گیا کہ ناگ دلو تائے کہا تھا جب سراسے  
والے نے دیکھا کہ یہ دو سراسے ایک کی بجائے دو دیتا ہے تو اس سے  
نہ گھبراہٹ نہ غلغلہ رہی کی گوری میں ڈال دیا اور پوٹ سنکھ نکال  
لیا۔ یہ سراسے سنکھ لے کر چلتا بنا اور آرام سے بسر وقت کرتے لگے۔  
اب سراسے والے کی سننے پر چارہ صبح سویرے اٹھا  
کیونکہ سراسے اور سنکھ کو اتنا ٹھیکہ اور کھانا تھا کہ چار بج دیتا ایک  
روپہ تو دو اتنے میں ایک ہونا پھر قی سے ایک زرین تھیلی لئے  
ہوئے باہر نکلا اور تھیلی میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا چار بج ایک  
کیا دو لو سراسے والا بولا۔ اچھا دو دے دو۔ جواب ملا۔

محتاج ہو گیا چارو۔ سراسے والے نے کہا ”دیا آپ کی چار رہی  
دے رہی۔ ہونا والا آپ چار رہی پر بس ہے چار کیا میں چاہو تو کدو  
لے دو۔ سراسے والے کی آٹھ ہانام میں کر رہا تھیں کھس کھس ایک دفعہ  
پھر اٹھا سراسے اور بولا ہمارا آپ مجھ پر کر پکریں اور آٹھ ہی منٹ  
کریں۔ ہونا بولا نہ آپ بہت چھوٹے دل کے آدمی ہیں۔ خسرائے نہیں۔  
کہتے تو سولہ دے دوں۔ سراسے والا اس کھینچا تالی سے تنگ آچکا  
تھا کہ کدو آپ کچھ دے دیں گے یہی یا یوں ہی دل لگی کرتے بیٹے جانگے  
ہونا بولا اچھا میں لاتا ہوں انتظار کرو اور جھپٹ سے بھاگ کر سنکھ  
میں غائب ہو گیا۔ سراسے والے سے روز یوں ہی ہونے لگی آخر تنگ  
آگیا لیکن اس نے بونے سے تھیلی چھیننا چاہی پھر کیا تھا پوٹ نے اس کے  
اٹھ روپے عیادہ روپے طلب کر کر گیا اور ہوتا کدو کے روپ میں پونگلا  
ہوا وہی سنکھ میں غائب ہو گیا۔

محمد منیر، امرتسر



بھائیو! اب میں آپ کے سامنے غالب کی شاعری کے  
چند اشار پیش کرتا ہوں۔ ملاحظہ ہوں:-

۱۔ عشق نے غالب کو نوا کر دیا  
ورنہ ہم سب آدمی جو کور تھے

اس شعر کو سن کر مسٹر اشرف کرسی پر سے اچھل پڑے  
انہوں نے تلی بجائی اور ان کی تقلید میں ہاں پھر اسی آواز سے گونج اٹھا  
بھائیو اور سنئے ایک جگہ غالب صاحب فرماتے ہیں:-

۲۔ پاکلوں کی کمی نہیں غالب  
جرمنی میں ہزاروں ملتے ہیں

اس شعر کو سن کر لوگوں نے پھرتایاں بھائیں۔ ہاں،

واہ واہ اور ”انڈیا اور جرمنی“ کے فلک شگاف نعروں سے گونج  
اٹھا۔ معلوم ہوتا تھا غالب کی شاعری ان لوگوں کو بہت پسند  
آئی اس کے بعد لوگوں کا خاکہ یہ ہوا کرتے ہوئے علامہ جی ایس سی نیچے  
اترے اور مسٹر اشرف نے اس سچ پر چڑھ کر جرمنی زبان میں کہا  
کہ میں آپ لوگوں کا بہت شکور ہوں کہ آپ نے اپنا قیمتی وقت  
یہاں ضائع کیا آج میرے ہم وطن نے ایسا تقریر کی ہے جو شاہ  
برلن میں آج تک نہ ہوئی ہو میں اس تقریر کا ترجمہ کل ملک  
کے تمام اخباروں میں شائع کرواؤں گا تو آپ کو معلوم ہو گا۔  
کہ ہندوستان کے مایہ ناز ادیب نے آپ کے سامنے کیا کیا محفل  
اشانیاں کی ہیں۔ ہاں ایک مرتبہ پھرتالیوں کی صدا سے گونج  
اٹھا۔ لوگ رام پرشاد صاحب سے ہاتھ ملانے کے لئے آگے بڑھے  
اور گھنٹہ بھر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

شام کے وقت جب مسٹر اشرف اپنی دوست کو سوا کر آئے  
کے لئے برلن کے ریلوے سٹیشن پر پہنچے تو ان کی اور ان کے دوست  
دونوں کی جیبیں ٹوٹیں۔ سب بھری ہوئی تھیں اور وقت منظر پر  
گلابی رواد ہوا تو مسٹر اشرف نے پتہ نہ ہالہ ہاتھ جوئے  
غالب ایٹھ گونٹے مسلمانوں کا یا اور جواب میں ہمارے ہاتھ بھی

وہ چند مسلمانوں کے بہت بڑے ہاتھ لگے ہیں اسی زمانے میں  
جرمنی میں بھی گونٹے ایک زبردست شاعر لکھ رہے تھے غالب  
کو قلم پینے کے بہت عادت تھی اس وقت سے ان کی تلامذہ ہندوستان  
میں گئے ہیں۔ غالب ایٹھ گونٹے۔

لالہ جگہ کے منہ سے جو بھی ”غالب اور گونٹے“ کے الفاظ نکلے  
جو ہم نے فرما لیا ہیں بجا شروع کر دیا۔ ستوڑی دیر تک ہاں تالیوں  
کی آواز سے گونجنا رہا اور لالہ جگہ نے پھر کہا شروع کیا۔

مرزا غالب دہلی میں رہتے تھے دہلی ہندوستان کا

وہ ایک گھنٹہ گھر ہے اور ہاں ایک چاندنی چوک

بھی ہے چاندنی چوک میں بڑی بیٹری رہتی ہے ہر وقت سودے

والوں کی چٹائی آتی رہتی یہی لکھنا یا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ ہاں

کب سے ہیں۔ ”غالب ایٹھ گونٹے“ اپنے ملک کے شاعر کا نام

ہندوستان کی ادیب کے منہ سے سن کر عوام بہت خوش ہوئے

اس ایک مرتبہ ہاں پھرتالیوں کی صدا سے گونج اٹھا۔ ستوڑی دیر

بعد اور جیٹ اپنا بیگ شروع کر دیا اور بولے۔ دہلی سے سو میل

کے فاصلے پر سہارنپور ہے وہی میرا ضلع ہے وہاں کے گونٹے بہت

مشہور ہیں۔ یہ غالب اور گونٹے کی بد قسمتی تھی کہ وہ سہارنپور

تک نہ پہنچ سکے اگر وہ ایک مرتبہ وہاں کے گونٹوں کا رس لی لیتے تو پھر

جو پھر مسٹر اب کا ہم سب ہی لیتے اور اس سے بھی زیادہ جسمی کی بات یہ

ہے کہ وہ ضلع مظفرنگر تک بھی نہ پہنچ سکے اگر وہاں کا گڑ کھالیتے

تو پھر کاکھٹ کھانا بھی بھول جاتے۔ ”غالب ایٹھ گونٹے“ یعنی

”انڈیا ایٹھ جڑی“۔

اس مرتبہ غالب ایٹھ گونٹے کے ساتھ ساتھ انڈیا ایٹھ

جرمنی سے سونے پر سہارنپور کا کام کیا لوگوں نے تہناید بھانا اور شور

کا نا شروع کیا۔ تقریباً آدھ گھنٹہ تک لوگ غیب میں چھاتے رہے

بڑی شکل سے صد صاحب نے ان سب کو خاموش کیا تو لالہ جی نے

پھر کہا شروع کیا۔

# نئے سال کا ترانہ

گر چہ دار آفاق میں "انڈیا اینڈ جرنی" سا نغمہ لگایا اور سطر آشفٹ  
قالب کا یہ شعر طے مٹے ہوئے اپنی جگہ قیام کی طرف رواں دوا ہو  
سے ہاتھوں کی کمی نہیں غالب  
جرمنی میں ہزاروں ملتے ہیں

ضیاء الاسلام انصاری سنیا

## یہ وہ ہیں

ملازمہ :- میں دیکھوں تو کہ بیگم صاحبہ مکان میں ہیں یا نہیں۔  
(دوبارہ اگر) مجھے افسوس ہے کہ بیگم صاحبہ اس وقت  
گھر پر نہیں ہیں۔

مہمان نووار و عورت :- کیا اتفاق ہے کہ میں اپنا تعارفی کارڈ  
بھی ساتھ ڈلائی۔

ملازمہ :- ارے اس کا مضائقہ نہیں میں نے بیگم صاحبہ سے  
کہہ دیا ہے کہ آپ کون ہیں۔

ایک شخص نے کسی بہت موٹے آدمی کو ریل میں زیادہ جگہ  
گھیرے بیٹھا ہوا دیکھ کر کہا۔

کیا ریل ہاتھی کے بچوں کے لئے مخصوص ہے؟  
موٹے آدمی نے جواب دیا۔ نہیں صاحبہ کتے بلی، گدے  
سب کے لئے ہے آئیے بیٹھے۔ "چشم مار و شن دل ماشاؤ"

ذکیہ کریم ست، لاہور

پلو چھتے ہو۔ اب حال کیا ہے؟

ہرول میں ایک خیال نیا ہے۔

نئی انگلیں۔ سال نیا ہے۔

قطا وطن سے دھڑکیں ملنے

جو کہتے ہیں منور کریں گے

امن کا جھنڈا ہاتھ میں لیں گے

ملت کی قسمت بدل لیں گے

آزادی کا دن دیکھیں گے

خود غرضی اب چھوڑ بیٹھے ہم

دشمن کا منہ موڑیں گے ہم

پھول کلیں گے پیارے پیارے

جیسے ہوں آسمان پہ تارے

قدم بڑھائیں گے ہم سارے

محنت سے سرگام کریں گے

اونچا وطن کا نام کریں گے

کنور چرن سنگھ نرمان

## موسم بہار کا منظر

دُنیا میں چار موسم ہیں ان میں سے ایک موسم  
بہار ہے یہ موسم اپنے ساتھ دُنیا کے لئے فرحت کا سامان لاتا ہے  
سورج کے ہوئے درخت اور پتے ہرے بھرے ہو جاتے ہیں دُنیا





سازمان

۱۹۳۲

- ۴- حیدر علی خان اصفهانی ولد محمد فاروق صاحب ۳۰ ۹۹ بری ولد باغی
- ۵- ابراهیم خان اصفهانی ولد علی محمد خان صاحب ۳۱ ۹۹ بری ولد باغی
- ۶- محمد خان اصفهانی ولد علی محمد خان صاحب ۳۲ ۹۹ بری ولد باغی
- ۷- محمد خان اصفهانی ولد علی محمد خان صاحب ۳۳ ۹۹ بری ولد باغی
- ۸- نور محمد خان اصفهانی ولد علی محمد خان صاحب ۳۴ ۹۹ بری ولد باغی
- ۹- فیض الرحمن اصفهانی ولد علی محمد خان صاحب ۳۵ ۹۹ بری ولد باغی
- ۱۰- پل بخش دلی ۱۹۳۲
- ۱۱- عثمان احمد طاهر رضوان احمد صاحب معرفت عین محمد ادیس صاحب
- ۱۲- نوبخت دلی ۱۹۳۲
- ۱۳- امیر احمد ولد امیر احمد صاحب ۳۳ ۹۹ بری ولد باغی
- ۱۴- احمد ولد احمد صاحب ۳۴ ۹۹ بری ولد باغی
- ۱۵- علی احمد ولد علی احمد صاحب ۳۵ ۹۹ بری ولد باغی
- ۱۶- محمد احمد ولد محمد احمد صاحب ۳۶ ۹۹ بری ولد باغی
- ۱۷- علی احمد ولد علی احمد صاحب ۳۷ ۹۹ بری ولد باغی
- ۱۸- محمد احمد ولد محمد احمد صاحب ۳۸ ۹۹ بری ولد باغی
- ۱۹- امیر احمد ولد امیر احمد صاحب ۳۹ ۹۹ بری ولد باغی
- ۲۰- محمد احمد ولد محمد احمد صاحب ۴۰ ۹۹ بری ولد باغی
- ۲۱- علی احمد ولد علی احمد صاحب ۴۱ ۹۹ بری ولد باغی
- ۲۲- محمد احمد ولد محمد احمد صاحب ۴۲ ۹۹ بری ولد باغی
- ۲۳- علی احمد ولد علی احمد صاحب ۴۳ ۹۹ بری ولد باغی
- ۲۴- محمد احمد ولد محمد احمد صاحب ۴۴ ۹۹ بری ولد باغی
- ۲۵- علی احمد ولد علی احمد صاحب ۴۵ ۹۹ بری ولد باغی
- ۲۶- محمد احمد ولد محمد احمد صاحب ۴۶ ۹۹ بری ولد باغی
- ۲۷- علی احمد ولد علی احمد صاحب ۴۷ ۹۹ بری ولد باغی
- ۲۸- محمد احمد ولد محمد احمد صاحب ۴۸ ۹۹ بری ولد باغی
- ۲۹- علی احمد ولد علی احمد صاحب ۴۹ ۹۹ بری ولد باغی
- ۳۰- محمد احمد ولد محمد احمد صاحب ۵۰ ۹۹ بری ولد باغی

- ۲۴/۱- نور الدین احمد ولد عارف محمد شیخ صاحب ۵۸ ۵۸ بری ولد باغی
- ۲۵- عبد القیوم صاحب ولد عبد القیوم صاحب ۵۹ ۵۹ بری ولد باغی
- ۲۶- محمد صاحب ولد محمد صاحب ۶۰ ۶۰ بری ولد باغی
- ۲۷- علی صاحب ولد علی صاحب ۶۱ ۶۱ بری ولد باغی
- ۲۸- محمد صاحب ولد محمد صاحب ۶۲ ۶۲ بری ولد باغی
- ۲۹- علی صاحب ولد علی صاحب ۶۳ ۶۳ بری ولد باغی
- ۳۰- محمد صاحب ولد محمد صاحب ۶۴ ۶۴ بری ولد باغی
- ۳۱- علی صاحب ولد علی صاحب ۶۵ ۶۵ بری ولد باغی
- ۳۲- محمد صاحب ولد محمد صاحب ۶۶ ۶۶ بری ولد باغی
- ۳۳- علی صاحب ولد علی صاحب ۶۷ ۶۷ بری ولد باغی
- ۳۴- محمد صاحب ولد محمد صاحب ۶۸ ۶۸ بری ولد باغی
- ۳۵- علی صاحب ولد علی صاحب ۶۹ ۶۹ بری ولد باغی
- ۳۶- محمد صاحب ولد محمد صاحب ۷۰ ۷۰ بری ولد باغی
- ۳۷- علی صاحب ولد علی صاحب ۷۱ ۷۱ بری ولد باغی
- ۳۸- محمد صاحب ولد محمد صاحب ۷۲ ۷۲ بری ولد باغی
- ۳۹- علی صاحب ولد علی صاحب ۷۳ ۷۳ بری ولد باغی
- ۴۰- محمد صاحب ولد محمد صاحب ۷۴ ۷۴ بری ولد باغی
- ۴۱- علی صاحب ولد علی صاحب ۷۵ ۷۵ بری ولد باغی
- ۴۲- محمد صاحب ولد محمد صاحب ۷۶ ۷۶ بری ولد باغی
- ۴۳- علی صاحب ولد علی صاحب ۷۷ ۷۷ بری ولد باغی
- ۴۴- محمد صاحب ولد محمد صاحب ۷۸ ۷۸ بری ولد باغی
- ۴۵- علی صاحب ولد علی صاحب ۷۹ ۷۹ بری ولد باغی
- ۴۶- محمد صاحب ولد محمد صاحب ۸۰ ۸۰ بری ولد باغی
- ۴۷- علی صاحب ولد علی صاحب ۸۱ ۸۱ بری ولد باغی
- ۴۸- محمد صاحب ولد محمد صاحب ۸۲ ۸۲ بری ولد باغی
- ۴۹- علی صاحب ولد علی صاحب ۸۳ ۸۳ بری ولد باغی
- ۵۰- محمد صاحب ولد محمد صاحب ۸۴ ۸۴ بری ولد باغی
- ۵۱- علی صاحب ولد علی صاحب ۸۵ ۸۵ بری ولد باغی
- ۵۲- محمد صاحب ولد محمد صاحب ۸۶ ۸۶ بری ولد باغی
- ۵۳- علی صاحب ولد علی صاحب ۸۷ ۸۷ بری ولد باغی
- ۵۴- محمد صاحب ولد محمد صاحب ۸۸ ۸۸ بری ولد باغی
- ۵۵- علی صاحب ولد علی صاحب ۸۹ ۸۹ بری ولد باغی
- ۵۶- محمد صاحب ولد محمد صاحب ۹۰ ۹۰ بری ولد باغی
- ۵۷- علی صاحب ولد علی صاحب ۹۱ ۹۱ بری ولد باغی
- ۵۸- محمد صاحب ولد محمد صاحب ۹۲ ۹۲ بری ولد باغی
- ۵۹- علی صاحب ولد علی صاحب ۹۳ ۹۳ بری ولد باغی
- ۶۰- محمد صاحب ولد محمد صاحب ۹۴ ۹۴ بری ولد باغی
- ۶۱- علی صاحب ولد علی صاحب ۹۵ ۹۵ بری ولد باغی
- ۶۲- محمد صاحب ولد محمد صاحب ۹۶ ۹۶ بری ولد باغی
- ۶۳- علی صاحب ولد علی صاحب ۹۷ ۹۷ بری ولد باغی
- ۶۴- محمد صاحب ولد محمد صاحب ۹۸ ۹۸ بری ولد باغی
- ۶۵- علی صاحب ولد علی صاحب ۹۹ ۹۹ بری ولد باغی
- ۶۶- محمد صاحب ولد محمد صاحب ۱۰۰ ۱۰۰ بری ولد باغی







دو دو باتیں  
ڈائرکٹر شانتا رام سے

کہنے کی باتیں  
چند دال شاہ کی عجیب منطق

رہنیت فلم کہیں اور چند دلال شاہ کو صفت فلسفہ از ہیں ایک ایسا عجیب و غریب شخصیت  
حاصل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دوسرے پروردگار نے بھی اس کا کام کرتے ہیں  
وہ بیت حجابات کی بنا پر قاصد صاحب کی ہمارے دل میں بھی عزت ہے مگر یہ اطلاع سن کر  
محکمہ صہیبہ ہونے پر رنجیت فلم کہیں کے ملازمین نے سوچا کہ کبھی نہ تنگدعا کروا سنا  
اسناد کی قلمی کی خدمت میں پیش کی تھی وہ بڑی حقیر کے ساتھ تانہ نظر کر دکھائی دیر  
نہیں تک مشائی ناظر ان کی کار دعاست پر ایسا حکم دیا گیا ہے کہ مگر یہی لوگ ہیں باز  
شاہ کے کہیں ہونے پر یہ سب کے لئے نمبر کر دی جا سکتی ۔

ہم نہیں سمجھ سکے کہ کہنی کا بند کر دیا تو کتنی حالتوں میں مفید سمجھا گیا اگر یہ صرف راجہ والا نہ دھم کا مظاہرہ ہے تو حالات کے اعتبار سے اس کو توڑ دینا ضروری ہے۔  
تعمیر کو باوجود اس کے کہ زراعت تیزی سے بدل رہا ہے مزدوروں کے زبردستی نہیں، بلکہ کافی  
سناٹا ہے یہاں تک کہ نو مزدورہ حکومت انکی پشت پناہی کرنے پر مجبور ہو کر دوسرے  
بڑے بڑے سرمایہ داروں اور مالکان مزدوروں کی حمایت کے آگے سر جھکا کر پرتیبہ، جاپہ آریا  
توشیحہ صلیب کیس لیتی، اور شرام میں ہیں انھوں اور کمزور مزدور پر یہ براہ فرکار درو، اور  
فلکیش کے تعاون سے کیا یا اور اسے آخس میں ہے، یہ جائز حق نہیں کیا جاتا تو کتنا ہے  
وقت کا اتنا قانون ہے تو وہ خود اس غریب کی تنخواہوں میں اضافہ کرنے اور گورنمنٹ کے  
فلسفہ کی بھی انکے سوچنے کی مہلت نہیں دی جاتی تو اس دروغا۔ تہ پر ہر دوس سے غور کرنا  
اس کی غلطی کا نہ تو کوئی کرکسی کی جہت کر دینے سے مزدوروں کو کیا فرق ہے۔ یہ نہیں سمجھ سکتے  
ضامہ باوجود نہ بینہ کیلئے تیار ہو رہے ہیں، اور مزدور کا مزدور میں وہ بیٹے بیٹے، وہ اس  
تربیت کو کہیں انکے تو بھی فاش غلطی ہے کہ نہ جتنی طاقت کے حامل ہیں، وہ پھر  
پتیلیوں، شاہنشاہ، کو کسٹا، اور نہ خود چھوڑ کر کہیں اس لئے بار اخلاصا مشرب  
ہے کہ شاہجی سے سرمے کے خدا روٹ کے خدا سوئے بغیر ان مہالبات کا خزانہ پیشانی سے  
منظر کر دینے تاکہ انکی کہنی تباہی کا شکار نہ ہو، بلکہ میدان کے کشا، اسباب، کچھ باہر قیام  
حالات پر بندہ سے غور کرنے کی ذمت کو ادا فرمائیگا۔

故

تازہ ترین اطلاعات کے مطابق اُمید ہے کہ آپ کے کچھ بچے، اور بھی آپ کا پیار  
اس قدر مصروف ہی نہیں ہونگے کہ میری ان باتوں کو سننے کیلئے آپ سے متعلق حال سکیں۔  
سب سے پہلے تو فیصلہ یہ عرض کرنا ہے کہ میں نے اپنی سیدہ عزت کو کتابوں اور اپنی کئی مصروفیتوں  
کا بھی میں محتاج ہوں میری رائے ہے کہ آپ ہندوستان کا نظم مند لٹریچر کو دوسرے ملکوں  
کے مقابلہ میں پیش کرنے کی تلافی کے دل میں لے ہوئے ہیں اور اگر پاکستان میں ایسا کام  
تھا۔ اور کسی نہ ساتھ ساتھ مجھے بھی معلوم ہے کہ آپ نے اگر نقد و جیش کے اور حوصلہ  
کے اس آفر کو ٹھکرا دیا کیونکہ یہ نہ صرف سسرال کا نام (جس خیر) اور آپ کا ایک بچہ فلم  
میں ایک ٹکی جی جی کے نام سے فلم بنی ہو رہے۔ تو یہ اس جیش کو انصاف و فکر کیلئے اس

[illegible]

سب کا پیارا  
الین کمپور

جتنے بچے ہیں جاگیا نئی شان سے

ستارے ہی ستارے

اور وہ

جان بہار...؟

وہی  
سلیم رضا  
جسے سب جانتے ہیں۔

پرائیٹ آف انڈیا کی انوکھی پیشکش

نمائش کے لئے موجود ہیں

”صبح شام“  
”آرزو“

”ارادہ“  
”جواب“

”کسکی بیوی“

”گھر کی لاج“

کلیک  
صین  
دیگر ستارے

بھاگ سنگھ۔ نیرن۔ مالتی۔ شانتی۔ طوطا رام  
نیلیم۔ چیترا۔ لیلیا  
نئے چہرے۔

پرائیٹ آف انڈیا پکچرز لمیٹڈ چاندنی چوک دہلی { میکور وڈ لاہور  
شائع کیا

## آئینہ شریانی۔ اسے (آنرز)

## یونانی میں صنعت زری کا خشان وود

ہر قی جا رہی ہے اور یہی دیکھو کہ وہاں ایسی تعداد میں جا رہے ہیں جو انکی زندگی سے قریب ہوں جن میں محض تخیل ہی تخیل کی کوٹھڑیاں بنوں مگر معیاری فلوں کا ہندوستان میں قطع ہے اور جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ معیاری فلوں کے لئے کافی سوائے کی ضرورت ہے لیکن ہمارے فلم ساز قہر طوقی ہر مزیدادہ راہ یہ لگانے سے ہمیشہ مند در ہے صرف اس لئے کہ یہ صنعت ۱۰۰۰ ہون صدوں تک محدود ہو کر رہی اور دوسرے صدوں نے اس صفت پر معلوم نہیں کیوں تو جو کہ نہ کی ضرورت نہیں بھی نہ جو کہوں چلیے صوبہ پولی جیسے اچھے خاصے صنعتی علاقہ میں ایسی صنعت سے پہلوی اور چمکا ہٹ جو جلدیادیر یعنی طور پر صنعت بخش ہو ناقابل فہم معلوم ہوتی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ انکی وجوہات وہ کچھ ہوں جو صبح زندگی یا کرنا نہ شام اجل ہو گئیں اور ہر زمانہ وہ ہمیشہ کیلئے اپنے سرور سے ماتہ دھو بیٹھے اور ہر جگہ کسی آرائش یا تجر بیٹھے انھوں نے میں بہت زیادتی آگفتہ بحالات کے بعد بھی مزید کوشش کرنا اور ایک ایسی صفت کی طرف توجہ مبذول نہ کرنا جس میں ترقی کی کافی توجہ لیں ہوں تجارتی اور اقتصادی مصالح کے اعتبار سے ایک خاص غلطی ہے جبکہ ایک طرف یہ بھی نظر آتا تھا کہ اس صوبہ کی ایک بڑی تعداد اور کار و خمار کی حیثیت سے تمام بڑی بڑی کمپنیوں میں بکری پڑی ہے۔ اس صوبہ کے افراد کا یہ کہنا تھا کہ اس صوبہ کی سرزمین پہلوی کو شغل بھی شرمندہ تکمیل نہیں ہو سکتی ایسی سعی ہمیشہ نقش بر آب ثابت ہوگی مگر سامن ٹون اسکے قیام سے آخر کار یہ نظریہ ہمیشہ کے لئے غلط ہو گیا۔

سائنس ٹوہ، نہ ایک لیلہ کپنی کی شکل میں جنم لیا اور سرسبز سندھو کی قیادت میں صنعت فلم سازی کے احیا کے لئے ایک اچھا ہمارے طریقہ سے کوشش کی گئی اور اس لئے اس ادارہ کو لیلہ کپنی کا نام دیا گیا کہ وہ اپنے لئے یا بے آواز و شکستہ ہو مگر جری کمپنیوں کے اصولوں کے مطابق فلم انڈسٹری اس طرح چلا تا کہ وہ کسی قوی ماحول کی تہذیب بن جائے مابندوستان

ماہرین اقتصادیات کی رائے ہے کہ اس جنگ کی وجہ سے فلم انڈسٹری کو مالی اعتبار سے بوجھ بوجھ ہو چکا ہے وہ صرف عارضی قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ایسی شاندار ترقی دراصل پیشہ خیمہ ہوتی ہے ۱۰ اس کا دباؤ داری کی جس سے آگے چل کر ہر صنعت کو کافی نقصان پہونچا کر رہا ہے اگر ہم ان ماہرین اقتصادیات کے ان جملوں پر سنجیدگی سے غور کریں تو انکے صاف معنی یہ نظر آتے ہیں کہ آئندہ چل کر اس صنعت کو مالی اعتبار سے کافی نقصان پہونچے گا۔ یہ سمجھ ہے کہ ایک ایسے وقت میں جبکہ تجارتی منڈیوں میں منافع کی بہت کم توقع ہے سرمایہ داروں کے جوش و خروش اور وہ بہت کم بے تحاشہ صرف نے ایک ایسی گروائی پیدا کر دی ہے جس کی خالی صفت فلم سازی کی تاریخ میں دھونڈ سے بھی نہیں مل سکتی مگر اس کے ساتھ ساتھ ایک سوالی یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ حالت کب ختم ہوگی ؟

اگرچہ ہم اس سوال کو حل کرنے کے لئے اپنی ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہیں تو یہ کہو یہ ماننے کے لئے مجبور ہونا پڑتا ہے کہ ذرا مستقبل میں یقینی طور پر اس صنعت کو کسی حد تک کساد بازاری سے دوچار ہونا پڑے گا لیکن اب جو کئی سال تک یہ کساد بازاری اس صنعت کو متاثر نہیں کر سکتی اور ایک طویل عرصہ تک سرمایہ نگار نے اسے خاص اس سے کافی نفع اٹھا سکتے ہیں۔ بہر حال صنعت فلم سازی کا موجودہ زمانہ خواہ کتنا ہی شاندار کیوں نہ ہو پھر بھی اس لئے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ صنعت ہندوستان میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے اور اس لئے ہم اس کی طرف سے فاضل نہیں ہو سکتے اور نہ ہم اپنے بنیادی اصولوں کو فراموش کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اب اس صنعت سے ہمارا چلی دامن کا ساتھ ہو گیا ہے۔

ہندوستان کے عوام نے نئے حالات اور وقتی تعاضروں سے کافی متاثر ہو رہے ہیں اور انکے ذہنوں میں غیر شعوری طور پر مہاندی پیدا

متحرک تصاویر کی زندگی میں انقلاب  
پروڈیوسر: الین۔ ایکم رمضان اشرفی

کی

اولین انقلاب پروڈیو نیورسل

# بغستاو

تکمیل کے مراحل طے کر رہی ہے

بقول شاعر

سہ اس انجن گل میں شعلے بھی ہیں شبنم بھی !  
اس کا موضوع ملک کے حال اور مستقبل پر روشنی ڈالتا ہے .....  
اس کی کہانی ہماری اور آپ کی اپنی کہانی ہے جو دل کے تاروں کو جھجلا دے گی !

۱۹۲

ادبی اعتبار سے بھی آپ اپنی مثال ہوگی !

تصنیف و ہدایات: ظفر تبسری۔ بی۔ اے۔  
گائے: علامہ جمیل مظہری و مجور شمس ایم۔ اے۔  
فن کار: شہنشاہ موتہنی۔ نور جہاں رجویر اسلام فیض۔ سرور جہاں۔ اقبال ظفر یوسف۔ شیا نہرہ اور ملک،  
سی سی سی۔ ایم۔ ایچ خسرو۔ بی۔ اے۔

نقصان دہ لکچر: شیدا آرٹ فلم لمیٹڈ نمبر ۳ بٹنگ اسٹریٹ کلکتہ

پچھلے اقتصادی مسائل کے بالکل متضاد تھا کیونکہ آئندہ جملہ کے اثرات  
احتمالاً غلط مرتب ہونے کا اس ادارہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ جائے گا  
قابلاً، اس میں جماعتی ذرائع کے استعمال اور ناسالخی کام کا زمانہ گزرتا ہے۔ مقابلہ  
کے اس دور میں زیادہ سے زیادہ سرمایہ کی ضرورت ہے اور سرمایہ کی فراہمی  
اس کی ممکن ہے۔ یہ کہ ایک۔ یہ زیادہ۔ محصور ہوں اور ان کا کچھ پر پورا پورا قابو  
میں ہونا کہ سرمایہ کی بے فکری کے ساتھ ساتھ اس کا جائز استعمال میں جوتا رہے  
مکمل ہو سکے یعنی نہیں کرے تمام اقدار ہائی کے فرائض بھی انجام دیں ورنہ پھر وہ  
ہی مثال صادق آئیگی کہ

”ایک سے زیادہ بارہی اور شور بہ بد مزہ“

کیونکہ نظم کچھ۔ روٹی۔ جوٹ۔ مل۔ ٹوٹا۔ کوئلہ یا پٹرول کا کارخانہ نہیں جہاں  
زیادہ مال پیدا کرنے کے ذرائع پر غور کرنا پڑے یا انسانی دماغ اور مشین دونوں  
ملکر کم سے کم بہت سے کام کیا کر سکیں تو ایسے آدمی کی ضرورت ہوتی ہے  
جہاں جملہ مل جائے۔ غلط دماغی باریکیوں اور ادبی پہلوئ پر کافی غور کے  
ساتھ ساتھ سلیقہ بھی رکھتا ہو۔ اسی لئے بورڈ آف ڈائریکٹر کی آئین آدمی کے کام  
میں مداخلت جمائی۔ نظام کو درہم برہم کرنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ ایسے آدمی ہی پر  
کیٹی کی پوری کامیابی کو دار و مدار ہوتا ہے اور اس لئے اس کے انتخاب میں پورے  
غور و فکر سے کام لینا پڑتا ہے۔ چنانچہ سائن ٹوڈ کے حصہ داروں نے اس  
اہم ذمہ داری کے لئے نسیم ہندیوی جیسی بلند پایہ شخصیت کا انتخاب کیا۔ جو  
صحافتی، ادبی اور بلند پایہ علمی صلاحیتوں کے پیش نظر اس کے لئے بہت موزوں  
تھا۔

پرائیوٹ روایات کی بنیادوں کو توڑ کر نئے اوراق مشکل تو ضرور بن گئے  
مشکل ہم اگر کس پر جاتے ہیں تو یہی نکتہ کی ضرورت کہنا۔ کیونکہ پورا  
نظام اور سرودہ چیزوں میں اب ہمارے لئے کوئی کشش باقی نہیں رہی ہے  
چنانچہ نسیم ہندیوی نے رشید دھن کے ادکاروں کے انتخاب میں ان پر اسے  
اصولاً کوئی مبالغہ سے خیر یاد کیا اور تمام شے چہروں کو بیکری کر کے۔ وہیں کافی  
تنوع پیدا کر دیا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ تنوع ہی مسرت کی روٹ ہے۔ دوسرے  
قائم شای ہو اب ان گھسے گھسائے ادکاروں کو بار بار دیکھتے ہوئے کٹا گئے  
ہیں اور غم کے اسی تغیر کے باعث اچھی اچھی فلمیں جن میں اس وجہ سے فیل  
ہو گئیں۔ ان کے ادکاروں کے انتخاب میں کبھی جدت طریقی سے کام نہیں  
لیا۔ گ۔ تمام ادب تو جو اپنے یہ قرار ہے کہ فلم سازوں کا اختراعی  
معاذہ بالکل مغلوب ہو چکی ہیں۔ دوسرے پروردگاروں نے زیادہ سے

زیادہ سے چہروں کو پیش کرنے کی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے تو ہمیشہ پر اسے  
ستاروں کی مقبولیت سے فائدہ اٹھانا چاہا صرف اس لئے کہ ان مارکٹ ٹیوٹ  
ادکاروں کے سوا انہی تصویریں اور کوئی جان نہیں ہوتی حالانکہ تصویر کے  
دوسرے پہلو اگر کامیاب، بھل تو نہ پڑنے پر اسے کی نظر ترقی کی ضرورت باقی نہیں  
رہے فلم اگر با اعتبار کہانی والے نغمات اور کچھ باندھ تو نہ پڑے چہرے اسکو  
اور زیادہ جلاؤ نہ کہانی کے زیادہ امکانات پیدا کر دیتے ہیں۔ لیکن ہندوستان  
کے پروردگار دوسرے ہی اس نکتہ کی بات کو نہیں سمجھ سکے برخلاف اسکے ملی دلیوں  
پچھلے دس سال کے عرصہ میں سینکڑوں پر اسے ستارے غروب ہوئے  
اور انکی جگہ نئے ستارے طلوع ہوئے جنہوں نے اپنی تابانیوں سے  
عام کی آنکھوں کو خیر کر دیا اور جہاں پر اسے ادکار ادا رہ گئے ہیں مجاہد اداکاری  
یہ انہیں سبقت لے گئے۔ اقتصادی نقطہ نظر سے نہ پڑے باعث نقصان  
نہیں بلکہ فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں اور انکی وجہ سے انرجیا میں کافی کمی  
جو جاتی ہے۔

۲۹۔ روبرٹ نسیم زلیہ۔ انہوں نے اس سے اسٹیج پر انکی جگہ  
اپنے ذہن نشین کر لیا اور یہی وجہ ہے کہ اسکی شخصیت اس صنعت کو متاثر کر رہی  
کر رہی ہے۔ یہ بھی انقلابی مراحل سے گزرنا ہے۔ اس وقت پر اگر کم ملی ڈوئے  
شہر پروردگار دوسرے ویس کی اقتدا طبع اور ذہنیت آفرینا کی یہی ہے۔ جس وقت اس میں  
اور آرسن ویس کی اقتدا طبع اور ذہنیت آفرینا کی یہی ہے۔ جس وقت اس میں  
نے اپنی متحرک تصویر ”CITIZEN-KANE“ دلی شاہراہ کو چھوڑ کر ایک۔

نئے اور جدید سادہ کا انتخاب کیا تھا تو ملی ڈوئے کے دوسرے فلم سازوں نے  
وہ طرہ کیا تھا کہ انکی بنیاد مگر کے باوجود آرسن ویس کی تصویر نے ریٹرن ہونے  
کے بعد تمام کٹھن ریکارڈ توڑ دئے تھے اور دوسرے پروردگار کے یہاں  
صنعت نامہ چھ گڑھی تھی انہوں نے اسے بد بھی اسکو اپنا خطرناک دشمن سمجھ کر اس  
پر خدشہ بھرا تھا لیکن وہ اس سے ذرا نہیں گھبرا بلکہ پہلے سے زیادہ صراحت  
رجحانات اور تقاضوں کے ماتحت تقاضا ویر تیار کرنا شروع کر دیں جس کا نتیجہ  
ہے کہ وہ آج کا سب سے زیادہ ہر دلعزیز پروردگار۔ اور اگر کہیں آرسن ویس  
کی طرح بد نسیم ہندیوی سے بھی توقع ہے کہ وہ فلم اندسری سے آئی طرح  
کام لینگا کیونکہ ہماری اندسری ایک ایسی ارتقائی منزل پر پہنچ چکی ہے۔ ان اس  
سے بدلتا کے علاوہ تعلیمی و معاشرتی مسائل کو حل کرنے کا بھی کام لے جاتا ہے۔

نسیم ہندیوی اور وہ کے ایک۔ بیندار انہوں کا چشم و چرا ہے۔



# میں نے یہ دوا کھائی

میں بہت دبا پتلا اور کمزور تھا۔ بدن میں خون نہیں تھا۔ دق کا مریض معلوم ہوتا تھا۔ چہرہ زرد ہو گیا تھا

## ایک بہت بڑے ڈاکٹر نے

مجھے بلڈ ٹانک پلنز استعمال کرنے کا مشورہ دیا۔ اور اتنی یہ کسیر صفت گولیاں پیر لئے آب حیات ثابت ہوئیں۔ چند ہی روز میں  
شیر چہرے پر سرخی آئے مٹی جسم میں نیا خون پیدا ہونے لگا۔ انگلیں بڑھنے لگیں۔ اب میرا جسم مضبوط ہے۔ چہرہ پر رونق ہے۔ یہ گولیاں  
بہت اہم اور قیمتی ادویات کا مرکب ہیں۔ جگر کو تندرست کر کے نیا خون پیدا کرتی ہیں۔ دبلے پتلے اور کمزور صحت کے مریضوں کے لئے  
ادبچوں کے لئے یہ دوا لاکھوں روپے میں بھی سستی ہے۔

ایک پکیٹ جس میں پچاس گولیاں ہوتی ہیں قیمت تین روپے ہے۔ محصول ڈاک تیرہ آنے (۱۳)

اکسیری دوا خانہ کلاس، بکس ۱۱ (کو۔ ڈی) دہلی

## دانت کا درد

## پیشاب میں شکر

یاسوڑھوں سے خون اچھا بہتا۔ آٹا ہوا سوڑھوں میں سوڑھوں  
ہاتھ سے ہوا آتی ہو تو اس تکلیف کا اول نمبر علاج  
شاکھی بخن ہے۔ وقت سے پہلے اگر دانت اٹل کیا ہو اسکو بھی مسوڑھ  
کر دیکھا۔ راتوں رات سوڑھوں کو سرکاری سے ہار دانت کر دینا  
ایک پیشی ایک پکٹ کو ملتی ہے۔ باورلی محصول تیرہ آنے (۱۳) دوا خانہ  
دو پیشی پیشی تیرہ آنے (۱۳) دوا خانہ

یہ ایسا خونناک مرض ہے کہ بعض ہر وقت موت سے کھیل کر رہتا ہے اور  
ڈاکٹری علاج اس کا کوئی نہیں ہے۔ انولین کے آمکھن آجکے ناکل  
سکا رہے مگر یونانی طب کو اس دوا پر ناز ہے کہ خواہ کتنا ہی پڑا نا  
ویا بطیس کی شکایت کا مریض ہو نیو ڈا مینول کے استعمال سے  
بیمار دن میں آرام ہو جاتا ہے اور صحت مدہا رہ نہیں آتا۔  
بیت ممکن کو جس کل پندرہ روپے محصول ڈاک تیرہ آنے (۱۳) دوا خانہ

اکسیری دوا خانہ کلاس، بکس ۱۱ (کو۔ ڈی) دہلی

لکھا جائیگا۔ حال ہی میں نیم نے ایک پریس کانفرنس میں سگنل ملگتے ہوئے اپنے مخصوص میں سگنل کر کہا۔

میں آکا

میں نے دیکھا

اور فتح کر لیا

واقعہ اس نے یہ سچ کہا کہ ایک نئی فائنل حیثیت تقریباً قسیم کی

بیاہی ہے۔

بچپن سے پکڑ کر جاتی ہیں کہ کھنڈر کی ہیں پر دانش اور تعلیم و تربیت پائی اور اس شہر کا تمام وقت انہیں وہ فریادیں ملتی تھیں کہ ہوں ہیں اپنی ہیں مضمون کی ہیں مسلم معاشرہ کی عکاسی کرنے والی تصویریں اس شہر کے تمدن و تہذیب کو پیش کرنے کی اس لئے ضرورت تھی کہ تاریخی اور معاشرتی حیثیت سے یہیں ایک کھنڈر کو ایک خاص شہرت رکھتا ہے کہ نیم سے ملنے کی جن نت نئے طریقوں سے اس علم کو تیار کیا گیا ہے اسکو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ علم جو ہلی کا نام صنعت فلم سازی میں پیدا ہوا ہے اور جو ہلی کا نام اور دنیا کرنے کی وجہ سے وہ اس قدر منہمک ہے کہ لفظ انٹارہ گنڈہ کام کر رہا ہے تاکہ رشید دھن ٹیکنک کے مطابق سے بھی دوسرے ممتاز ہدایت کاروں کی تصویر سے نکلے سکے اگر ایک طرف اسے ہانے چہروں کے برابر سے چہرے لے لے ہیں تو دوسری طرف ٹیکنیشن کے انتخاب میں اسے اس بات کو بطور خاص ملحوظ رکھا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ چوڑے اور تجربہ کار ہوں کیونکہ یہی چنگی صرف تجربات کی مدد سے منت ہوتی ہے اس میں نووارد ذرا بھی کامیاب نہیں ہو سکتا اور نیم کی یہ دوراندیشی دلالت کر رہی ہے اس بات پر کہ سائنس ٹون لٹریچر میں ہی صنعت فلم سازی کو بامعاوضہ پہنچا دینگے اور فلم سازی کا یہ نیا دور جو پتی کی فلمی تاریخ میں اب زور سے

بھگتی میں ڈوبے ہوئے میرا باقی کی حقیقت سے پر بھجن چو اب تک ہندوستان کے کچھ کچھ کی زبان پر ہیں۔ ان ہی بھجنوں کو شالیمار نے ناقابل فراموش نغمات میں تبدیل کر دیا ہے۔ جن کی دہائیں من کی حیرت اور غلامی سے کہیں زیادہ وحش اور ہیں۔ میرا باقی کی دل کو موہنے والی موسیقی اور عظیم الشان رقص نے اس کو آرٹ کا موقع بنا دیا ہے۔

شالی مارا کچر کا قابل فخر دھار مک شاہکار

میرا باقی

میرا باقی

میرا باقی

میرا باقی

میرا باقی

میرا باقی

# بیمار آنکھوں کا علاج

## روشنی قائم رکھنے کا طریقہ



کرٹل آئی ڈیا اس کے استعمال سے آنکھوں کی روشنی ٹھیک ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ سر  
لا تعداد اہلکار کی مائے کہ تندرست آنکھ والے اگر اس دوا کا استعمال کرتے رہیں تو ان کی نگاہ بھی  
کمزور نہ ہو۔ انھیں چشمہ لگانے کی ضرورت نہ پڑے کیونکہ

کرٹل کی دوا آپ { آنکھوں کو ہر موسم میں پوری طرح محفوظ رکھتا ہے۔ جگہ کے خاتمہ کے بعد کرٹل آئی ڈیا پر پھر آئی ڈیا  
نے یہ دوا آخر تک کرنا مائے کے زمانہ تک بچھڑے ہوئے روپ چونے (نہا) سے محصول آگ تیرہ آگے (نہا) ملائے ہے۔  
نوٹ۔ یہ دوا ماسا نوپا لایہ ہوئی یا ہیر کرٹل آئی ڈیا پر پیلانی (نہا) سے پتہ غراب ہونے والے (نہا) و سیمک ہیر کرٹل۔

## کرٹل لیبارٹریز (انڈیا آنرز) جس (لا) کو (ڈی) دہلی

## دمہ کی اکسیری دوا مسل گتی

کہتے ہیں کہ دمہ کی بیماری دم کے ساتھ ہوتی ہے۔ مگر یہ بات اب بالکل غلط ثابت ہو رہی ہے۔ کیونکہ دم  
دوا کے استعمال سے دمہ کی بیماری جڑ سے نکل جاتی ہے۔ یہ ایک ایسا علاج ہے کہ جس کا جواب نہیں ہے

## اِس کی پہلی خوراک اپنا اثر دکھاتی ہے

جڑی بوٹیوں سے تیار کی ہوئی اِس دوا نے ہندوستان کے لاکھوں ایسے مریضوں کو جن کی زندگی خطر  
میں پڑی تھی بچا لیا۔ جن بھائی بہنوں کو ضرورت ہو پتہ دیا۔ ہر ایک خط لکھ کر منگائیں قیمت ایک شیشی ۲۰ روپے  
تیار ہے۔ پابسل پر تیرہ آنے محصول لگے گا۔

## اکسیری دوا خانہ کلاں محل بس نمبر ۴۴ در۔ ٹی، دہلی

تلخ دشیریں :- اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش  
میں زہر طہاں کو کبھی کہہ نہ سکا قند

## پرلے بس میں

انڈیا یونائیٹڈ کچہرز کی ناکام پیشکش

دیکھنے کے اعتبار سے یہ ایک شاہکار ثابت ہوگی مگر اس تصویر کو دیکھنے کے بعد اس  
دعویٰ کی حقیقت نقش بر آب ثابت ہوئی کیونکہ عام تساویری کی طرح اس میں ہی مفرد  
محبت کا سوا کچھ رچا گیا ہے اور فنی نقطہ نظر سے اس میں کوئی باز بت نہیں ہے۔  
کہانی : شاہجہاں بیگم کے نام سے موسم کی گواہ ہے ہر کو اس کو کہے کہ یہ  
نام آج سے قبل ہماری نظر سے کبھی نہیں گزرا ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی فرضی نام ہو کیونکہ  
آجکل خواتین کے نام سے کہانیاں مکمل درگھنے لگنے کا ایک نیا پیشہ سا ہو گیا ہے جیسے کہ  
دیوالیہ پر، ڈیوکر شہزادہ بیار نے اپنی بیگم کو افسانہ نگار ورعہ لہ نہاں کی جیسٹ  
سے رو شناس کرنے کی کوشش کی تھی بہر حال کہانی شاہجہاں بیگم کی ہوا کی ایسے نمائند  
کی جنہوں نے شاہجہاں بیگم کے نام کا گھینا اور فرض نقاب پہن رکھا ہے پھر بھی نئی نہ  
میں کسی متک جان منور ہے اور جس مقدمہ کو مرکزی خیال و مجرا سے سپرد تم کیا گیا ہے  
وہ فرسودہ ہے مگر اس سے اکتا دینے والا موضوع نہیں کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ  
ساتھ یہی کہنا چاہیے کہ اس کہانی کا اگر تجزیہ کیا جائے تو یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ  
میاں ایم اے کی "نرگس" اور قاضی عبدالغفار کے "دلیلی کے خطوط" کا چر ہے۔ اور  
لکھنے والے یا لکھنے والی نے ان دونوں کتابوں کے پلاٹ کو سنج کر کے بعد ازاں سکون  
میں سمونے کی سعی ناکام فرمائی ہے مگر اس زبردستی کی غولس خاصیت یہ ہے کہ کہانی  
جن پیدا ہونے کے اس مقدمہ کو نقصان پہنچی گیا جس کی وجہ سے یہ کوشش کی گئی تھی  
اگر غرض سے قطع نظر کہانی میں پڑانے یا سکوی تا دلوں کی طرح چہرے، رنگ کی گواہ  
ہے اسنے کہانی کی لطافت کو بالکل ہی خاک کر دیا ہے جو طرح جن کرداروں کو دیواہا بھارت  
چاہیے تھا۔ اور کو بالکل ہی دیا گیا مثلاً ذکر کردہ کہانی کا کہانی کے آخری حصہ میں کافی ہیئت  
دکھتا ہے مگر مقدمہ شروع سے لیکر آخر تک اس پر کسی خاص توجہ کی ضرورت نہیں سمجھی اگر  
اسکو زاد و اج کر دیا جاتا تو کہانی میں یہ قسم درہم ہوتی طرح ٹھکانا کر دیا بالکل مفرد  
دور پر ظلم کو برہانے کے لئے پیدا کیا گیا جہاں تک اسکی حیثیت مالک کہانی کی تھی۔ اس تک

### پرلے بس میں

|             |                                |
|-------------|--------------------------------|
| پیشکش       | انڈیا یونائیٹڈ کچہرز           |
| زبان        | اردو                           |
| کہانی       | شاہجہاں بیگم                   |
| مکالمے      | احسان بی۔ اے                   |
| نمات        | مزید کا شمیری طفیل ہوشیار پوری |
| موسیقی      | تیار حسین شامی۔ ونود           |
| نگار ان لوہ | آرتھنگولی                      |
| عالم        | ٹی۔ آر۔ جوشی                   |
| صدا بند     | اسمان گھوش                     |
| ترتیب       | ایم۔ اے۔ لطیف                  |
| ترتیب       | چادلی۔ رتی لال                 |
| نمائش گاہ   | کمار ناگیز                     |

اداکار

آشا پوسلے۔ پران۔ زبیرہ۔ ظہیر شاہ۔ رام لال۔ ملا۔ دیکھو ملٹر ویریکم  
بی بی رضا سلیم۔ غلام قادر وغیرہ۔

برائیت کار  
داؤد چاند

اس تصویر کی تیاری کے زمانہ میں انکی شاندار پبلش کے ذریعہ حوام کو  
یہ یقین دلانے کی کوشش کی گئی تھی کہ یہ تصویر وقت کے تقاضوں کے مطابق ہے اور



مرد و مرہم جراثیم بونیوں کے خلاف ریسک سے تیار کیا جاتا ہے اور جو سب یوں سے کارآمد ثابت ہوا ہے اس کے ساتھ ساتھ کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا ہے۔ جلدی امراض کے دوسرے مرہم کے بہ نسبت یہ دس گنا زیادہ جراثیم کش ہے۔ ہمدرد مرہم کو پہلی مرہم بنانے کی صورت چھات کا زخم، بونہالہ سے اور جلدی تکلیف اور زخم پائے جانے لگتے ہیں اس طرح کہ بے درد پوزخیم کا کوئی دوا بھی باقی نہیں رہتا۔

زخم - جلنے کے زخم - ناسور - خارش - بھگی - دوا اور بھوت چھات کی بیماریوں کے لئے آکسیر ہے۔

ہمیشہ ہمدرد اپنے پاس رکھئے  
دو ڈبیاں خریدیں ایک مکان  
کے لئے اور دوسری دفتر  
یا کارخانہ کے لئے



ہمدرد دواخانہ لیپور پٹنہ دہلی  
راہیں خوں و مسرتی کے تائے داتے

مکمل نہیں بالکل اسی طریقہ سے جیسے دوسرے فلموں میں ہوتا ہے ہر دفع صاحب فرما رہی ہیں۔

جون کی بند کھلی کو کوئی بھول بیٹا نہ آئے گا۔

جون کے ذکر کے ساتھ ساتھ آج کے کانوں میں مہریت کا مترج بھی کچھ بڑی سا ہو گیا ہے جس وجہ سے بڑا بڑا طفیل صاحب نے فلم رتن کے گیت "تم مجھے پر دیس لگا کر ٹھیس"

کے الفاظ کی گورکھ دھند سے کو اپنے گیت

"سیرے دل پر لگے گی چٹ۔ ذکر نا کوٹ"

میں پیش کر کے یہ عرض بھی پوری پوری طرح ادا کر دیا ہے جس سے ہم صرف یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ فلمی دنیا میں قابلیت وغیرہ کام نہیں آتی یا شاید اس ماحول میں پونچے کے بعد ساری صلاحیت سلام کر کے پیٹھ پر ہو جاتی ہے کیونکہ بچے اپنے شاعر اس لاش میں پونچ کر اپنے وقار کو کھو چکے ہیں۔

موسیقی فلم کی حقیقی کینے آل انڈیا ریڈیو کے شہرت یافتہ نیاز حسین شامی اور دونوں خدمات حاصل کرنے کے باوجود یہ تصویر اس اعتبار سے انتہائی ناکام ہے کیونکہ موسیقار نے اس میں جدت طرازی کا ثبوت نہیں دیا۔ وہ سچی پنجابی موسیقی تو فلموں میں سستے سے باسعادت بن چکی ہے اس میں بھی پیش کی گئی ہے اور بیک گراؤنڈ میوزک تو انتہائی گھٹیا اور بچہ ہے۔ ہر موقع پر تقریباً ایک ہی تم کے سازوں کی آواز پیش کی گئی ہے۔ اور ایک منظر میں تو سازوں میں ہم آہنی بھی باقی نہیں رہی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ان خداوندان موسیقی نے اپنی ٹیم کے ہر ذکو میوزک ڈائریکٹر بننے کا موقع دیدیا تھا اس لئے ہر شخص نے اپنی سوجھ کے مطابق اس منظر پر مشق ڈالی۔

صدائیں بھری گوارا ہے مگر کنڈا لال کی بیوی کی آواز کے وقت بطور خاص اس بات کو ملحوظ رکھا گیا کہ اسکی آواز بچنے ہوئے بانس کی طرح نکلے ممکن ہے صدائیں بھری کوئی فنی معجزہ ہو مگر افسوس ہے کہ تماشائی اس فنی قابلیت کو نہیں سمجھ سکے۔

عکاسی انتہائی دلکش اور مجاذب نظر ہے لیکن آؤٹ ڈور شوٹنگ میں روپاکے چہرے اس سختی کے ساتھ دھوپ عکس ڈال گیا ہے کہ اس بھاری کی آنکھیں باریاں چند حیا جاتی ہیں۔ محروموں کے دھڑکنے وقت جو منظر دکھایا گیا ہے وہ بید حیا ہے اسی طرح پریم اور پشپا کی پہلی ملاقات کے وقت موٹو کا آئینہ میں عکاسوں کے تصادم کے شلالش چونے نئے زاریوں سے لگے ہیں وہ عکاس کی فنی سر جو بچہ کا پتہ دیتے ہیں۔ مجموعی حیثیت سے ٹی۔ آئی۔ جی

یہ درست ہے مگر پشپا اور جین پر اسکی حکومت نظرت کے عین خلاف معلوم ہوتی ہے جین کی نگاہ میں شریف خان گردش کرنا ہے مگر بھوک و افلاس کی وجہ سے اس کا ضمیر مردہ ہو گیا ہے وہ پشپا کی زندگی کو افسانہ نہیں بنانا چاہتا ہے تو پشپا کے ٹھکانے کے کپنے سے کیسے پسپا ہو جوں کے ہمراہ چلا جائے دیا ہوا اس وقت ٹھکانے سے اکل لائی ہو جانا چاہیے تھی مگر ایسا نہیں تھا۔ ورنہ کہانی اسی جگہ ختم ہو جاتی۔ جو سکتا ہے کہ ان غلطیوں کی کسی حد تک ذمہ داری منسٹر رائٹر پر بھی ہو لیکن اس سے کہانی کی تمام کمزوریاں اس سے منسوب نہیں کی جاسکتی ہیں دوسرے بنیادی کمزوریوں کی پہلی ذمہ داری افسانہ نویس پر ہی عائد ہوتی ہے

مکالمے احسان علی شاہ جی اس نے سپر قلم قبضے میں احسان صاحب، روداد میں ایک مترجم کی حیثیت رکھتے ہیں اور میں کافی کامیاب بھی ہیں مگر جہاں تک کہ انکی ذاتی حقیقتات کا سوال ہے۔ اس حیثیت سے صاحب موصوف کو کوئی خاص رعب حاصل نہیں ہے اب اگر کچھ دونوں سے احسان صاحب سے صاف سنی دیند سے وابستہ ہو گئے ہیں۔ اور انکی یہ اپنی فلم ہماری نظر سے گزری ہے جہاں تک بیادنگی اور برجنگی کا سوال ہے وہ ان مکالموں میں کسی حد تک موجود ہے مگر ادبی شگفتگی اور سلاست کا ان میں سرے سے پتہ ہی نہیں اور انکی کے مکالموں میں تو زیادہ تر تھیں ٹھیک انداز نمایاں ہے حالانکہ صاحب موصوف نے ان میں مزاح پیدا کرنا چاہتا ہے مگر بھوک و افلاس ہے ان میں مزاح کے بجائے بازاریتہ اور بھوکا چہرہ کا مزاح ہو گیا ہے۔ شاید احسان صاحب یہ بھول گئے کہ مزاح ہر لمحہ کھینچنے والے کو قدرت حاصل نہیں ہو سکتی اگر بھوکا چہرہ تو آج ہندوستان میں عام ہے چند کے عیاری مزاح نگاروں کی اس بری طرح کمی نہ ہوتی۔ علاوہ ازیں پشپا کے کردار میں کافی جان ہوتے ہوئے انھوں نے اس کے مکالموں کو کافی تشدد رکھا اگر وہ اس کردار کی ہمت پر غور کر کے لکھتے تو نہ صرف اپنی اعتبار سے فلم بند ہو جاتی بلکہ اس کردار کا نفساتی پہلو بھی پوری طرح ابھار دیتا ہے مگر انھوں نے کہانی کی اس بنیادی کمزوری کو غور سے کرنے کے باوجود اسکو دور کرنے کی ذمہ داری برسرِ حق نہیں کی۔

نغمات عزیز کشمیری اور طفیل پوشپا پوری کی جدت طبع کے سرچون منت ہیں۔ دوسرے فلموں کے مقابل میں انکو ہل نہیں کہا جاسکتا البتہ بے تکان ان میں بھی موجود ہے مثلاً

"پہرا ڈھ چندر یا کھونٹ میں سے بیدری کو جھانکوں گی"

بیدری کو جھانکنا دہلی دو۔ بی۔ پی۔ تو ناممکن ہے لیکن جو سکتا ہے کہ کشمیری اور پنجاب میں اس کے لئے آسانیاں پیدا ہوں گے لہذا کچھ کوئی گمانیہ فقط جو سن کے

نابل مبارکباد ہیں۔

ہزار ہا بزرگوں کا آزمودہ

خضاب

صرف

جہاز مارکہ

نمبر ۵۵ ہے

آپ بھی آزمائش کیجئے  
اپنے

قریبی دوکان دار سے خریدیئے یا  
براہ راست ہم سے منگائیئے

جمال الدین اینڈ سنز

سرے حافظ بنہ دھلے

رقص آتش پوسٹ کا ہمارا نقشہ فنی اعتبار سے کافی بلند ہے مگر اسکے بعد جو رقص پیش کئے گئے، اونکو لایق طوائف کے سوا اور کوئی دیکھنا نہیں دیا جاسکتا۔ اسی طرح ارفع میں جو گانے گائے گئے ہیں۔ اور اسکے ساتھ رقص کی جو سوسائٹی گئی وہ انتہائی مضحکہ خیز ہے۔

اداکاری کے اعتبار سے تصویر کافی اچھی ہے اول تو ہتھ پوسٹ کے خدخال اسکرین پر ٹی کے مطابق نہیں ہیں نہ سر سے نہ قدم اہٹرو شیز کے کردار کو نبھاسکی ہے اور نہ دقا صکی حیثیت سے کامیاب ہے اس طرح پراں بھی وقت گزاری کرتا نظر آتا ہے اس کی چہرہ پر نہ تو کسی وقت ہم اور نہ کبھی مسرت کا شائبہ پایا جاتا ہے زرمیدہ نے اپنے مختصر رد میں ایک صوغ و شنگ حسیں کا کردار بڑی خوبی سے نبھایا ہے، اور مڈ کی خوبی کے وقت اس نے ایسے عمدہ ایکشن دیئے ہیں کہ پراں اور ہتھ پوسٹ دونوں پٹ گئے مگر اسکے مقابل میں پلیم رفا بالکل بدیہ نظر آتا ہے۔ وہ سوائے کھڑے رہنے کے اور کچھ نہیں کر سکتا دیکھ کر تو یہ غصوں ہوتا ہے جیسے وہ کبریا کے سامنے پہلی مرتبہ آیا ہو اور بھیجک خوف کی وجہ سے کبکھڑا گیا ہو۔ سوام مل میں بڑھنے کے جوہر بوسیدہ ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت کار نے کسی خاص صحت کی وجہ سے اسے بھرے کا موقع دیا یہی رہنما مختصر رد کے باوجود اداکاری کے لحاظ سے نقطہ شروع پر پہنچ گئی ہے۔ ایک اس کی حیثیت سے رتی برابر بھی ترقی نہیں کر سکا حالانکہ آخر وقت میں اسکو یہ موقع حاصل تھا کہ وہ پورے فلم پر چھٹا سکتا تھا۔ نظر نے ایک کھنڈر سے نوجوان اور دلچسپ دوست کا کردار بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے اور جب تک وہ سڈ نے اتنا ہی تماشا ہی اس سے متاثر رہتے ہیں۔ غلام قادر کسی سے بھی اپنے لئے تصویر میں جگہ پیدا نہیں کر سکا کیونکہ وہ ہر موقع پر اور ایکٹنگ کا شکار رہتا ہے اسکے برعکس خوب صورت ہونے کسی حد تک معیاری اداکاری کا ثبوت دیتا ہے باقی اداکاری کا ثبوت دیتا ہے باقی اداکار صرف فائنٹی حیثیت رکھتے ہیں۔

ہدایت کاری اس تصویر کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ داؤد چاند میں ہدایت کار نہ صلاحیتیں تو موجود ہیں مگر جامع استعمال ایسی انکو نہیں آتا ہے اور نہ یہ تصویر کی شرمشگ سے پہلے "پیر واک" پر غور کرنے کے عادی ہیں اگر کسی تصویر کی کہانی پر یہ ضرور دیکھیں خود کو کیسے اور اسکے تسلسل کا صحیح خیال رکھتے تو یہ ایک اعلیٰ پایہ کی تصویر ثابت ہوتی اسکے علاوہ ان کو اداکاری پر کمر مٹول کرنا بھی نہیں آتا ہے پری جو ہے کہ ابھرنے والے کردار

جہاز مارکہ نمبر ۵۵ ہے آپ بھی آزمائش کیجئے اپنے

# عکسِ ریزیاں

کرشن چندر اپنی ذاتی کمپنی ماڈرن تھیٹر کیلئے ”راکھ“ فلمائینگے

رشید دھن کے بعد نسیم سندیلوی کی ”نئی تصویر“ داستان ہوگی

جاں نثار اختر اور عصمت چغتائی کی شکایت شوکت تھانوی ”لاکھوں میں ایک“

ظفر تیزی اور جمیل منظر کی بجاوت۔ امتیاز علی تاج کی جیل یا ترا تنویر نقوی کی ملکہ

ممتاز مفتی کی حسرت۔ ساحرا اور تاباں باغی۔ خانہ بدوش شاطر غزنوی۔ زبق کی کھوپڑیا

کے متعلقہ ہیں پیش کیلئے ”سرائے کے باہر“ کی اس ریورٹ کے بعد یہ اندازہ لگایا۔ ہوگا کہ راکھ ”سرائے کے باہر“ سے کہیں زیادہ بلند اور اعلیٰ تصویر ثابت ہوگی۔ خدا کرے ہمارے قیاس غلط ثابت نہ ہو۔

**نسیم سندیلوی** بی۔ اے (آنرڈ) ایم۔ اے۔ جو افسانہ نگار اور صحافی کے بعد اپنی پہلی تصویر ریزیاں ہونے سے قبل ہی ایک بلند پایہ ہدایت کار کی حیثیت سے ناقابلِ فراموش شہرت حاصل کر چکے ہیں، نئے بارہاں تازہ ترین اطلاع ملی ہے کہ وہ سائن ٹون لمیٹڈ کی پہلی تصویر رشید دھن کو تقریباً مکمل کر چکے ہیں۔ اس تصویر کے مکمل ہونے پر شریابی۔ اے (آنرڈ) کی جہشِ قلم کے رہن منت ہیں۔ اور کہ ان کی کامیابی کے لئے عمر انصاری بی۔ اے (آنرڈ) کا نام لیا گیا ہے۔ اور کرشن، ایس نیل کی نگرانی نسیم سندیلوی نے خود قیام دی ہے۔ اس تصویر میں کھنڈی معاشرت کا ایک دیبا سس پیش کیا گیا ہے جو قبل ازہر کسی تصویر میں نہیں دیکھا گیا۔ نسیم سندیلوی جانے سمجھنے کے داستانِ فلکیاں گئے۔ جسکی کاغذی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں اور داستان کے بعد سہاگ کی فلم بندی شروع ہوگی۔ داستان کے مکالموں کے لئے ریڈیو کے مشہور ادیب ایم۔ اے۔ لطیف کی خدمات گرا فٹرز

ہندوستان کے جلیل القدر ترقی پذیر افسانہ نگار کرشن چندر جو قبل ازیں نیتل سٹوڈیو میں بحیثیت ہدایت کار شامل ہوئے تھے اور وہاں ایک فلم ”سرائے کے باہر“ بھی تیار کر چکے ہیں اب اپنا باقی پروڈکشن ماڈرن تھیٹر کے نام سے شروع کر رہے ہیں۔ ایک حالیہ اطلاع کے مطابق کرشن چندر اپنے اس ادارہ کے لئے پہلی فلم ”راکھ“ تیار کر چکے ہیں۔ اس کا افسانہ خود انکی دہشی کاوشیں حاصل ہوگا۔ مکالموں کی ذمہ داری بھی اس دہشیانا افسانہ نگار نے اپنے سر لے لی ہے۔ انھوں نے لئے ہندوستان کے نوجوان شاعر و شاعرِ جوانی ایم۔ اے۔ اور حیدر آباد کے بیباک فطرت و نگار حیدر کا نام لیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ یہ نیا فلم اس تصویر کے لئے بیکارک خیال ثابت ہوگا۔ اس تصویر کا افتتاح ایف ریزیاں کے ہاتھوں سے ہوا ہے۔ اداکاروں میں لادیکا اور مشہور افسانہ نگار ہندوستان کے نامور اداکار ایک اطلاع ہے کہ کرشن چندر کی ہدایت میں تیار ہونے والی پہلی تصویر ”سرائے کے باہر“ اچھی ریز نہیں ہوتی ہے مگر جن لوگوں کو اسکی شوٹنگ یا اسل دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ انکا بیان ہے کہ نہ صرف اس کاغذ سے یہ تصویر بہت کافی بلند ہے۔ اور امید ہے کہ یہ خلافت کرشن چندر نے اسکو ٹیکنک کے لحاظ سے بڑے بڑے دوسرے ہدایت کاروں



انقلاب پروری نہیں، بلکہ اصلاحی تعمیر ہوگی جسے مشہور ادیب بظہری بی۔ اے کی ہدایت میں تیار ہونے کا فخر حاصل ہے۔ بنگال کا جادو تو مشہور ہی ہے مگر بغاوت کے گھٹنے شکر دنیا کو تسلیم کرنا پڑا کہ بنگال کی موسیقی بھی بنگال کے جادو کے مانند ہے موسیقار بنگال پر و فیسرام اپنی خسرو نے جیل تھری۔ ایم۔ اے اور چوکشی کے گانوں کو مقدور دلکش بنا دیا ہے کہ ہر سننے والا انکو سکر کر پ جائیگا۔

مشہر سے دور نامی فلم کے ساتھ فلم نویس امتیاز علی تاج جکے مکالموں میں اب عاصیانہ پن اور بزدالی پن نمایاں ہونے لگا ہے۔ حال ہی میں جیل تو نامی فلم کی کہانی لکھ کر فارغ ہوئے ہیں۔ مگر جھکا میدان میں کہ یہ فلم بڑی حقیقت گماں ہو سکے۔ اس فلم کو ڈاکٹر کٹر جاگیر فارسیہ ادارہ جاگیر دار پر دوشن کیلئے فلمار ہے ہیں اداکاروں میں کاشنی کوخل اور رن پور وین ہیں۔

تتویر نقوی، ای۔ اے اور فلمی دنیا میں کسی مزید تصارف کے محتاج نہیں ہیں آجکل یہ مضطرب ادیب ہندو بھارت کی جدید ترین تصویر ماکہ کی نہ صرف کہانی لکھ رہے بلکہ اسکے مکالمے اور نغمات بھی اسکے ہی قلم کے ہیں منت ہونگے اس تصویر کو ڈاکٹر کٹر جاگیر دار سے پہلے شری شری پانچ ہدایت میں تیار کریں گے۔ چنانچہ اسکے لئے انھوں نے سوچنا سمرقند، ریاض، امین اور کاشمیر کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔

ممتاز مفتی عمر حاضر کے بلند پایہ ترقی پسند افسانہ نگار ہیں انکے مجموعے ان کی اور کئی گئی کو اردو ادب میں ایک گراں قدر اضافہ سمجھا جاتا ہے۔ ریڈیو کے علاوہ اب یہ ممتاز انشاز فاراد اسٹوڈیو کی فلم جنت کا سنریو اور گانے گیتوں میں متہمک ہے۔ یہ کیلینی پنجاب کے چند جملہ مند نوجوانوں نے قائم کی ہے اور اسکے گیتا وحرنا اے، ایس رکورڈ ہیں جو مست کے پروڈیوسر کی حیثیت سے عنقریب روشناس ہونگے۔ اس تصویر کے مکالمے عظیم مرزا تھریر فرمائیں گے۔ کاسٹ کا بھی اعلان نہیں ہوا ہے مودی میکرو لیمڈ کی پہلی پیشکش خانہ بدوش ہے جسے مکالمے ہوئے ہوں۔ ادیب اور ہدایت کار شاطر فریدی کی صلاحیتوں کے آئینہ دار ہونگے گانوں کیلئے بیل کا نام لیا جا رہا ہے۔ غلام حیدر موسیقی کے انچارج ہیں اور ڈاکٹر مدن موہن ہیں۔ اداکاروں میں کلاوتی سلیم رضا، دادھار، مجنوں ریش نایاب، غلام قادر، اقبال، لگو اور بیون کا نام لیا جا رہا ہے اسکے علاوہ آئندہ پروگرام میں۔ رقصہ، میخانہ، لچل کا اعلان کیا گیا ہے۔

پر حاصل کی گئی ہیں۔ نغمات کیلئے عمر انسادی بی۔ اے (آئرز) کا نام لیا جا رہا ہے۔ داستان میں بھی نسیم خدیو کی فنکارانہ صلاحیت کا دلکش مظاہرہ ہوگا۔ اداکاروں میں اس تک صرف شہنازہ وہنگھت کے ناموں کا اعلان کیا گیا ہے تفصیلی اطلاعات کا انتظار ہے۔

**نویگ چٹریٹ**۔ بونہ جو عظیم بیگ چغتائی مرحوم کی کہانی شکایت فلما ہے، تھی۔ وہ قریب قریب تیار ہو چکی ہے۔ اس فلم کے مکالمے عظیم بیگ چغتائی کی ہشیرہ مصمت چغتائی نے قلمبند فرمائے ہیں۔ عصمت اڈو کی مشہور افسانہ نگار قاتلوں ہیں جسکا متعدد افسانے عربی کی، بڑے کھلبلی بچاچے میں رستے، فسانہ کی اشاعت کے سرسید عہد سادہ اب معیف کے فطانت نقش زبانی پر ہر پاک ہو کر عیال ادب کی ترویج کے سلسلہ میں مقدمہ جو چل چکا ہے۔ نہیں کہا یا سکتا کہ شکایت کے ناموں میں کونسا انداز نگار شری ان کا کیا گیا ہے۔ آئندہ خوبست طاف اور نقل ہی والا قلم منتقل کیا گیا ہے تو ہم کو اندیشہ ہے کہ بیٹی سنسر ہڈ اس فلم کو سنسر نہیں کریں گے اس فلم کے گانے مشہور ترقی پسند شاعر پر و فیسرام انشا کی بدت طبع کا شیوہ ہیں اور خیال ہے کہ ادبی لحاظ سے کافی بلند ہونگے۔ اور جان شاد اختر اس میں اپنی سابقہ شہرت کو برقرار رکھنے کے فرائض شاد بطیف بجالا رہے ہیں جو عظیم بیگ چغتائی مرحوم کے بیٹوں یعنی مصمت چغتائی کے شوہر ہیں۔

**کون ہے وہ شخص** جو شوکت تھانوی کے نام سے واقف ہو قبل از یہ اطلاع ان ہی وقت میں اس شخص کی چاچکی ہے کہ حضرت شوکت تھانوی بچوں آرٹ میں شامل ہو چکے ہیں اپنے معلوم بڑا تھا کہ صاحب محو ف برسات کی ایک رات کے مکالمے لکھیں گے مگر اب معلوم ہوا ہے کہ مشر بچوں نے اس تصویر کو فلمانے کا ارادہ ترک کر دیا ہے اور اسکے بجائے لاکھوں میں ایک تیار کر رہے ہیں سنا ہے کہ اس کی کہانی اور سنریو شوکت صاحب کی بدت طبع کا، ہمیں منت ہے۔ توقع ہے کہ یہ تصویر بچوں کی دیگر تصاویر کے مقابل میں کافی بلند و برتر ہوگی بشرطیکہ کہ شوکت صاحب کی کہانی کو جو کاتوں برقرار رکھا گیا اور۔ میں کوئی قطع و برید نہیں کی گئی۔

بغاوت کسی حکومت سے نہیں بلکہ یہ نام ہے شہزاد آرٹ فلر لیمڈ ملکات کی پہلی فلم کے پروڈیوسر ہیں۔ رمضان اشرفی ہیں اور جتیزی کے ساتھ تکمیلی درارج طے کر رہی ہے۔ بعض حصوں کی منظر کشی کے وقت کچھ اور باب ذوق حاضر تھے۔ انکار یا داک یہ ہے کہ واقعی بغاوت سالوں میں کی لایک

نے لکھی ہے۔ اور وہی اس فلم کو ڈائریکٹ بھی کر رہے ہیں نغات کے لئے سوہن لال ساحراہم۔ اے۔ تانیاں جہانوی اور تنویر نقوی کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔ اماکاروں میں قمر۔ نازلی۔ انیلا۔ چندا اور آصف جاں کے نام درخشاں ستاروں کی حیثیت سے جگمگا رہے ہیں۔

## قوم کا تازہ بہ چہ خریدیے شہر:-

کلکتہ میں:- عبدالصمد نیوز ایجنٹ۔ نیویارک اسٹریٹ پوٹائیں:- اسلم بکڈپو۔ بینٹل روڈ  
سائیکلوں میں:- مالکینکاول نیوز ایجنسی۔ حیدر چوک  
احمد آباد میں:- وکیل بکڈپو۔ محمد علی روڈ۔  
شفیع بکڈپو۔ کالوپور ٹاور  
کلیم بکڈپو۔ خاص بازار  
بدرا الدین جی نظامی۔ کالوپور ٹاور  
منشی عبدالکریم نیوز ایجنٹ۔ خاص بازار

انگریزی کے مشہور ادیب آجکل سکرپٹر کی کاغذی تیاریاں میں منہمک ہیں۔ اس تصویر کو ظہورِ راجہ۔ راجہ مودی ٹون کے لئے تیار کر چکے راجہ کا خیال ہے کہ یہ تصویر فرانس میں تیار کی جائے ہم نہیں سمجھتے کہ آخر اس قدر مصلحت کی ضرورت ظہورِ راجہ کو کیوں ہوئی اگر ان کا ہنسیا یہ ہے کہ بین الاقوامی حیثیت سے اس تصویر کو پیش کیا جائے تو انکو بجائے فرانس جانے کے۔ ڈاکٹر کونٹس اور نیچا لگر کے اصولوں کے مطابق یہ تصویر تیار کرنا چاہیے۔ اس طرح ان کا منشا پورا ہو جائیگا۔ میرا مائی مشاہیر کی جدید جن تخلیق ہے جو جنرل ٹاکینز کے ذریعہ سے مغربِ مدہلی میں ریلیز ہو رہی ہے۔ تصویر کی پوری کامیابی کا اس لئے یقین ہے کہ میرز جنرل ٹاکینز اسکی بڑے اچوتے طریقہ سے پسٹی کر رہی ہے۔ اس تصویر میں بنیانے پہلی مرتبہ رقص کیا ہے۔ اس فلم کے اسٹڈیو سے یہ بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ نینا کے یہ رقص فی نقطہ نظر سے کافی ماند ہونگے۔ اور ڈاکٹر ڈیوڈ اچمد نے اس تصویر پر محنت بھی کافی کی ہے۔

امیسیل فلمز کی تازہ ترین فلم باغی ہے جن کی کہا قی سید آزاد

# جملہ اقسام کے ہمہ جات

کیلئے

بستی

آگ۔ زندگی۔ موٹر۔ بحری اور حادثات دریافت

کھجے

ایس۔ ایم۔ محمد احمد اسکوٹر براؤنچ منیجر حبیب الشورش کمپنی (پرائیوٹ)  
قطب روڈ۔ دہلی

میشال

سنگرم سینٹ

بیرائل نیل لاش

HAIR OIL

حسن و حسن کے لیے

# سابقہ قائدین

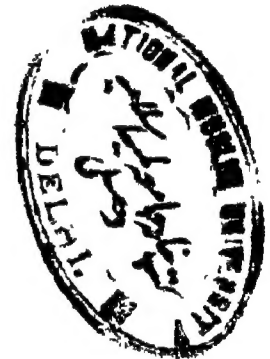
آپس میں سیاست کے بارہواں



میرزا حسن علی شاہ



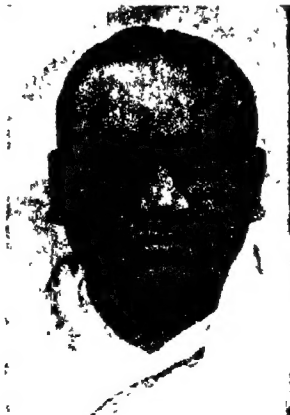
پروفیسر یحییٰ حسن



آئی ایم اے، علی گڑھ



میرزا حسن علی شاہ



پروفیسر یحییٰ حسن



آئی ایم اے، علی گڑھ



مهندس علی محمدی



مهندس علی محمدی



مهندس علی محمدی



مهندس علی محمدی



مهندس علی محمدی



مهندس علی محمدی



مهندس علی محمدی



مهندس علی محمدی



مهندس علی محمدی



مهندس علی محمدی



مهندس علی محمدی



مهندس علی محمدی

